حجیتِ حدیث پر منتخب اردو تصانیف کا تجزیاتی مطالعہ

تحقیقی مقالہ برائے **ایم۔ فل علوم اسلامیہ**

مقالہ نگار

عبدالواحد

ایم فل علوم اسلامیہ

رجسٹریشن نمبر: 6 MPhil-IS-S20

شعبہ اسلامی فکر و ثقافت

فیکلٹی آف سوشل سائنسز

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز اسلام آباد

دسمبر 2022ء

حجیتِ حدیث پر منتخب اردو تصانیف کا تجزیاتی مطالعہ

تحقیقی مقالہ برائے **ایم۔فل علوم اسلامیہ**

مقالہ نگار

عبدالواحد

ایم فل اسکالر شعبہ علوم اسلامی فکر و ثقافت

رجسٹریشن نمبر: 6 MPhil-IS-S20

نگران مقالہ

ڈاکٹر محسن خان عباسی

لیکچرار، شعبہ اسلامی فکر و ثقافت

نمل اسلام آباد

شعبہ اسلامی فکر و ثقافت

فیکلٹی آف سوشل سائنسز

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز اسلام آباد

سیشن 2023_2020ء

بِسْمِ ٱللَّهِ ٱلرَّحْمَٰنِ ٱلرَّحِيمِ

منظوری فارم برائے مقالہ ودفاع مقالہ

(Thesis and defense approval form)

زیر دستخطی تصدیق کرتے ہیں کہ انہوں نے مندرجہ ذیل مقالہ پڑھا ہے اور مقالہ کے دفاع کو جانچا ہے، وہ مجموعی طور پر امتحانی کارکردگی سے مطمئن ہیں اور فیکلٹی آف سوشل سائنسز کو مقالے کی منظوری کی سفارش کرتے ہیں۔

مقالہ بعنوان: **حجیتِ حدیث پر منتخب اردو تصانیف کا تجزیاتی مطالعہ**

<u>Translation of Title in English& Roman:</u>

<u>Analytical Study of Selected Urdu Books on the Authority of Hadith</u>
Hujeat-e-Hadith par Muntakhab Urdu Tasaneef ka Tajzeyati Mutala

نام ڈگری: ماسٹر آف فلاسفی علوم اسلامیہ

نام مقالہ نگار: عبدالواحد

رجسٹریشن نمبر: 6 Mphil-IS-S20

ڈاکٹر محسن خان عباسی ______________________

(نگران مقالہ) دستخط نگران مقالہ

پروفیسر ڈاکٹر مستفیض احمد علوی ______________________

(صدر، شعبہ علوم اسلامیہ) دستخط صدر شعبہ علوم اسلامیہ

پروفیسر ڈاکٹر خالد سلطان ______________________

(ڈین فیکلٹی آف سوشل سائنسز) دستخط ڈین دیکلٹی آف سوشل سائنسز

تاریخ____________

حلف نامہ فارم

(Candidate Declaration Form)

میں عبدالواحد ولدیت: نذیر احمد

رول نمبر: numl-s20-11346 رجسٹریشن نمبر: 6 Mphil-IS-S20

طالب، ایم فل، شعبہ علوم اسلامیہ، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز (نمل) اسلام آباد حلفاً اقرار کرتا ہوں کہ مقالہ بعنوان:

حجیتِ حدیث پر منتخب اردو تصانیف کا تجزیاتی مطالعہ

Analytical Study of Selected Urdu Books on the Authority of Hadith

Hujeat-e-Hadith par Muntakhab Urdu Tasaneef ka Tajzeyati Mutala

ایم فل علوم اسلامیہ کی ڈگری کی جزوی تکمیل کے سلسلہ میں پیش کیا گیا ہے، اور **ڈاکٹر محسن خان عباسی** کی نگرانی میں تحریر کیا گیا ہے، راقم الحروف کا اصل کام ہے، اور یہ کہ مذکورہ کام نہ تو کہیں اور جمع کرایا گیا ہے، نہ ہی پہلے سے شائع شدہ ہے اور نہ ہی مستقبل میں کسی بھی ڈگری کے حصول کے لئے کسی دوسری یونیورسٹی یا ادارے میں میری طرف سے پیش کیا جائے گا۔

میں اس بات کو سمجھتا ہوں کہ ایچ ای سی اور نمل علمی سرقہ کے حوالے سے عدم برداشت کی پالیسی پر سختی سے عمل پیرا ہیں۔ اس لئے میں بطور مقالہ نگار اس بات کا اقرار کرتا ہوں کہ یہ میرا ذاتی علمی کام ہے۔ اس مقالہ کا کوئی حصہ بھی سرقہ شدہ نہیں ہے۔ اور میں نے جہاں سے بھی کسی علمی کام کو لیا ہے اس کا باقاعدہ حوالہ دیا ہے۔ میں اس بات کا بھی اقرار کرتا ہوں کہ اگر میرے مقالے میں کسی بھی قسم کا باقاعدہ علمی سرقہ پایا جائے تو یونیورسٹی میری ڈگری کو ختم کرنے/واپس لینے کا اختیار رکھتی ہے۔

نام مقالہ نگار: ______________

دستخط مقالہ نگار: ______________

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز اسلام آباد

(ABSTRACT)

Title:

Analytical Study of Selected Urdu Books on the Authority of Hadith

The Qur'ān and the Sunnah have served as the primary sources of Islam. Together with the Qur'an, the statements and actions of the Prophet ﷺ form the basis of Islamic law and theology. Historically, all Islamic sects have acknowledged the necessity of hadiths, to understand the Qur'ān. Despite their many theological and legal differences, Muslim sects have all drawn from these two primary sources: the Qur'an, which is considered to be the direct word of God revealed to the Prophet ﷺ, and the Sunnah, which consists of the words and actions of the Prophet Muhammad ﷺ inspired by God. In other words, the hadith are reports about what the Prophet ﷺ said and did. Muslim jurists and hadith scholars use these reports (i.e., hadith) to understand the teachings of the Prophet ﷺ, which are called the Sunnah. Each hadith is a piece of data about the Prophet ﷺ; when collected, these data points paint a larger picture which is the Sunnah. All Muslim groups consider the Qur'an to be the most authentic and authoritative source, followed by the Sunnah. Because the Sunnah is needed in order to contextualize the Qur'ān, all Muslim groups have accepted the necessity of following hadith alongside the Qur'an. This view has been held by all known Muslim groups.

It was not until the nineteenth century that a movement emerged that rejected the entire corpus of hadith and the authority of the Prophet ﷺ. This rejection of the entire hadith corpus stems from a mistrust in the historical preservation of hadith when compared to the Qur'ān or the fact that many hadith clash with modern sensibilities. In an attempt to bypass any fabrications and hadith that might contain discomfiting material, some have attempted to understand the Qur'ān on its own, without hadith.

The validity of hadith has been discussed in selected books of which I have done an analytical study. My thesis consists of three chapters in which each chapter has three sub-chapters. In the first chapter, Hadith and Sunnah and its authenticity, in the second chapter, the science of Hadith and the evolution of the science of Hadith in the subcontinent have been discussed. The third chapter covers the analytical study of selected Urdu works on Hujeat Hadith.

According to these selected works, the arguments of Hujeat are discussed so that today's Muslims and the young generation also know the importance of Hadith and in the minds of young generation the importance of Hadith, doubts related to this should also be removed. They are familiar with the hadiths of the Messenger of Allah in their intellectual, social and economic life.

فہرست عنوانات

صفحہ نمبر	عنوانات	نمبر شمار
IV	مقالہ کی منظوری کا فارم	1
V	حلف نامہ	2
VI	تلخیص مقالہ	3
VII	فہرست عنوانات	4
IX	اظہارِ تشکر	5
X	انتساب	6
1	**مقدمہ**	7
9	**باب اول: حدیث وسنت اور اس کی حجیت**	8
10	فصل اول: حجیت حدیث از قرآن کریم	9
42	فصل دوم: حجیت حدیث از حدیث اور اس کی حفاظت	10
53	فصل سوم: حجیت حدیث از صحابہ کرامؓ و تعامل امت	11
65	**باب دوم: برصغیر میں علم حدیث اور حجیت حدیث پر تصنیفی کام کا جائزہ**	12
66	فصل اول: علمِ حدیث اور برصغیر میں اس کا ارتقاء	13
81	فصل دوم: حجیت حدیث پر اہم کتب کا اجمالی جائزہ	14

104	فصل سوم: منتخب اردو کتب کا مطالعہ	15
130	**باب سوم: حجیت حدیث پر منتخب اردو کتب حدیث کا تجزیاتی مطالعہ**	16
131	فصل اول: حجیت حدیث پر طرزِ استدلال	17
161	فصل دوم: منتخب تصانیف میں مسئلہ انکارِ حدیث پر ابحاث	18
217	فصل سوم: منتخب کتب کے فکری و سماجی اثرات	19
255	خلاصۂ بحث	20
259	نتائج	21
260	سفارشات و تجاویز	22
262	فہارس	23
263	فہرست آیات	24
266	فہرست احادیث	25
268	فہرست مصادر و مراجع	26

اظہارِ تشکر

حجیتِ حدیث پر منتخب اردو تصانیف کا تجزیاتی مطالعہ کرنااور ان پر تحقیقی مقالہ لکھنا خاصہ مشکل امر تھاجو محض اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اوراسی کی بے پایاں مہربانی سے پایہ تکمیل تک پہنچا۔اس پر میں جتنااللہ تعالیٰ کاشکرادا کروں کم ہے۔

میں ممنون ہوں اپنے والدین مکرمین اور خصوصی طورپر اپنے بھائی کا جنھوں نے اپنے تعاون اور مشفقانہ رہنمائی سے مجھے علوم اسلامیہ کی طرف مائل کیا۔ان کی دعاؤں اور بے لوث محبتوں سے آج میں اس مقام پر ہوں۔اللہ تعالیٰ انہیں صحت کاملہ اور عمر خضری عطا فرمائے۔

نگران مقالہ محترم **ڈاکٹر محسن خان عباسی صاحب** کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتاہوں جن کی مسلسل توجہ اور ہمہ وقت رہنمائی سے مقالہ لکھنا ممکن ہوا۔استاذ محترم نے مفید مشوروں سے نوازااور جہاں جہاں مقالہ میں اصلاح کی ضرورت تھی بڑے احسن انداز سے ان مقامات کی نشاندہی فرمائی۔اللہ تعالیٰ ان کے علم وعمر میں مزید برکتیں عطافرمائے۔

شعبہ اسلامی فکر و ثقافت جامعہ نمل کے تمام اساتذہ اور بالخصوص پروفیسر ڈاکٹر مستفیض احمد علوی صاحب (صدر شعبہ اسلامی فکر و ثقافت)،ڈاکٹر نور حیات خان صاحب،ڈاکٹر امجد حیات صاحب اور ڈاکٹر ریاض سعید صاحب،ان سب کا تہہ دل سے ممنون ہوں کہ جنھوں نے اپنی خاص رہنمائی سے مقالہ کومزید مفید بنایا۔

تمام اساتذہ کرام اور ان تمام اہل علم حضرات کا تہہ دل سے ممنون ہوں جن کی بر وقت رہنمائی سے مقالہ کومزید مفید بنانے میں مدد ملی۔

انتساب(dedication)

اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے بعد جن کی اطاعت و فرمانبرداری فرض ہے اور جن کی دعائیں میرے لیے زادراہ اور سعادت دارین کا باعث ہیں، وہ میرے والدین ہیں۔ اپنی اس کاوش کو میں اپنے والدین مکرمین کی طرف منسوب کرتا ہوں، جن کی شفقت و محبت اور دعاوں کی بدولت میں اس قابل ہوا ہوں۔

مقدمہ

موضوع تحقیق کا تعارف:(Introduction of the Topic)

حدیث اُس کلام کو کہا جاتا ہے جس میں نبی اکرم ﷺ کے قول یا عمل یا کسی صحابی کے عمل پر آپ ﷺ کے خاموش رہنے کا یا آپ ﷺ کی صفات میں سے کسی صفت کا ذکر کیا گیا ہو۔ کسی شرعی حکم کے ثبوت کے لیے دلیل بننے کی صلاحیت رکھنے کو حجیت سے تعبیر کیا جاتا ہے یعنی قرآن کریم کی طرح حدیث نبوی سے بھی عقائد واحکام اور فضائل اعمال ثابت ہوتے ہیں، البتہ اس کا درجہ قرآن کریم کے بعد ہے۔ جس طرح ایمان کے معاملہ میں اللہ تعالی کی ذاتِ مبارکہ پر ایمان لانا ضروری اور لازم ہے۔ اسی طرح کلام اللہ پر ایمان بھی ضروری ہے۔ نبی ﷺ پر ایمان لانا اور آپ علیہ السلام کی تعلیمات کی اتباع کرنا بھی ایمان واسلام کا لازمی جزو ہے۔ قرآن کریم پر ایمان اور اس کے مطابق عمل کرنے کی طرح احادیث نبویہ علیہ السلام پر ایمان لانا اور ان کے مطابق زندگی گزارنا ایمان کی تکمیل کے لئے ضروری ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق رسول اللہ ﷺ کے فرمودات بھی وحی ہیں اور آپ کی اتباع اللہ کی محبت کا ذریعہ ہے۔ جس سے آپ کے اقوال اور آپ کی سنت کا حجت ہونا معلوم ہوتا ہے۔ حدیث مبارکہ پر قیامت تک آنے والے ہر انسان کے لئے لازم ہے۔ آپ ﷺ کی اطاعت آپ ﷺ کے اقوال وافعال کے مطابق زندگی گزارنا ہے۔

مختلف لوگوں نے احادیث مبارکہ پر مختلف قسم کے اعتراضات کیے، ان کی حجیت کا انکار کیا، جس کے نتیجہ میں مختلف علماء و مفکرین نے حجیت حدیث پر مختلف زبانوں میں کتب لکھیں۔ ان کتب میں عربی وفارسی کے مخطوطات بھی شامل ہیں۔ وقت گزرنے کے ساتھ پاک وہند میں بھی ان کتب کی ضرورت درپیش رہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علماء برصغیر نے حجیت حدیث پر اردو زبان میں کتب تحریر کی ہیں۔ ان کتب میں عربی زبان کی کتب سے استفادہ کیا گیا ہے۔ مقالہ میں نمونہ کے طور پر چند اہم کتب کا تجزیاتی مطالعہ پیش کیا گیا ہے، تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ ان کتب کا معیار علمی کیا ہے؟ اور ان سے دور حاضر میں استفادہ کی کیا صورتیں ہو سکتی ہیں۔؟

جن منتخب اردو کتب کا تجزیاتی مطالعہ اس مقالہ میں پیش کیا گیا ہے، وہ درجِ ذیل ہیں:۔

- سنت کی آئینی حیثیت (مولانا سید ابوالاعلی مودودیؒ)
- تدوین حدیث (مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ)
- سنتِ خیر الانام (پیر کرم شاہ الازہریؒ)

- حجیت حدیث (مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ)
- آئینہ پرویزیت (مولانا عبدالرحمٰن کیلانیؒ)

موضوع تحقیق سے متعلق سابقہ کام کا جائزہ:(Literature Review)

حجیت حدیث پر عربی، اردو، انگریزی غرض دنیا کی تمام اہم زبانوں میں بہت وقیع کام موجود ہے۔ دنیا کے دیگر خطوں کی طرح برصغیر پاک و ہند میں حجیت حدیث پر کام ہوا ہے۔ میرا موضوع برصغیر میں حجیت حدیث پر منتخب کتب کا تجزیاتی مطالعہ کرنا ہے۔ منتخب اردو کتب پر تجزیاتی مطالعہ کی صورت میں اور اس طرح کا کام نہیں ہوا۔ جس میں عقلی اور نقلی دلائل کے ساتھ حجیت حدیث پر بحث کی گئی ہو اور جس میں یہ دیکھا گیا ہو کہ ان کتب میں کس نوعیت کا کام ہوا ہے کس طرح کے دلائل پیش ہوئے ہیں۔ حجیت حدیث پر تحقیقی مقالہ جات اور کتب درجِ ذیل ہیں:

مقالہ جات:

- تحقیقی مقالہ برائے پی ایچ ڈی: مسئلہ انکار حدیث کا تاریخی و تنقیدی جائزہ

مقالہ نگار: مولوی فضل احمد، کلیہ معارف اسلامیہ (فیکلٹی آف اسلامک لرننگ) کراچی یونیورسٹی:1991ء

تبصرہ: اس تحقیقی مقالہ میں مقالہ نگار احادیث مبارکہ کی حجیت پر سیر حاصل بحث کرتے ہوئے انکار حدیث کی تاریخ، انکار حدیث کی ابتداء، انکار حدیث کی وجوہات و اسباب وغیرہ کو زیر بحث لائے ہیں۔ سب سے پہلے خوارج و معتزلہ کو انکار حدیث کرنے والا بتایا ہے۔ ان کے معتقدات کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ یہ دونوں گروہ یونانی فلسفہ، عقلیت پرستی اور ابن سبا کی احادیث کے خلاف بنائی ہوئی مہم کا نتیجہ تھے۔ ان کی وجہ سے اور ان کے نظریات سے متاثر ہو کر دوسرے لوگ اور گروہ بھی حدیث کا انکار کرتے آرہے ہیں، اس کا تاریخی اور تنقیدی جائزہ لیا ہے۔

- تحقیقی مقالہ برائے پی ایچ ڈی: تدوین حدیث میں مستشرقین اور منکرین حدیث کے شبہات میں مماثلت: ایک تقابلی جائزہ

مقالہ نگار: محمد عادل خان کٹی خیل، شعبہ علوم اسلامیہ، گومل یونیورسٹی، ڈیرہ اسماعیل خان:2016ء

تبصرہ: احادیث مبارکہ کی تحقیق مسلمانوں کے ساتھ مستشرقین نے بھی کی ہے، دراصل یہ مستشرقین عام طور پر یہودی اور عیسائی رہے ہیں جن کا تعلق مغربی ممالک سے تھا۔ انہوں نے مشرقی علوم کا مطالعہ کر کے نتائج اخذ کئے۔ جس وجہ سے انہوں نے

اہم تحقیقی خدمات بھی انجام دیں مگر ساتھ ہی ساتھ انہوں شریعت اسلامیہ، قرآن کریم، احادیث رسول ﷺ، سیرت طیبہ، احکام اسلام کو موضوع طعن بنانے کی کوششیں کیں۔ جس وجہ انہوں نے مختلف قسم کے اعتراضات قائم کئے۔ اپنی علمی موشگافیوں، طرز بیان کی ظاہر داریوں سے اپنے پڑھنے والوں کو خاصی حد تک اور خاصے وقت تک متاثر کرتے رہے۔ ان متاثر ہونے والوں میں جدید تعلیم یافتہ طبقہ خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ جنہوں نے ان کی کتب کا مطالعہ کیا اور ان کے افکار سے متاثر ہو کر ان کے راستے پر چل پڑے۔ انہوں نے بھی احادیث مبارکہ پر مختلف قسم کے اعتراضات کیے۔ جن کا تجزیہ اس مقالہ میں پیش کیا گیا ہے۔

- تحقیقی مقالہ برائے ایم فل: پاکستان میں حدیث وسنت کے جدید مفاہیم

مقالہ نگار: راشد منیر لکھوی، شیخ زاید اسلامک سنٹر، یونیورسٹی آف دی پنجاب، قائداعظم کیمپس، لاہور، سیشن: 2005ء

تبصرہ: برصغیر خاص طور پر پاکستان میں حالات کی تبدیلی اور نئے افکار کی وجہ سے علم حدیث پر مزید کام کی ضرورت تھی۔ جس میں علم حدیث اور اس کے متعلق شکوک وشبہات اور حالات حاضرہ میں میں اس کی ضرورت واہمیت پر کام کی ضرورت تھی۔ اس مقالہ میں تدوین حدیث، تاریخ حدیث، علوم الحدیث کی ابحاث، احادیث مبارکہ پر جدید ذہن کے اشکالات، حجیت حدیث پر عصر حاضر میں کام کرنے کی ضروت اور جدید مفہوماتو اصطلاحات کا جائزہ لیا گیا ہے۔

- تحقیقی مقالہ برائے ایم اے: برصغیر میں منکرینِ حدیث کی رد میں لکھی گئی کتب کا مطالعہ

مقالہ نگار: سیدہ ماریہ بی بی، شیخ زید اسلامک سینٹر، پنجاب یونیورسٹی لاہور سیشن: 2009ء

تبصرہ: حدیث مبارکہ کے انکار پر ایک طرف منکرین حدیث نے کتب لکھیں تو دوسری طرف علماء نے حجیت حدیث پر کتب لکھیں۔ مختلف مقامات پر لوگوں نے انکار حدیث کیا۔ برصغیر پاک وہند کے منکرین حدیث نے جو اعتراضات کیے ہیں۔ ان کے رد میں علماء نے جو کتب لکھی ہیں۔ اس مقالہ میں ان کتب کا تجزیاتی مطالعہ پیش کیا گیا ہے۔

ریسرچ پیپرز

- حدیث وسنت کی تشریعی حیثیت اور فکر فراہی:

مقالہ نگار: مسز منزہ مصدق، اسسٹنٹ پروفیسر، ادارہ علوم اسلامیہ، میرپور یونیورسٹی آف سائنس و ٹیکنالوجی، میرپور آزاد کشمیر: 2008ء

سہ ماہی فکر و نظر، مجلہ نمبر 22، شمارہ نمبر 30، سن طباعت 2008ء، ادارہ تحقیقات اسلامی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

تبصرہ: اس مقالہ میں مقالہ نگار نے حدیث اور سنت کی تشریعی حیثیت پر بحث کی ہے۔

- بر صغیر میں حجیت حدیث پر تجزیاتی لٹریچر

مقالہ نگار: ڈاکٹر خالد ظفر اللہ رندھاوا، ایسوسیٹ پروفیسر، گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ کالج، سمندری، فیصل آباد، فکر و نظر۔اسلام آباد

سہ ماہی فکر و نظر، مجلہ نمبر 37، شمارہ نمبر 4، سن طباعت 2000ء،، ادارہ تحقیقات اسلامی بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد

تبصرہ: اس پر یہ آرٹیکل بہتر رہنما ہے۔اس آرٹیکل سے معلوم ہوتا بر صغیر میں حجیت حدیث پر کون کون سی کتب لکھی گئی ہیں اور ان پر کتنا اور کس نہج سے کام ہوا ہے۔

- حدیث کی حجیت

مقالہ نگار: ڈاکٹر مفتی محمد مظہر بقا، مکہ مکرمہ

سہ ماہی فکر و نظر، مجلہ نمبر 2، شمارہ نمبر 2، سن طباعت 1999ء ادارہ تحقیقات اسلامی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

تبصرہ: اس مقالہ میں مقالہ نگار نے حدیث کی حجیت اور اہمیت و تعارف کو پیش کیا ہے۔

- احکامی احادیث کی حفاظت و تدوین (مستشرقین کے موقف کا ناقدانہ جائزہ)

مقالہ نگار: یاسر عرفات، لیکچرار شعبہ علوم اسلامیہ، جی سی یونیورسٹی، فیصل آباد، پاکستان

تبصرہ: اس مقالہ میں مقالہ نگار نے احکامی حادیث اور ان کی حفاظت کا تجزیاتی مطالعہ پیش کیا ہے

جواز تحقیق:(Rational of Study)

حدیث کے حجت ہونے سے متعلق مختلف قسم کے اعتراضات کیے گئے ہیں اور ان کے جواب میں بہت ساری کتب بھی لکھی گئیں ہیں۔اس مقالے کا بنیادی مقصد بر صغیر میں حجیت حدیث پر چند اہم اردو کتب کا تجزیاتی مطالعہ اور تعارف پیش کرنا ہے۔ جس میں یہ دیکھا گیا ہے کہ ان کتب کی تحقیق و تدوین کیسے عمل آئی۔ان کتب کے حدیث کی حجیت کے باب میں کیا اثرات ہیں۔ان میں حجیتِ حدیث پر کس لحاظ سے اور کتنا کام ہوا ہے اور کس حد تک حدیث کے متعلق عقلی اور نقلی دلائل سے کام لیا گیا ہے۔ مزید اس موضوع پر کس طرح کام ہو سکتا ہے۔

بیان مسئلہ / مسئلہ تحقیق کی وضاحت:(Statement of the Problem)

مسئلہ تحقیق حجیت حدیث پر منتخب اردو تصانیف کے تجزیاتی مطالعہ پر مشتمل ہے۔ یہ کتب اردو زبان میں حجیت حدیث پر مستند علماء کی تحریر کردہ ہیں۔ یہ وہ دلائل ہیں جو قرآن وحدیث کی روشنی میں دیئے گئے ہیں۔ان کتب کی بنیاد عربی مصادر پر موجود ہے۔ یہ علماء و مفکرین مختلف خدمات کے حوالوں سے علم کی دنیا میں جانے جاتے ہیں۔ ان میں مختلف مسالک اور افکار کے علماء و مفکرین شامل ہیں۔ مقالہ تحقیق میں اردو کتب حجیت حدیث کے ذریعے یہ جانچنے کی کوشش کی گئی کہ ان میں بنیادی اختلاف کتنا موجود ہے اور بین المسالک ہم آہنگی کے لیے کیسے اس سے استفادہ کی صورتیں نکالی جاسکتی ہیں۔؟اس کے علاوہ منتخب کتب حدیث کے ذریعے حجیت حدیث پر طرز تحریر ودلائل کا جائزۃ پیش کیا گیا ہے۔ معاشرتی سطح پر اور دینی سطح پر ان کا علمی مقام و مرتبہ کو جانچنے کی کوشش کی گئی ہے۔ مقالہ تحقیق کے ذریعے معاشرتی علمی اصلاح کی ضرورت واہمیت کو بھی بیان کیا گیا ہے اور ان خامیوں کا بھی ذکر کیا گیا ہے کہ کیسے ان کی اصلاح کی جاسکتی ہے۔

ضرورت واہمیت :(Significance of the Study)

قرآن کریم مکمل ضابطہ حیات ہے۔اس میں انسانی زندگی کے ہر شعبہ کے بارے میں واضح رہنمائی موجود ہے مگر اسے سمجھنا آسان نہیں جب تک کہ احادیث معلم کائنات ﷺ حاصل نہ کی جائے مثال کے طور پر اسلام کے ایک اہم ترین رکن نماز ہے نماز ہی کو اگر لیا جائے تو قرآن کریم میں کم و بیش سات سو مقامات پر اس کا تذکرہ موجود ہے اور نماز قائم کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ قیام صلاۃ کو صرف عقل پر پرکھنا کافی نہیں اور اگر لغت کی مدد سے بھی دیکھا جائے تو کسی طرح بھی نماز کی عملی صورت ہمیں سمجھ میں آسکتی۔

جس طرح قرآن احکام شریعت میں حجیت ہے اس طرح احادیث مبارکہ سے بھی بہت سارے احکام شریعت ثابت ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے بھی رسول ﷺ کو تشریع احکام کے اختیارات عنایت کیے ہیں ارشاد باری تعالیٰ ہے :

﴿وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا﴾

اور رسول تمھیں جو کچھ بھی دے اسے تھام لو اور جس سے روکے اس سے رک جاؤ۔

بیسویں صدی میں حجیت حدیث پر کام ہوا ہے۔ مختلف علماء نے مختلف طریقوں سے حجیت حدیث پر کام کیا ہے جو عربی، فارسی، انگریزی غرض مختلف زبانوں میں موجود ہے۔ برصغیر ہندو پاک میں اردو زبان میں حجیت حدیث پر جدید طرز پر کتب لکھی

گئیں ہیں۔ان میں سے منتخب کتب کا تجزیاتی مطالعہ پیش کرنا میرا موضوع ہے۔ ان کا طرز استدلال کیا ہے اور کیا علمی مقام و مرتبہ رکھتی ہیں۔

مقاصدِ تحقیق:(Objectives of Research)

- حجیت حدیث پر لکھی جانے والی منتخب کتب کے طرز استدلال کا تجزیاتی مطالعہ کرنا اور جائزہ لینا۔
- منتخب کتب کے تجزیاتی مطالعہ سے نتائج اخذ کرنا اور حدیث وسنت کی اہمیت کو اجاگر کرنا۔
- حجیت حدیث پر وارد ہونے والے اعتراضات کا محاکمہ کرنا۔

سوالات تحقیق:(Research Questions)

- حجیت حدیث پر اردو زبان میں لکھے جانے والے ادب میں منتخب کتب حدیث کا طرزِ استدلال کیا ہے ؟
- حجیت حدیث پر منتخب کتب کے تجزیاتی مطالعہ کے نتائج کیا ہیں ؟ ا اور منتخب کتب حدیث کے مطالعہ سے معاشرے پر کیا اثرات مرتب ہوں گے ؟
- حجیت حدیث پر منتخب کتبِ حدیث میں موجودہ اعتراضات، دلائل اور ان کے جوابات کس قدر معتبر ہیں ؟ منتخب کتب کی آراء میں کتنی مماثلت پائی جاتی ہے اور اور ان کے دلائل میں کیا فرق پایا جاتا ہے ؟

تحدید اور دائرہ کار موضوع:(Delimitation of the Study)

یہ مقالہ تحقیق صرف اردو زبان میں حجیت حدیث پر پانچ کتب کے تجزیاتی مطالعہ پر مشتمل ہے جو کہ مندرجہ ذیل ہیں:

1۔تدوین حدیث: مولانا مناظر احسن گیلانی

2۔ حجیت حدیث: مولانا ادریس کاندھلوی

3۔ سنت کی آئینی حیثیت: مولانا ابوالاعلی مودودی

4۔سنت خیر الانام: پیر کرم شاہ الازہری

5۔آئینہ پرویزیت: مولانا عبدالرحمٰن کیلانی

جس کے ذریعہ یہ دیکھا جاسکتا ہے کہ حجیت حدیث کے متعلق اعتراضات کیا ہیں؟ ان کتب میں کس طرح کے دلائل پیش کیے گئے ہیں۔ان دلائل کی روشنی میں جو جوابات دیئے گئے ہیں معاشرے میں حدیث کی اہمیت اور حیثیت پر ان کے کیا اثرات ہیں ۔ان کتب کا نقلی اور عقلی دلائل کے ساتھ بھی تجزیاتی مطالعہ پیش کیا گیا ہے۔

منہج تحقیق:(Research Method)

- روایات کی استنادی حیثیت کو سمجھنے کے لیے بنیادی مصادر سے استفادہ کیا گیا ہے۔
- حجیت حدیث کے سلسلے میں اصول حدیث کی بنیادی کتب سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔
- اس تحقیق کے لیے تجزیاتی اسلوب اختیار کیا گیا ہے۔
- منتخب اردو کتب حدیث کو نمونہ کے طور پر لیا گیا ہے۔
- بنیادی اور ثانوی ماخذ سے بقدر ضرورت استفادہ کیا گیا ہے۔
- حدیث اور حجیت حدیث پر آیات و بیانات سے اتفاقات واختلافات کا جائزۃ پیش کیا گیا ہے۔
- جدید تحقیق کے ذرائع، ڈجیٹل اسلامی مکتبات کا استعمال۔ مثلاً: مکتبہ شاملہ اور ایزی قرآن وحدیث وغیرہ
- مقالہ کی تحریر و تسوید میں یونیورسٹی فارمیٹ کو مدنظر رکھا گیا ہے۔

ابواب وفصول کی تقسیم وترتیب:(Chapterizationof Research Theme)

زیرِ بحث مقالہ تین ابواب پر مشتمل ہے۔ باب اول حدیث وسنت اور اس کی حجیت کے بیان میں ہے جبکہ اس کی پہلی فصل حجیت حدیث از قرآن کریم کے بیان میں ہے، دوسری فصل حجیت حدیث از حدیث اور اس کی حفاظت، تیسری فصل حجیت حدیث از صحابہ وتعامل امت کے بیان میں ہے۔

باب دوم بر صغیر میں علم حدیث کا ارتقاء ہے جبکہ اس کی پہلی فصل علمِ حدیث اور بر صغیر میں اس کا ارتقاء، دوسری فصل علم حدیث اور حجیت حدیث پر اہم کتب کا اجمالی جائزہ اور تیسری فصل منتخب اردو کتب حدیث کا مطالعہ پر مشتمل ہے۔

تیسرا باب حجیت حدیث پر منتخب اردو تصانیف کا تجزیاتی مطالعہ پر مشتمل ہے جبکہ اس باب کی پہلی فصل حجیت حدیث پر طرزِ استدلال، دوسری فصل منتخب کتب حدیث میں مسئلہ انکارِ حدیث پر ابحاث اور تیسری فصل منتخب کتب حدیث کے فکری و سماجی اثرات پر مشتمل ہے۔

عبدالواحد

21-12-22

باب اول

حجیت حدیث پر مشتمل منتخب کتب اور ان کے مصنفین کا تعارف

فصل اول: حجیت حدیث پر مشتمل اردو کتب کا تعارف

فصل دوم: حجیت حدیث پر مشتمل اردو کتب کے مصنفین کا تعارف

فصل اول

حجیت حدیث پر مشتمل اردو کتب کا تعارف

حجیت کے معنیٰ ایسی دلیل و برہان کے ہیں جس کے ذریعے خصم کو شکست دی جائے۔[1] اسی طرح دلیل کے ذریعے غلبہ حاصل کرنے کو بھی حجت کہتے ہیں۔[2]،[3] جبکہ رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب قول و فعل اور تقریر کو حدیث کہا جاتا ہے۔[4] قرآن کریم کے بعد احادیث مبارکہ بھی حجت ہیں اور شریعت اسلامیہ کا دوسرا بڑا ماخذ واصل ہیں۔[5] جس کی حجیت پر دنیا کے دیگر ممالک و اقوام کی طرح برصغیر پاک وہند میں بھی تصفیفی مواد موجود ہے جن میں سے چند منتخب کتب درجِ ذیل ہیں:

سنت کی آئینی حیثیت

یہ کتاب اسلامک پبلی کیشنز، لاہور سے ۲۰۰۵ء میں شائع ہوئی ہے اور اس کتاب کے ۳۳۶ صفحات ہیں۔ یہ کتاب دیباچہ اور دو حصوں پر مشتمل ہے۔ دیباچہ میں انکار حدیث کی تاریخ، غرض وغایت اور اس کے فروغ کے لیے منکرین حدیث و مخالفین سنت کا تذکرہ اور ان کی پذیرائی نہ ہونے کے اسباب ذکر کیے گئے ہیں۔[6]

حصہ اول:

حصہ اول ڈاکٹر عبد الودود جو کہ بزم طلوع اسلام کی نمایاں شخصیت ہیں ان کے اور مولانا مودودی صاحبؒ کے درمیان سنت کی آئینی حیثیت پر ہونے والی مراسلات پر مشتمل ہے جس میں مختلف سوالات واعتراضات کے مولانا مودودی نے جوابات پیش کیے ہیں۔ ان میں سے کچھ اعتراضات درج ذیل ہیں: 1۔ آیا حضور ﷺ نے قرآن پڑھ کر سنا دینے کے سوا دنیا میں کوئی اور کام کیا تھا

---

[1] ۔ازھری، محمد بن احمد۔ **تھذیب اللغۃ** (دار المصریہ للتألیف والترجمہ، قاہرہ): 390/3

[2] ۔ جرجانی، علی بن محمد، **التعریفات** (دار الکتب العلمیۃ بیروت- لبنان 1983): 82/1

[3] ۔ تھانوی، محمد اعلی بن علی، **موسوعۃ کشّاف اصطلاحات الفنون والعلوم (مکتبہ لبنان، بیروت 1996): 611/1.**

[4] ۔ عتر، نور الدین، **منہج النقد فی علوم الحدیث**، (دار الفکر، دمشق: 1981ء): 27

[5] ۔ شافعی، محمد بن ادریس، ابو عبد اللہ۔ امام (م 204ھ-)، **الأم**، (دار المعرفۃ—بیروت: 1410ھ، /1990ء): 288/7

[6] ۔ مودودی، سید ابو الاعلیٰ، **سنت کی آئینی حیثیت**، (اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ لاہور اکتوبر 1981ء)، ص: 13-23

یا نہیں؟[1] 2۔ حضور کے جو ارشادات وحی تھے ان کا مجموعہ کہاں ہے ؟[2]، 3۔ کیا احکام سنت میں ردوبدل ہو سکتا ہے ؟،[3] 4۔ حضور ﷺ نے جو کام تیئیس سالہ پیغمبرانہ زندگی میں سرانجام دیئے, ان میں آپ کی حیثیت کیا تھی ؟۔[4] 5۔ مَاأُنزِلَ اِلَیکَ سے مراد کیا صرف قرآن ہے یا وحی خفی بھی؟اور کیا قرآن کی طرح اس کی حفاظت کی ذمہ داری بھی خدانے لی ہوئی ہے ؟[5]، 6۔ ایمان لانے اور اطاعت کے حوالے سے وحی کے دونوں حصے یکساں حیثیت رکھتے ہیں یا نہیں ؟[6]، 7. کیا وحی غیر متلو بھی جبریلؑ لاتے تھے ؟[7]، 8۔ حضور اکرم ﷺ کے عدالتی فیصلے سند وحجت ہیں یا نہیں ؟[8] 9۔ حضور اکرم ﷺ کیا صرف شارح قرآن ہیں یا شارع بھی ہیں؟[9]، 10۔ احادیث قرآن کی طرح کیوں نہ لکھوائی گئیں ؟[10] وغیرہ۔

حصہ دوم:

اس حصہ میں ہائی کورٹ مغربی پاکستان (موجودہ بنگلادیش) کے فاضل جج جناب محمد شفیع صاحب کے فیصلے پر تنقید کرتے ہوئے اسلامی قانون، سنت اور اطاعت رسول سے متعلق ان کے درج ذیل تصورات پیش کر کے ان کا رد کیا گیا ہے۔، 1۔ اسلام کی رو سے جو قانون ایک مسلمان پر اس کی زندگی کے ہر شعبے میں حکمران ہونا چاہیے وہ صرف خدا کا قانون ہے۔[11]، 2۔ قرآن کی مقرر کردہ حدود کے اندر مسلمان کو سوچنے اور عمل کرنے کی پوری آزادی ہے۔[12] 3۔ انسانی حالات اور مسائل چونکہ بدلتے رہتے ہیں۔ اس لیے بدلتی ہوئی دنیا کے اندر مستقل اور ناقابل تغیر و تبدل احکام و قوانین نہیں چل سکتے۔[13] 4۔ قرآن سادہ اور عام زبان میں ہے جسے ہر شخص سمجھ سکتا ہے، اس میں یہ بات خود متضمن ہے کہ آدمی اس کی تعبیر کرے اور تعبیر میں یہ بات شامل ہے کہ وہ اس کو ہر

---

[1] ۔ ایضاً، ص: 63

[2] ۔ ایضا، ص: 35

[3] ۔ ایضاً، ص: 43

[4] ۔ ایضاً، ص: 63

[5] ۔ ایضاً، ص: 92، 135

[6] ۔ ایضاً، ص: 133

[7] ۔ ایضاً، ص: 211

[8] ۔ ایضاً، ص: 149

[9] ۔ ایضاً، ص: 187

[10] ۔ ایضاً، ص: 159

[11] ۔ ایضاً، ص: 293

[12] ۔ ایضاً، ص: 305

[13] ۔ ایضاً، ص: 306

وقت کے حالات اور دنیا کی بدلتی ہوئی ضروریات پر منطبق کرے۔[1] 5۔ قانون سے مراد وہ ضابطہ ہے جس کے متعلق لوگوں کی اکثریت خیال کرتی ہو کہ لوگوں کے معاملات اس کے مطابق چلنے چاہئیں۔[2] 6۔ نبی کے اقوال واعمال اور کردار کو خدا کی طرف سے کی ہوئی وحی کی سی حیثیت نہیں دی جاسکتی۔[3] 7۔ رسول کی اطاعت سے مراد یہ ہے کہ جہاں انہوں نے ہمیں ایک خاص کام خاص طرح کرنے کا حکم دیا ہے ہم وہ کام اسی طرح کریں۔[4] 8۔ احادیث حضور ﷺ کی وفات کے کئی سو برس بعد جمع اور مرتب کی گئیں۔[5] 9۔ موضوع احادیث عہد رسالت ہی میں رواج پانے لگی تھیں وغیرہ نیز چند احادیث پر انفرادی طور پر کیے جانے والے اعتراضات کی تردید بھی کی گئی ہے۔

اسلوب

1) کتاب کے آغاز میں فہرست مضامین دی گئی ہے۔

2) کتاب کا اسلوب مناظرانہ ہے۔ فریق مخالف کے دلائل مکمل دیانتداری سے نقل کیے گئے ہیں اور تنقید کے دوران ہر پہلو کو مد نظر رکھا گیا ہے۔

3) منکرین کے خطوط اور فیصلہ جات میں موجود اغلاط کی تصحیح حاشیہ میں کی گئی جیسے صفحات نمبر 59 اور 157 پر بعض آیات کے متن میں اغلاط کی نشاندہی دیکھیے۔

4) مولانا نے اپنے دلائل ذکر کرنے کے بعد سوالیہ انداز سے حجیت حدیث ثابت کی ہے نیز اس سے متعلق جملہ مباحث مثلاً نبی اکرم ﷺ کی شخصی اور منصبی حیثیت، سنت بحیثیت ماخذ شریعت، کتابت، حفاظت حدیث اور وضع حدیث جیسے موضوعات کو نہایت عمدہ پیرائے اور سلیس عبارت میں سمیٹا ہے۔

5) حفاظت حدیث کے ضمن میں اہم کردار رکھنے والے مکثرین صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین، اکابر واصاغر تابعین اور تبع تابعین رحمہم اللہ کے اسمائے گرامی مع سن پیدائش ووفات کی صورت میں درج کیے گئے ہیں۔[6]

6) کتاب کے تیئیس (23) سے زائد ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ یہ اس کی مقبولیت وافادیت کی واضح دلیل ہے۔

---

[1] ۔ ایضاً، ص: 306

[2] ۔ ایضاً، ص: 300

[3] ۔ ایضاً، ص: 307

[4] ۔ ایضاً۔ ص: 361

[5] ۔ ایضاً، ص: 371

[6] ۔ سنت کی آئینی حیثیت: 337 سے 360 تک

7) ڈاکٹر محمد سعد صدیقی نے علم حدیث اور پاکستان میں اس کی خدمت، رفیق چودھری نے آسان علوم حدیث، رانا محمد اسحاق نے علوم حدیث رسول، مولانا عبد الرحمن کیلانی نے آئینہ پرویزیت، ڈاکٹر فضل محمد نے تاریخ حفاظت حدیث واصول حدیث (مع منتخبات حدیث) اور ڈاکٹر عبد الرؤف ظفر نے علوم الحدیث فنی، فکری اور تاریخی مطالعہ میں اس کتاب سے استفادہ کیا ہے۔

تجزیہ

1) احادیث کا اندراج تحقیقی تقاضوں کے مطابق نہیں کیا گیا۔

2) بعض مقامات پر طباعت کی غلطیاں بھی ہیں مثلاً

انجام کے بجائے نجام[1] اور فائق کو فایق[2] لکھا ہے۔

تدوینِ حدیث:

یہ کتاب مکتبہ نشریات علم، ناظم آباد، کراچی سے 2000ء میں شائع ہوئی ہے جو کہ 479 صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ کتاب مصنفؒ کے معارف، البرہان اور دیگر رسائل میں بالاقساط شائع ہونے والے لیکچرز کا مجموعہ ہے۔ موصوف ایک علمی شخصیت تھے۔ آپ نے دارالعلوم دیوبند اور جامعہ عثمانیہ حیدرؔ باد میں تدریسی فرائض انجام دیئے۔ آپ کی دیگر اہم تصانیف میں تدوین قرآن، مقدمہ تدوین فقہ، الدین القیم، امام ابو حنیفہ کی سیاسی زندگی، قال النبی الخاتم ﷺ، امالی صحیح مسلم (از افادات مولانا انور شاہ کشمیریؒ) اور اسلامی معاشیات شامل ہیں۔

جائزہ:

سید سلمان ندویؒ نے علم حدیث کی اہمیت اور بدعتی فرقوں کے وجود میں آنے کی وجوہ بیان کی ہیں۔ کتاب میں متعدد واقعات کی روشنی میں تاریخ اور حدیث کا فرق،[3] حدیث کی مدرسی تعریف[4]، عام تاریخی ذخیروں سے حدیث کے امتیازات[5]، تدوین

---

[1] ۔ سنت کی آئینی حیثیت: 14

[2] ۔ ایضاً: 15

[3] ۔ گیلانی، مناظر احسن، تدوین حدیث (مجلس نشریات اسلام، مکتبہ ندوہ، ناظم آباد کراچی، 200ء)، ص: 4

[4] ۔ ایضاً، ص: 8

[5] ۔ ایضاً، ص: 10

حدیث کے بنیادی عوامل [1]، حدیث کے ابتدائی راویوں کی تعداد،اوران کی کثرت تعداد کے فوائد [2]،روایات کی روشنی میں صحابہ رضی اللہ عنہن اجمعین کا گویا حدیث کا ایک زندہ نمونہ ہونا [3]، حدیث کے ایک بڑے حصے کا متواتر ہونا [4]، روایت حدیث کے طرق، متابعات اور شواہد کی وضاحت اور اہمیت [5] بیان کی گئی ہے نیز اس اعتراض کی تردید کی گئی ہے کہ عہد نبوت یا صحابہ میں فن حدیث کی حیثیت باضابطہ علم کے بجائے افواہی قصوں کی سی تھی۔ عہد رسالت اور عصر صحابؓ کا تحریری سرمایہ [6]، صحابہؓ کے غیر معمولی قوت حافظہ، حفظ حدیث سے متعلق آنحضور ﷺ کے ارشادات گرامی [7]، عہد صحابہؓ میں حفظ حدیث کا آغاز [8]،تابعینؒ کی اختیار کردہ روش [9]، چند قوی الحفظ ائمہ محدثینؒ کا ذکر [10]، قرون اولی میں دنیاوی ترقی کا علوم دینی کی خدمت پر موقوف ہونا [11]،اس دور کے محرکات عمل [12]،ائمہ محدثینؒ کے حدیث بیان کرنے کے مختلف اسالیب اور ان کی بے لوث خدمت حدیث [13]،قرآن وحدیث کی خدمت میں موالی کا کردار [14]،ان کی قدر ومنزلت،اہل عرب کا ان کی علمی خدمات سے مستفید ہونا،موالی علماء کی دینی جرات،استغناء وبے نیازی،ان کی اقسام اور موالی محدثین کے بے نظیر علمی شوق ومالی ایثار کے مختلف واقعات بیان کیے ہیں۔ صحابہؓ کی روایات کی کثیر تعداد اور تابعین کی روایات کے محدود ہونے کے اسباب [15]، عہد صحابہ اور ائمہ صحاح ستہ کے درمیانی دور میں حفاظت حدیث کے ذرائع، خبر احاد کا درجہ، قرن اول میں حکومت کی طرف سے حفاظت واشاعت حدیث کا اہتمام نہ ہونے اور آغاز اسلام میں خاص افراد تک روایتوں کے محدود رہنے کی حکمت [16]،اجازت وممانعت کتابت پر مبنی احادیث کی وضاحت، ممانعت کتابت کا راز، حجیت حدیث

---

[1] ایضاً، ص:18

[2] ۔ایضاً، ص:27

[3] ۔ایضاً، ص:42

[4] ۔ایضاً، ص:45

[5] ۔ایضاً، ص:46

[6] ۔ایضاً، ص:51

[7] ۔ایضا، ص:65

[8] ۔ایضاً، ص:70

[9] ۔ایضاً، ص:79

[10] ۔ایضاً، ص:86

[11] ۔ایضاً، ص:94

[12] ۔ ایضاً، ص:101

[13] ۔ایضاً، ص:104

[14] ۔ایضاً، ص:116

[15] ۔ایضاً، ص:121

[16] ۔ایضاً، ص:231

کے دلائل اور کتابت حدیث کی اجازت میں کار فرما حکمت ذکر کی گئی ہے۔تدوین حدیث میں خلفائے راشدین کی کوششوں کے ضمن میں حضرت ابو بکر صدیقؓ کے مجموعہ احادیث کو جلانے کی حکمت [1]،ان کا خبر احاد کی حجیت کا قائل ہونا، تحقیق حدیث کے لیے اصول شہادت کی بنیاد رکھنا اور اخبار احاد کے علم وعدم علم کی وجہ سے پیش آئے اختلافات کی انسداد کی کوشش کرنا، حضرت عمر فاروقؓ کی تعداد مرویات، قبول روایت میں محتاط روش، کثرت روایت سے منع کرنے کی حکمت، خبر احاد پر مبنی اختلافات کے انسداد کی کوشش ،بینات سے متعلق اختلاف کرنے والوں کے ساتھ سختی کا سلوک روا رکھنا، بعض بیناتی اور غیر بیناتی اختلافات کو ختم کرکے ایک نقطہ نظر پر متفق کرنا،تدوین حدیث کے خیال کو مصلحت کی بناپر ترک کرنا اور مجموعہ احادیث کا جلانا[2]، حضرت عثمانؓ کی قبول حدیث میں محتاط روش اور خبر واحد کو اپنی رائے پر ترجیح دینا[3] اور حضرت علیؓ کا قبول حدیث میں محتاط رویہ ذکر کیا گیاہے، نیز شیخینؓ کے تقلیل الروایت اور حضرت علیؓ کے کثیر الروایات ہونے میں اختلافات کے اسباب، عہد عثمانی میں فتنہ سبائیت کے زور پکڑنے کی وجہ، حضرت علیؓ کے عہد میں اس فتنہ کے تدارک کے لیے کی جانے والی کاوشیں اور اس کے بعد روایت حدیث میں اختیار کردہ احتیاطی اصول وضوابط بیان کیے گئے ہیں۔[4]

اسلوب

1) فہرست مضامین دی گئی ہے۔

2) آیات واحادیث معرب مترجم ہیں۔ حوالہ دیتے وقت آیات میں زیادہ تر سورتوں کے نام اور احادیث میں صرف کتب حدیث کا نام ذکر کرنے پر اکتفاء کیا گیاہے۔ عربی کتب سے اقتباسات اور ترجمہ کا درج کرنے کا بھی اہتمام ہے۔

3) مصنف نے عربی اقتباسات کا ترجمہ کرنے کے دوران اپنی وضاحت کو بین القوسین لکھا ہے۔

4) قابل توضیح نکات کی وضاحت حواشی میں جبکہ حوالہ جات عبارت کے ساتھ درج ہیں۔

5) اردو وفارسی اشعار سے استفادہ اور استشہاد بھی اسلوب کا حصہ ہے۔

6) فہرست مصادر موجود نہیں ہے۔

خصوصیات

1) یہ کتاب علمی حلقوں میں تعارف کی محتاج نہیں۔ غالباً اردو میں اس موضوع پر پہلی مبسوط کتاب ہے۔ مصنف نے اس میں

---

[1] ۔ایضاً۔ص:279

[2] ایضاً،ص:338

[3] ایضاً،ص:401

[4] ایضاً،ص:406

تدوین حدیث سے متعلق عربی ماخذ میں بکھرے ہوئے مواد کو بڑی علمیت اور خوبی کے ساتھ یکجا کر دیا ہے۔ اور تاریخ حدیث کے مباحث کی بھرپور طریقے سے وضاحت کی ہے۔ منکرین حدیث کے عمومی اعتراض کہ احادیث حضور ﷺ کے عہد مبارک اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے زمانے میں مدون نہیں ہوئیں، کی حقیقت اس انداز سے واضح فرمائی ہے کہ ایک طالب حق کو سکون اور طمانیت نصیب ہوتی ہے۔

2) مصنف نے اس بات کو متعدد ٹھوس شواہد سے ثابت کیا ہے کہ کسی چیز کا صرف قید کتابت میں آ جانا اس کو قابل اعتماد بنانے کے لیے کافی نہیں ہوتا نیز یہ کہ کسی چیز کو محفوظ کرنے میں ذریعہ حفظ اور ذریعہ کتابت میں کچھ فرق نہیں ہے۔

3) خبر احاد کے راویوں کے کم ہونے میں پوشیدہ حکمت کو بڑے مؤثر انداز میں یوں بیان کیا ہے کہ حضور ان احادیث کی عمومی تبلیغ واشاعت نہیں کرنا چاہتے تھے۔ اس لیے ان کا ذکر بھی عام لوگوں سے نہیں بلکہ خاص خاص صحابہ کرامؓ سے کیا تاکہ دین کے بیناتی اور غیر بیناتی حصوں میں مدارج و مراتب کا فرق برقرار رکھا جا سکے۔ اسی طرح حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ غیر بیناتی (اخبار احاد) کی کثرت روایت سے منع فرماتے تھے تاکہ ان میں عمومیت کا وہ رنگ پیدا نہ ہو جو ان کو بیناتی عناصر و اجزاء کے ساتھ مشتبہ کر دے۔

4) حضور ﷺ کی وفات کے بعد اسی سے سو سال تک زندہ رہنے والے بعض اصحاب کے نام، آپ کے بعد کا عرصہ حیات اور جائے قیام و جائے وفات کو فہرست کی صورت میں نیز موالی کی خدمات حدیث کو بالتفصیل بیان کرنا اس کتاب کو دیگر کتب سے منفرد بناتا ہے۔

5) انہی خصوصیات اور ہمیت کے پیش نظر بعد میں آنے والے مصنفینؒ نے اپنی تصانیف میں اس کتاب سے استفادہ کیا ہے مثلاً روح اللہ محمد عمر المدنی نے علم حدیث اور اس کا ارتقاء، رانا محمد اسحاق نے علوم حدیث رسول، رفیق چودھری نے آسان علوم حدیث، ڈاکٹر سہیل حسن نے معجم اصطلاحات حدیث، مفتی محمد رفیع عثمانیؒ نے کتابت حدیث عہد رسالت و عہد صحابہ میں، عبد الرحمٰن کیلانیؒ نے آئینہ پرویزیت، فہیم عثمانیؒ نے حفاظت و حجیت حدیث، محمد عبد اللہ طارق دہلوی نے الترغیب والترہیب کے مقدمہ میں، عبد الرشید عراقی نے مقام سنت اور عظمت حدیث، عبد الرؤف ظفر نے علوم الحدیث فنی، فکری اور تاریخی مطالعہ میں، خالد علوی نے حفاظت حدیث، ڈاکٹر حمید اللہ نے صحیفہ ابن منبہ اور سالم قدوائی نے علم حدیث اور چند اہم محدثین میں اس کتاب کے حوالہ جات نقل کیے ہیں۔

6) کتاب کا متعدد مطابع سے شائع ہونا اس کے قبول عام ہونے کا ثبوت ہے۔

ماخذ و مصادر

کتاب کے ماخذ و مصادر بنیادی ہیں جیسے کہ تہذیب التہذیب، تذکرۃ الحفاظ، طبقات ابن سعد، جامع بیان العلم، فتح الباری،

معرفۃ علوم الحدیث، تدریب الراوی اور الاصابہ فی تمیز الصحابہ وغیرہ

تجزیہ

1) حوالہ دینے کا معیار تحقیقی نوعیت کا نہیں۔ مصنف نے اکثر مقامات پر آیات واحادیث اور شخصیات کا مکمل حوالہ نہیں دیا نیز فہرست مصادر نہ دینے سے اصل ماخذ تک رسائی مشکل ہو جاتی ہے۔

2) کہیں کہیں طباعت کی معمولی غلطیاں بھی پائی جاتی ہیں جیسے کرتے کی جگہ کرے [1] اور بھی کو بی [2] لکھا ہے۔

حجیت حدیث

یہ کتاب ایم ثناءاللہ خان۔ 26 ریلوی روڈ، لاہور نے شائع کی ہے۔ یہ کتاب 184 صفحات پر مشتمل ہے۔ کتاب ہذا میں مصنف نے آیات قرآنیہ کو بطور دلائل پیش کر کے منکرین حدیث کے اعتراضات کی تردید اور حجیت حدیث ثابت کی ہے۔ کتاب پر سن اشاعت تحریر نہیں لیکن مصنف نے خلاصہ کلام 1371ھ میں لکھا ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ کتاب بیسویں صدی کے نصف میں لکھی گئی ہے۔ مذکورہ بالا مطبع کے علاوہ بیت الحمد لاہور کی طرف سے بھی شائع ہو چکی ہے۔ اس پر تدوین و فہارس کا فریضہ ڈاکٹر سعد صدیقی نے سرانجام دیا ہے۔

جائزہ:

آغاز میں مصنف نے زمانہ قدیم اور جدید کے منکرین حدیث کا فرق واضح کر کے انہیں ابو جہل اور خسرو پرویز سے تشبیہ دی ہے۔ [3] حدیث سے متعلق اہل اسلام اور منکرین کا عقیدہ اور انکار حدیث کا حقیقی سبب بیان کرنے کے بعد اس بات پر اظہار افسوس کیا ہے کہ منکرین حضور اکرم ﷺ کو اپنا مقتداء اور پیشوا تسلیم کرنے کے باوجود آپ ﷺ کی حدیث اور سنت کو حجت و واجب العمل تسلیم نہیں کرتے اور اس کا انکار کر کے وہ قرآن کے بھی منکر ہو جاتے ہیں [4] کیونکہ جن شکوک و شبہات کی بناء پر وہ حدیث کا رد کرتے ہیں، اس طرح کے شکوک و شبہات قرآن کی روایت اور سند میں بھی پائے جا سکتے ہیں۔ کتاب میں دلائل قرآنیہ کے ذریعے، حدیث اور دلائل نقلیہ وعقلیہ کی روشنی میں خبر واحد کی حجت ثابت کی گئی ہے [5]، منکرین حدیث کے اعتراضات (کتابت حدیث کا عہد

---

[1] ۔تدوین حدیث: 34

[2] ۔تدوین حدیث: 35

[3] کاندھلوی، محمد ادریس، مولانا، حجیت حدیث (مکتبہ عثمانیہ، بیت الحمد، لاہور 1996ء)، ص: 24

[4] ۔ایضاً، ص: 25

[5] ۔ایضاً، ص: 31-78

نبوی میں آغاز نہ ہونا[1]، احادیث کی کثیر تعداد کا روایت بالمعنی ہونا[2]، باہم متعارض ہونا[3]، خلاف عقل وروایت ہونا[4]، حضور ﷺ کا کتابت حدیث سے منع کرنا[5] اور صحابہ کا ذخیرہ احادیث کو جلا ڈالنا[6] وغیرہ) کا مسکت جواب دیا گیا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی تعدیل وخصوصیات[7]، حفاظت وکتابت حدیث میں تابعین اور تبع تابعین کی مساعی جمیلہ[8]، امام مالک اوران کی مؤطا کا تعارف[9] نیز صحیحین کا مقام ومرتبہ[10] بیان کیا گیا ہے۔

اسلوب

1) فہرست مضامین دی گئی ہے۔
2) مصنف نے ابواب وفصول بندی کو اختیار کیا ہے۔
3) آیات واحادیث معرب، مترجم اور بغیر حوالہ کے ہیں۔ عربی کتب کا حوالہ دیتے ہوئے ان کا متن بھی نقل کیا ہے۔
4) حوالہ جات عبارت کے ساتھ درج ہیں۔
5) کتاب میں جابجا تنبیہات موجود ہیں جن کے تحت اہم نکات کی وضاحت کی گئی ہے۔
6) ہر بحث کے آخر میں خلاصہ کلام دیا گیا ہے۔
7) فارسی اور عربی اشعار سے استدلال کیا گیا ہے البتہ فارسی اشعار بکثرت ملتے ہیں اور بعض مقامات پر آیات اور فارسی اشعار کا ترجمہ حواشی میں درج کیا گیا ہے۔
8) فہرست مصادر نہیں دی گئی۔

---

[1] ۔ایضاً، ص:81
[2] ۔ایضاً، ص:94
[3] ۔ایضاً، ص:100
[4] ۔ایضاً، ص:121
[5] ۔ایضاً، ص:125
[6] ۔ایضاً، ص:127
[7] ۔ایضاً، ص:145
[8] ۔ایضاً، ص:162
[9] ۔ایضاً، ص:172
[10] ۔ایضاً۔ ص:175

خصوصیات

1) مصنف نے منکرین کے تمام شبہات کو دلائل نقلیہ اور عقلیہ سے تردید کر کے حجیت حدیث ثابت کی ہے۔ خاص طور پر یہ اعتراض کا کہ بہت سی حدیثیں موضوع ہیں اور صحیح و غیر صحیح اس قدر مخلوط ہیں کہ ان میں امتیاز دشوار ہے۔ لہذا تمام حدیثیں قابل اعتبار نہ رہیں، کی تفصیل و وضاحت کے ساتھ تردید کی ہے۔ اس ضمن میں انہوں نے محدثین کے قبولیت راوی کی شرائط اور موضوع و غیر موضوع روایات کے جانچنے کے برہانی اور وجدانی معیارات ذکر کیے ہیں۔

2) خلفائے راشدین کے ہاں حدیث کی حجیت اور روایت حدیث میں ان کی محتاط روش کا مبنی بر مصلحت ہونا بڑے اچھے انداز سے واضح کیا گیا ہے۔

3) ڈاکٹر خالد علوی نے حفاظت حدیث، فہیم عثمانی نے حفاظت و حجیت حدیث، سعد صدیقی نے علم حدیث اور پاکستان میں اس کی خدمت، عمر فاروق سلفی نے اتباع سنت اور منشی عبدالرحمٰن خان نے حقیقت حدیث میں اس کتاب سے استفادہ کیا ہے۔

ماخذ و مصادر

کتاب ہذا میں تذکرۃ الحفاظ، طبقات ابن سعد، اعلام الموقعین اور تدریب الراوی جیسی بنیادی کتب کے حوالے بکثرت ملتے ہیں۔

تجزیہ

مصنف موصوف نے آیات و احادیث کے حوالہ جات نہیں دیئے۔ مناسب تھا کہ وہ فہرست مصادر بھی دے دیتے۔

آئینہ پرویزیت

یہ کتاب مکتبۃ السلام، وسن پورہ، لاہور سے اکتوبر ۲۰۰۴ء میں شائع کی گئی ہے اس کے کل صفحات ۹۱۳ ہیں۔ یہ ضخیم کتاب مولانا عبدالرحمٰن کیلانیؒ کی حدیث کی حجیت کے سلسلے میں ایک بڑی کاوش ہے۔ مولانا نے اپنی خالص علمی معلومات اور قدرے فلسفیانہ رنگ میں لکھی ہے۔ دور جدید کے منکرین حدیث میں سے ایک غلام احمد پرویز بھی ہیں، جنہوں نے احادیث کا انکار کیا اور اپنے موقف کی تائید میں کتب بھی لکھیں۔ اس کتاب میں پرویز کے دلائل پر جامع انداز میں بحث کی گئی ہے اور اس کا رد بھی لکھا گیا ہے۔ یہ کتاب چھ حصوں پر مشتمل ہے جو کہ درج ذیل ہیں:

حصہ اول: معتزلہ سے طلوعِ اسلام تک:

جس میں منکرین حدیث کی سلسلہ وار تاریخ، انکار سنت کے اسباب[1] اور عجمی تصورات کی اسلام میں آمد[2]، معتزلہ کے مخصوص عقائد و نظریات[3] سے بحث کی گئی ہے۔

حصہ دوم: طلوع اسلام کے مخصوص نظریات:

اس حصہ میں مختلف نظریات جیسا کہ حسبنا کتاب اللہ[4]، عجمی سازش[5]، نظریہ ارتقاء، مساوات مرد وزن[6]، مرکز ملت اور قرآنی نظام ربوبیت پر روشنی ڈال کر وعقلی ونقلی اور تاریخی دلائل سے ان نظریات کا محاسبہ کیا گیا ہے۔[7] عجمی سازش تو ''اسباب زوال امت'' کے جواب میں لکھا گیا ہے ۔ مساوات مرد وزن،''طاہرہ کے نام خطوط "کے جواب میں اور قرآنی نظام ربوبی"نظام ربوبیت" کے جواب میں لکھے گئے ہیں۔

حصہ سوم: قرآنی مسائل:

یہ قرآنی فیصلے کے جواب میں لکھا گیا ہے۔اس حصے میں صرف ان تیرہ مسائل کا ذکر ہے جن کا جواب دیناضروری تھااوران پر قرآن ہی کی رو سے گرفت کی جاسکتی تھی اور وہ مسائل یہ ہیں: قرآنی نماز[8]، قرآنی زکوٰۃ وصدقات[9]، قربانی[10]، اطاعت والدین[11]،

---

[1] ۔ کیلانی، عبدالرحمٰن مولانا، آئینہ پرویزیت (مکتبۃ السلام، وسن پورہ، لاہور۔ جنوری 2001ء)، ص:41

[2] ۔ ایضاً، ص:49

[3] ایضاً، ص:51

[4] ۔ ایضاً، ص؛137

[5] ۔ ایضاً، ص:155

[6] ۔ ایضاً، ص:192

[7] ۔ ایضاً، ص:232

[8] ۔ ایضاً، ص:325

[9] ایضاً، ص:334

[10] ۔ ایضاً، ص:349

[11] ۔ ایضاً، ص:358

ناسخ و منسوخ[1]، عذاب قبر[2]، ترکہ اور وصیت[3]، یتیم پوتے کی وراثت[4]، تلاوت قرآن پاک[5]، نکاح نابالغان[6]، تعدد ازدواج[7]، غلام اور لونڈیاں، رجم اور حد رجم[8]

حصہ چہارم: دوامِ حدیث:

یہ حصہ حافظ جیراجپوری کے ان مقالات کے جواب میں لکھا گیا ہے جو ان کی کتاب "مقام حدیث" میں مندرج ہیں۔ فن حدیث میں تشکیک کے جن پہلوؤں پر بحث کی گئی ہے وہ یہ ہیں روایت حدیث[9]، کتابت وتدوین حدیث[10]، تنقید حدیث[11]، اصول حدیث[12]، وضع حدیث[13]، حدیث کو دین سمجھنے کے نقصانات۔[14]

حصہ پنجم: دفاعِ حدیث:

یہ حصہ مقام حدیث کے باقی ماندہ مقالات کے جواب میں لکھا گیا ہے، ان مقالات کا بیشتر حصہ کتب حدیث کے داخلی مواد پر اعتراضات اور ان کے جوابات سے متعلق ہے، عنوانات درج ذیل ہیں:

- حدیث پر بنیادی اعتراضات[15]
- حدیث اور چند نامور اہل علم و فکر[16]

---

[1] ۔ایضاً، ص:365

[2] ۔ایضاً، ص:373

[3] ۔ایضاً، ص:384

[4] ۔ایضاً، ص:394

[5] ۔ایضاً، ص:404

[6] ۔ایضاً، ص:409

[7] ۔ایضاً، ص:423

[8] ۔ایضاً، ص:440

[9] ۔ایضاً، ص:453

[10] ۔ایضاً، ص:484

[11] ۔ایضاً، ص:512

[12] ۔ایضاً، ص:529

[13] ۔ایضاً، ص:584

[14] ۔ایضاً، ص:607

[15] ۔ایضاً، ص:621

[16] ۔ایضاً، ص:651

- جمع قرآن روایات کے آئینے میں [1]
- تفسیر بالقرآن [2]
- متعہ کی حرمت [3]
- حصول جنت احادیث کی رو سے [4]
- بخاری کی قابل اعتراض احادیث [5]
- خلفائے راشدین کی شرعی تبدیلیاں [6]

حصہ ششم: طلوعِ اسلام کا اسلام:

اس حصے میں یہ بتایا گیا ہے کہ طلوع اسلام کا اپنا اسلام کیسا ہے اور انکار سنت کے بعد وہ دوسرے مسلمانوں کو کس طرح کے اسلام کی راہ دکھانا چاہتا ہے۔ اس حصہ کے ابواب درجِ ذیل ہیں:

1۔ طلوع اسلام کا ایمان بالغیب [7]، 2۔ طلوع اسلام اور ارکان اسلام [8]، 3۔ وحی الہی سے روشنی حاصل کرنے کا طریقہ [9]، 4۔ فکر پرویزی پر عجمی شیوخ کی اثراندازی، [10] 5۔ داعی انقلاب کا ذاتی کردار [11]، 6۔ پرویزی لٹریچر کی خصوصیات [12]

---

[1] ۔ایضاً، ص:659

[2] ۔ایضاً، ص:682

[3] ۔ایضاً، ص:695

[4] ۔ایضاً، ص:702

[5] ۔ایضاً، ص:718

[6] ۔ایضاً، ص:754

[7] ۔ایضاً، ص:783

[8] ۔۔ایضاً، ص:818

[9] ۔ایضاً، ص:824

[10] ۔ایضاً، ص:853

[11] ۔ایضاً، ص:871

[12] ۔ایضاً، ص:884

سنت خیر الانام

یہ کتاب ضیاء القرآن پبلیکیشنز، لاہور نے 1953ء میں اشاعت کی۔اس کتاب کے 288 صفحات ہیں۔حجیت حدیث پر آپ کی تالیف ہذا ایک منفرد مقام کی حامل ہے۔

جائزہ:

تالیف ہذا میں عالمانہ اور محققانہ انداز سے حجیت حدیث کے تفصیلی دلائل دئے گئے ہیں۔ باب اول میں اتباع سنت کے قرآنی دلائل کے علاوہ سنت کی اہمیت کو مختلف پہلوؤں سے بیان کیا گیا ہے [1]۔ باب دوم میں جن عنوانات کی تفصیل بیان کی گی ہے وہ یہ ہیں، رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بھیجنے کا مقصد [2]، احادیث کی تدوین کے مختلف ادوار اور روایت حدیث میں احتیاط۔[3] باب سوم میں سنت کی تشریعی اہمیت [4] کی خوب وضاحت کی گئی ہے نیز اقسام سنت [5] کو بھی بیان کیا گیا ہے۔ خبر واحد پر اعتراضات [6] کا علمی اور مؤثر جواب دیا گیا ہے۔ باب چہارم میں مختلف احادیث پر منکرین سنت کے اعتراضات کا رد قرآن وحدیث کے تفصلی دلائل سے پیش کیا گیا ہے۔[7] مؤلف نے منکرین حدیث کے اعتراضات کے جواب میں جو عالمانہ اور فاضلانہ انداز اختیار کیا ہے وہ منفرد اور لاجواب ہے۔

اسلوب

1) فہرست مضامین دی گئی ہے۔

2) مصنف نے ابواب وفصول بندی کو اختیار کیا ہے۔

3) آیات مبارکہ معرب ومترجم ہیں۔اور حوالہ جات بھی ساتھ ہیں جبکہ احادیث غیر معرب، مترجم اور بغیر حوالہ کے ہیں۔ عربی کتب کا حوالہ دیتے ہوئے ان کا متن بھی نقل کیا ہے۔

4) اکثر حوالہ جات عبارت کے ساتھ درج ہیں۔

5) اعتراضات کے جوابات اور امثلہ کے ساتھ عبارات کو سمجھایا گیا ہے۔

---

[1] ۔ازہری، پیر کرم شاہ، سنت خیر الانام (ضیاء القرآن پبلیکیشنز، گنج بخش روڈ، اردو بازار، لاہور۔ فروری 1998ء)، ص:30

[2] ۔ایضاً، ص:93

[3] ۔ایضاً، ص:94

[4] ۔ایضاً، ص:179

[5] ۔۔ایضاً، ص:188

[6] ۔ایضاً، ص:190

[7] ۔ایضاً، ص:228

6) ہر بحث کے آخر میں خلاصہ کلام دیا گیا ہے۔

7) فارسی اور عربی اشعار سے استدلال کیا گیا ہے البتہ فارسی اشعار بکثرت ملتے ہیں۔

8) حواشی میں وضاحت طلب عبارات کی وضاحت بھی کی گئی ہے۔

9) فہرست مصادر دی گئی۔

خصوصیات

1) مصنف نے منکرین کے تمام شبہات کی تردید دلائل نقلیہ اور عقلیہ ،امثلہ اور وضاحتی عبارات کے ذریعے کر کے حجیت حدیث کو ثابت کیا ہے۔ منکرین کے عام اعتراضات کا عالمانہ انداز سے جواب دیا ہے۔احادیث کے سلسے میں جو منکرین نے مسلمانوں کے اندر غلط فہمیاں پھلانے کی کوشش کی ہے ،ان کی غلط فہمیوں کے لیے اس کتاب میں بہت سامان موجود ہے۔ منکرین کے عام اعتراضات میں سے بہت بڑا اعتراض یہ ہوتا ہے کہ بہت سی حدیثیں موضوع ہیں۔ صحیح اور غیر صحیح اس قدر مخلوط ہیں کہ ان میں امتیاز دشوار ہے لہذا تمام حدیثیں قابل اعتبار نہ رہیں، کی تردید تفصیلاً کی ہے۔اس ضمن میں انہوں نے ایک تو محدثین کی قبول راوی کی شرائط اور موضوع و غیر موضوع روایات کے جانچنے کے برہانی اور وجدانی معیارات ذکر کیے ہیں جبکہ دوسری طرف رسول اللہ ﷺ کی تاابد اطاعت اور تابعداری کے متعلق بہت ساری آیات مبارکہ مسلمانوں کے سامنے رکھ دیں ہیں کہ جن کی روشنی میں رسول کی اطاعت احادیث رسول کے بغیر ناممکن ہے۔

2) خلفائے راشدینؓ، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین اور تابعین عظامؒ کے ہاں حدیث کی حجیت اور روایت حدیث میں ان کی محتاط روش کا مبنی بر مصلحت ہونا بڑے اچھے انداز سے واضح کیا گیا ہے۔

ڈاکٹر خالد علوی نے حفاظت حدیث، فہیم عثمانی نے حفاظت وحجیت حدیث، سعد صدیقی نے علم حدیث اور پاکستان میں اس کی خدمت ،عمر فاروق سلفی نے اتباع سنت اور منشی عبد الرحمٰن خان نے حقیقت حدیث میں اس کتاب سے استفادہ کیا ہے۔

ماخذ و مصادر

کتاب ہذا میں امام ابو عبد اللہ قرطبیؒ کی الجامع لاحکام القرآن ،ابن جریر طبریؒ کی جامع البیان ،امام ابو بکر جصاصؒ کی احکام القرآن ،امام بخاریؒ کی صحیح، علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی فتح الملہم ،ابن جریرؒ کی الاصابہ فی معرفۃ الصحابہ ،تذکرۃ الحفاظ ،طبقات ابن سعد، اعلام الموقعین اور تدریب الراوی جیسی بنیادی کتب کے حوالے بکثرت ملتے ہیں۔

تجزیہ:

مصنف موصوف نے آیات واحادیث کے حوالہ جات نہیں دیئے۔ مناسب تھا کہ وہ فہرست مصادر بھی دے دیتے۔

خلاصہ کلام:

یہ پانچ کتابیں مختلف مکاتب فکر کے مستند و معتدل علماء کی لکھی ہوئی ہیں جو کہ انہوں نے اپنے زمانے میں حجیت حدیث کی ضرورت واہمیت کو محسوس کرتے ہوئے تصنیف کیں۔ یہ کتب مختلف انداز سے استدلال اور براہین پیش کرنے میں اپنی نظیر آپ ہیں۔ چونکہ دنیا کے مختلف خطوں کی طرح برصغیر پاک وہند میں احادیث مبارکہ پر مختلف قسم کے اعتراضات پیش کیے جاتے رہے ہیں، بعض نے صریح اور صحیح احادیث تک کا انکار کیا جبکہ بعض بے جا قسم کی تاویلات پیش کرتے رہے۔ کچھ دوسرے فلسفوں سے متاثر ہوئے تو کچھ حضرات جدیدیت کا شکار ہوئے۔ پھر انہوں نے اپنے نظریات کی پرزور تبلیغ کی اور عام مسلمانوں کے ذہنوں میں احادیث مبارکہ کے متعلق عجیب وغریب قسم کے شکوک وشبہات پیدا کرنے لگے۔ یہی وجہ ان کتب کی تالیف کی بنی اور ان کتب میں مسکت جوابات مع دلائل نقلیہ وعقلیہ پیش کیے گئے ہیں۔ ان حضرات کے اعتراضات کا تجزیہ کرنے کے بعد تشفی بخش جوابات بھی دیئے گئے ہیں۔

فصل دوم

حجیت حدیث پر مشتمل اردو کتب کے مصنفین کا تعارف

شریعت اسلام میں حدیث کو بہت اہم مقام و مرتبہ حاصل ہے۔ دنیا کے مختلف خطوں کی طرح برصغیر پاک وہند کے علماء کے بھی حدیث کی خدمت میں اپنا حصہ ڈالا ہے۔ علوم حدیث کے علاوہ حدیث کی حجیت، ضرورت واہمیت پر بھی یہاں پر کتب لکھی گئی ہیں۔ مختلف علماء نے یہ کام بخوبی انجام دیا ہے جن میں سر فہرست مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ، مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ، مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ، مولانا پیر کرم شاہ الازہریؒ اور مولانا عبدالرحمٰن کیلانی کے نام بھی آتے ہیں۔ یہ حضرات مختلف مکاتبِ فکر سے تعلق رکھتے ہیں اور اپنے وقت کے جید علماء میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ انہوں نے وقت کی ضرورت واہمیت کے پیش نظر حجیت حدیث پر کتب لکھی ہیں، ان مؤلفین کا تعارف درجِ ذیل میں پیش کیا جاتا ہے:

سید ابوالاعلیٰ مودودی

سید مودودی کی ۳ رجب المرجب بمطابق ۲۵ ستمبر ۱۹۰۳ء کو اورنگ آباد (دکن) میں ولادت باسعادت ہوئی۔[1] سید مودودیؒ بلاشبہ عصر حاضر کی موثر شخصیت تھے۔ ان کی فکری پختگی راسخ تھی جس نے اپنے زمانے پر ہی نہیں بلکہ بعد کے ادوار پر بھی گہرے نقوش مرتب کیے ہیں۔ وہ بیک وقت مصلح زمانہ، بہترین مصنف اور ایک اسلامی تحریک کے داعی تھے۔ سید صاحب کے والد سید احمد حسن مرحوم، سرسید احمد خاں مرحوم کے قائم کردہ مدرسۃ العلوم (بعد میں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے ابتدائی طلبہ میں سے تھے۔ الہ آباد سے وکالت کی تعلیم حاصل کی۔ مولانا رشید احمد گنگوہی سے دورہ حدیث بھی مکمل کیا۔ کچھ دن ریاست دیوگڑھ کے ولی عہد کے اتالیق رہے "۔[2] اورنگ آباد صوبہ کے میر عدل مولوی محی الدین کے مشورہ سے اورنگ آباد میں وکالت شروع کی۔ مولوی صاحب مرحوم کی صحبت کے زیر اثر تصوف کا ذوق پیدا ہوا تو وکالت چھوڑ کر حضرت نظام الدین اولیا کے مزار کے قریب ایک بستی میں ڈیرے جمالیے۔ مولوی محی الدین صاحب نے جن سے وہ بیعت بھی ہو چکے تھے نصیحت کی تو اورنگ آباد واپس آئے،

---

[1] ۔ محمد یوسف، بھٹہ، مولانا مودودی اپنی اور دوسروں کی نظر میں، ادارہ معافر اسلامیہ، لاہور۔ ۱۹۸۴ ص: ۱۷

[2] ۔ ابوالآفاق۔ ایم اے، سید ابوالاعلیٰ مودودی، سوانح، افکار، تحریک، اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ، لاہور، ۱۹۷۱ء، ص: ۴۶

بڑی چھان پھٹک کے بعد مقدمات کی پیروی کرتے۔ سید مودودی ابھی ۱۲۔۱۳ سال کے تھے کہ ان کے والد بعارضہ فالج جو پال میں فوت ہو گئے۔[1]

سلسلہ نسب:

سید مودودی نسبی طور پر سید الشہداء حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی اولاد سے ہیں۔ اجداد میں چودھویں پشت میں سید المشائخ قطب الدین مودود چشتی ہیں جو تصوف کے سلسلہ چشتیہ کے بانی اور حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری کے دادا پیر ہیں۔ ان کی اولاد میں سے علامہ قطب الدین ابوالاعلیٰ جعفر مودود ہندستان تشریف لائے۔[2] سید مودودی کا شجرہ نسب بارھویں پشت میں ان سے ملتا ہے۔[3]

تعلیم:

مولانا مودودی صاحب کی تعلیم کا بندوبست ۹ تک تعلیم ان کے گھر پر ہی کیا گیا۔[4] صرف و نحو، عربی ادب اور فقہ کی ابتدائی تعلیم گھر پر ہی ہوئی۔ ابتدائی تعلیم کے بعد مدرسہ فوقانیہ (انٹرمیڈیٹ) کی جماعت رشدیہ میں داخل ہوئے۔ کچھ ماہ بعد ترقی پا کر جماعت مولوی میں آ گئے۔ ۱۹۱۴ء میں گیارہ سال کی عمر میں مولوی کا امتحان پاس کیا۔[5] اس نصاب میں میٹرک کے پورے نصاب کے ساتھ عربی ادب، منطق میں مرقاۃ، فقہ میں قدوری اور حدیث میں شمائل ترمذی شامل تھیں۔[6]

دارالعلوم حیدرآباد میں مولوی عالم میں داخل ہوئے۔ والد کی شدید علالت کی وجہ سے باقاعدہ تعلیم کا سلسلہ منقطع ہو گیا، تاہم انھوں نے بعد میں ذاتی محنت، کوشش، ذوق و شوق اور لگن کے ساتھ... صحافت۔ حصول تعلیم کا سلسلہ جاری رکھا، اردو عربی کے علاوہ

---

1 ۔ گیلانی، سید اسعد، سید ابوالاعلیٰ مودودی، دعوت و تحریک، اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ، لاہور، ۱۹۸۰ ص: ۵۵

2 ۔ ابوالآفاق۔ ایم اے، سید ابوالاعلیٰ مودودی، سوانح، افکار، تحریک، اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ، لاہور، ۱۹۷۱ء، ص: ۴۵

3 ۔ نعمانی، عاصم، تصوف اور تعمیر سیرت، ص: ۱۸

4 ۔ محمد یوسف، بھٹہ، مولانا مودودی اپنی اور دوسروں کی نظر میں، ادارہ معارف اسلامیہ، لاہور۔ ۱۹۸۴ ص: ۲۴

5 ۔ ایضاً، ص: ۳۰

6 ۔ گیلانی، سید اسعد، سید ابوالاعلیٰ مودودی، دعوت و تحریک، اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ، لاہور، ۱۹۸۰ ص: ۴۷

انگریزی میں اتنی مہارت حاصل کی کہ جدید علوم کے دروازے بھی ان پر کھل گئے۔[1]

خدمات

1921ء میں جمعیۃ علمائے ہند نے اخبار ''مسلم'' جاری کیا تھا۔سید مودودی اس کے مدیر مقرر ہوئے۔ ۱۹۲۳ء میں اخبار بند ہو گیا۔[2] ۱۹۵ء میں "الجمعیہ "کے نام سے دوسرا اخبار نکالا گیا تو سید مودودی ہی اس کے ایڈیٹر مقرر ہوئے۔[3] ۱۹۲۸ء میں ''الجمعیۃ" سے قطع تعلق کیا۔ حیدر آباد منتقل ہو کر پوری تندہی کے ساتھ مطالعہ و تحقیق میں مصروف ہو گئے۔[4] ۱۹۳۲ء میں ماہنامہ ترجمان القرآن جاری کیا۔

۱۹۳۶ء کے اوائل میں علامہ اقبال نے ایک خط کے ذریعے ان کو دکن چھوڑ کر پنجاب آنے کی دعوت دی۔[5] ۱۹۳۷ء میں لاہور آئے، علامہ سے ملاقات ہوئی۔ پنجاب منتقل ہونے کا فیصلہ کیا۔[6] مارچ ۱۹۳۸ء کو پٹھان کوٹ ''دار الاسلام " پہنچے۔ ۲۱ اپریل ۱۹۳۸ء کو پٹھان کوٹ ہی میں علامہ کے انتقال کی خبر ملی۔[7]

۲۶۔اگست ۱۹۴۱ء کو آپ کی دعوت پر لاہور میں ۷۵ افراد اور ۷۴ روپے چودہ آنے کے سرمایے کے ساتھ "جماعت اسلامی ہند" کا قیام عمل میں آیا اور آپ اس کے امیر منتخب ہوئے۔[8] ۲۹ اگست ۱۹۴۷ء کو پٹھان کوٹ سے ہجرت کر کے لاہور آ گئے۔

1953ء میں "قادیانی مسئلہ "کے نام سے ایک کتابچہ شائع کیا۔ 1953ء کی مارشل لاء کی مخالفت کی اور ایوب خان کے دور میں منکرین حدیث کھل کر سامنے آئے جنہوں نے صراحۃً حدیث کا بھی انکار کیا اور ایوب خان کو مرکز ملت بنانے کی پوری کوشش کی۔ جن میں سر فہرست جناب پرویز صاحب ہیں۔ پرویز صاحب کے مصاحبین میں سے وکیل عبد الودود صاحب کی طرف سے سوالات اور مولانا مودودی کی طرف سے جوابات کو ترتیب دیا گیا ہے جس کی وجہ سے "سنت کی آئینی حیثیت "کتاب وجود میں آئی۔

---

[1] ۔ثروت، صولت، مولانا مودودی کی تقاریر، ۱/23

[2] ۔ابوالآفاق۔ایم اے، سید ابوالاعلیٰ مودودی، سوانح، افکار، تحریک، اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ، لاہور، ۱۹۷۱ء، ص:79

[3] ۔ایضاً، ص:79

[4] ۔گیلانی، ابوالاعلیٰ مودودی دعوت و تحریک:ص:172

[5] ۔صابر کلوری، سید مودودی اور اقبال، ماہنامہ سیارہ ڈائجسٹ لاہور، سید مودودی نمبر (حصہ اول) دسمبر 1970ء، ص:102

[6] ۔غلام محمد، چوہدری، تاریخ جماعت اسلامی تاسیسی پس منظر، ادارہ معارف اسلامی، لاہور، 2019ء، ص:59

[7] ۔گیلانی، سید اسعد، سید ابوالاعلیٰ مودودی، دعوت و تحریک، اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ، لاہور 1982 ص:132

[8] ۔غلام محمد، تاریخ جماعت اسلامی تاسیسی پس منظر، ادارہ معارف اسلامی، لاہور، 2019ء، ص:109

وفات:

۲۷ مئی ۱۹۷۹ء کو ان کے صاحبزادے ڈاکٹر احمد فاروق بڑے اصرار کے ساتھ انہیں بغرض علاج اپنے ہمراہ امریکہ لے گئے۔ جہاں ان کے معدے کے السر کا آپریشن ہوا۔ ۲۲ ستمبر ۱۹۷۹ء کو دل کا شدید دورہ پڑا جو جان لیوا ثابت ہوا اور شام پونے چھ بجے ہسپتال ہی میں اس دار فانی سے کوچ کر گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا مناظر احسن گیلانیؒ

مولانا مناظر احسن گیلانی بیک وقت مفسر قرآن، محدث، سیرت و سوانح نگار، ماہر معاشیات، ماہر تعلیم اور عمل کی دولت سے مالا مال صوفی تھے۔ مناظر احسن گیلانی کی ولادت باسعادت ۹ ربیع الاول ۱۳۱۰ھ بمطابق یکم اکتوبر ۱۸۹۲ء کو اپنی ننھیال استھانواں، ضلع پٹنہ موجودہ ضلع نالندہ، بہار میں ہوئی۔[1] آپ کا تعلق سادات خاندان سے تھا۔ آپ کے بزرگ اولاً سلطان محمد غوری کے ہمراہ ہندوستان آئے اور کان پور میں آباد ہوئے۔ پھر بہار چلے گئے اور بہار ضلع مونگیر کا حصہ ہے۔ وہاں ضلع پٹنہ کے قریب جگہ بہار کے مشرق میں ان کی ایک شاخ "محی الدین در گیلانی" نامی بستی میں آباد رہی۔ یہ نام بعد ازاں گیلانی ہی پکار اجانے لگا۔ اس سے مولانا مناظر احسن کی پہچان بطور گیلانی ہوئی۔[2] علامہ مناظر احسن گیلانی کے دادا محمد احسن نے اگرچہ ابتدائی عمر میں تعلیم پر توجہ نہ دی، مگر جب صاحب اولاد ہوئے، تو کسی نے انہیں ان پڑھ ہونے کا طعنہ دیا۔ یہ طعنہ برداشت نہ کر سکے، گھر بار چھوڑا اور چودہ برس تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد تدریس کو اپنی جولان گاہ بنایا۔[3] جبکہ آپ کے والد گرامی حافظ ابوالخیر حفظ قرآن اور ابتدائی فارسی تعلیم کے بعد کھیتی باڑی کے کاموں میں لگ گئے، تعلیم پر توجہ نہ دی۔ تاہم بتایا جاتا ہے کہ آپ بڑے مخیر اور فیاض تھے۔[4]

حصول تعلیم

آپ کی ابتدائی تعلیم اپنے چچا سعید ابو نصر سے ہوئی علامہ گیلانیؒ نے ابتدائی تعلیم کے بعد ۱۳۱۴ھ کو چودہ سال کی عمر میں

---

[1] ۔مقتاحی، محمد ظفیر الدین، مفتی، حیات مولانا گیلانی، مجلس نشریات اسلام، ناظم آباد کراچی، 1994ء)ص:38

[2] ۔سفیر اختر، ڈاکٹر، سید مناظر احسن گیلانی: احوال و آثار پر ایک طائرانہ نظر۔ مقالہ در تدوین حدیث از مناظر احسن گیلانی، مکتبہ العلم، لاہور ص:8

[3] ۔ایضاً، ص:9

[4] ۔ایضاً، ص:10

گیلانی ٹونک، راجستھان گئے[1] اور وہیں پر مدرسہ خلیلیہ ٹونک میں ۱۳۳۱ھ تک تقریباً آٹھ سال رہ کر برکات احمد ٹونکی اور محمد اشرف ملتانی کے پاس معقولات اور منقولات کی دورۂ حدیث سے پہلے تک کی کتابیں پڑھیں۔[2] گیلانی کے ٹونک کے ساتھیوں میں عبدالرشید رانی ساگری بھی تھے۔[3] اس کے بعد شوال ۱۳۳۱ھ بمطابق ستمبر ۱۹۱۳ء میں آپ کا داخلہ دارالعلوم دیوبند میں دورۂ حدیث کے سال میں ہوا اور شعبان ۱۳۳۲ھ بمطابق جون/جولائی ۱۹۱۴ء میں تیسری پوزیشن کے ساتھ دورۂ حدیث سے فارغ ہوئے۔[4] دارالعلوم دیوبند میں آپ نے مولانا محمود الحسن، انور شاہ کاشمیری، شبیر احمد عثمانی اور حسین احمد مدنی سے کسب فیض کیا۔ مولانا مدنی خود بھی شیخ الہند مولانا محمود الحسن کے درس میں بیٹھتے تھے یوں ایک کتاب کے درس میں وہ مناظر احسن کے ہم سبق بھی رہے۔[5]

خدمات

دیوبند سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد مولانا گیلانی ٹونک کی اپنی ابتدائی مادر علمی کے کتب خانہ کی فہرست سازی پر مامور ہوئے اور دو ماہ بعد یہیں مدرس ہو گئے۔ چند ماہ بعد حیدر آباد اور پھر دیوبند آ گئے۔ دیوبند میں وہ پہلے پہل "الرشید" اور "القاسم" کے مدیر مقرر ہوئے۔ پھر بعد ازاں استاد بھی رہے۔ اسی دوران ۱۹۱۹ء میں حیدر آباد دکن میں جامعہ عثمانیہ قائم ہوا۔ حمید الدین فراہی کے توسط سے علامہ گیلانی جامعہ عثمانیہ میں استاد حدیث مقرر ہوئے۔ یہ دیوبند کے بر خلاف جدید طرز کی درس گاہ تھی۔ بعد ازاں یہاں مولانا گیلانی کو دینیات کا استاد مقرر کیا گیا۔ ۱۹۴۹ء تک مولانا گیلانی یہیں رہے اور یہیں جامعہ عثمانیہ سے پینشن لی یوں آپ کی زندگی کا بہترین حصہ جامعہ عثمانیہ میں گزرا۔[6]

مولانا مناظر احسن گیلانی اور ان کی صوفیانہ فکر جامعہ عثمانیہ سے ان کی وفات تک رہی۔ یہاں مولانا گیلانی کو حمید الدین فراہی سے استفادہ کا موقع ملا۔ قابل ذکر ہے کہ یہاں تدریس کے ساتھ ساتھ آپ ترسی مسجد میں درس قرآن بھی دیتے تھے اور جمعہ و عیدین کے خطبات بھی ارشاد فرماتے تھے۔ قیام پاکستان کے بعد پاکستان میں نفاذ اسلام میں کوششوں کے فن میں علمی و قانونی

---

[1] ۔ ندوی، حکیم سعید احمد، تذکرہ شعراء بہار، کراچی 1968، ص: 219

[2] ۔ مفتاحی 1994، ص: 38-43، 49، 91۔

[3] ۔ مفتاحی 1994، ص: 45۔

[4] ۔ مفتاحی 1994، ص: 91-92۔

[5] ۔ سفیر اختر، ص: 13

[6] ۔ مفتاحی 1994، ص: 141-148، 160۔

مسائل کی مشاورت کے لیے جو بزرگ ہندوستان سے پاکستان میں مقیم رہنے کے بعد واپس ہندوستان تشریف لے گئے، ان میں مناظر احسن گیلانی بھی شامل تھے۔ آپ بڑا عرصہ پاکستان میں مقیم رہنے کے بعد واپس ہندوستان تشریف لے گئے۔

مولانا کی وفات

ہندوستان واپسی کے بعد ۱۹۵۳ء میں آپ کو دل کا دورا پڑا مگر جلد صحت یاب ہو گئے۔ تاہم بعد ازاں ۱۹۵۴ء میں آپ کو پھر دل کا دورہ پڑا جس سے آپ جانبر نہ ہو سکے۔ آپ کا انتقال ۲۵ شوال ۱۳۷۵ھ بمطابق ۵ جون ۱۹۶۵ء کو صبح سات بجے ہوا اور آبائی علاقہ بہار میں مدفون ہوئے۔[1]

مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ

مولانا محمد ادریس کاندھلوی صدیقی نسب سے تھے۔ اس کا تذکرہ آپ نے خود اپنے تصنیف تفسیر معارف القرآن کے ابتداء میں کیا ہے۔ یوں بیان کرتے ہیں، "بندہ ناچیز حافظ محمد ادریس نسبا صدیقی اور مذہباً حنفی ہوں۔"[2] آپ 1317ھ/1899ء میں بھوپال میں پیدا ہوئے۔ آپ کا آبائی وطن کاندھلہ تھا۔[3] والد کا نام مولانا محمد اسماعیل کاندھلوی تھا جو کہ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے مرید تھے۔ محکمہ جنگلات میں آفسر تھے۔

تعلیم و تربیت:

مولانا کاندھلوی نے اپنی تعلیمی سلسلے کا آغاز قرآن مجید سے کیا اور نو سال کی عمر میں حفظ کی تکمیل ہوئی۔ اس سعادت کے بعد والد بزرگ آپ کو تھانہ بھون لے گئے اور موانا اشرف علی تھانویؒ کے قائم کردہ مدرسہ اشرفیہ میں داخل کروایا۔ وہاں پر مولانا اشرف علی تھانوی جیسے مشفق استاذ کی زیر تربیت درس نظامی کی ابتدائی کتب پڑھیں۔ اس مدرسہ میں صرف ابتدائی کتب ہی پڑھائی

---

[1] ۔ مقاحی 1994، ص: 296-302۔

[2] ۔ کاندعلوی، مولانا مجھے اور میں، معارف القرآن، مکتبۃ الحسن، لاہور، 1430ھ/2009 من 1 مس 135

[3] ۔ کاندھلہ ہندوستان کے صوبے اترپردیش میں ضلع مظفر نگر میں شاہدرود بھی اور سہارن پور کی رمیوے ای کن پر مظفر نگر ہے 34 میل دمی سے 42 کیں۔ اور سہارنپور سے 45 میل کے فاصلے دریائے جمنا کے مغربی کنارے پر واقع ہے۔ کاندھلہ کے جنوب میں شرقی کے انہ اور شمال میں ضلع میں تجھ کے علاقے میں واقع ہیں۔ احسان دانش، جہاں دانش، لاہور، 1403ء/1983، ص20

جاتی تھیں۔اس کے بعد آپ مدرسہ عربیہ مظاہر العلوم سہارن پور میں داخل ہوئے اور جلیل القدر اساتذہ [1] سے علوم متداولہ کی تکمیل کی۔19 سال کی عمر میں سند فراغت حاصل کی۔ یہاں سے دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے اور دوبارہ دورہ حدیث کی تکمیل کی۔ یہ وہ زمانہ تھا جس وقت دارالعلوم کی شہرت چار دانگ عالم تھی اور مرجع خاص و عام تھا۔ مسند تدریس پر بڑے بڑے اساتذہ وقت اور اصحاب بصیرت فائز تھے۔[2] ان کی آغوش شفقت اور سایہ عاطفت میں رہ کر تکمیل تعلیم حاصل کی اور فارغ التحصیل ہوئے۔[3]

مولانا محمد ادریس کاندھلوی کی تدریسی خدمات:

مولانا کاندھلویؒ کی زندگی دینی، علمی اور ملی خدمات کا بہترین نمونہ ہے۔ مولانا کی تدریسی زندگی کا آغاز مدرسہ امینیہ دہلی سے ہوا اور جامعہ اشرفیہ لاہور میں یہ درس وتدریس اپنے عروج کو پہنچا۔ آپ جامع العلوم شخصیت کے مالک تھے۔ لاہور آنے کے بعد وفات تک مولانا جامع مسجد نیلا گنبد میں جمعہ کا خطبہ دیا کرتے تھے۔ درس وتدریس، وعظ ونصیحت کے علاوہ تصنیفی خدمات میں سب سے زیادہ اور تفصیلی کام مولانا کی مؤلفات وتصنیفات ہیں۔ ان مؤلفات میں اردو عربی نظم ونثر میں لکھا ہے۔ نہ صرف یہی بلکہ تفسیر، حدیث، سیرت، عقائد وکلام اور عیسائیت غرض کوئی موضوع ایسا نہیں جس میں مولانا نے قلم نہ اٹھایا ہو۔

مولانا ادریسؒ نے تدریسی زندگی کا آغاز 1338ھ/1921ء سے کیا اور مفتی کفایت اللہ کے قائم کردہ مدرسہ امینیہ دہلی سے تدریس شروع کی۔ ایک سال بعد ی تنظیم دارالعلوم دیوبند کی دعوت پر دارالعلوم دیوبند میں تدریس کے لیے تشریف لے گئے۔ دارالعلوم میں درس وتدریس کے پہلے سال میں ہی مولانا نے فقہ کی بہترین کتاب "الہدایہ" اور عربی ادب کی اہم اور مشکل کتاب "مقامات حریری" پڑھانے کا موقعہ ملا۔ یہ تعلق تقریبا9 سال تک قائم رہا۔ اس دوران نماز فجر کے بعد درس قرآن مجید دیتے

---

[1] ۔ جیسے مولانا خلیل الرحمن احمد سہارپوری، مولانا ثابت علی، مولانا لطیف کاندھلوی، عقائد الاسلام رادردو اسلامیات براین

لاہور، 1431ھ/2010ء، ص15

[2] ۔ان جیسے علامہ شاہ انور شاہ کشمیری، علامہ شبیر احمد عثانی میں اصغر حسین اور مفتی عزیزالرکے الاسلام سل||

[3] ۔کاندھلوی، مقدمہ معارف القرآن، ج1، ص4

رہے۔اس درس کے بناء پر آپ کو بیضاوی اور تفسیر ابن کثیر پڑھانے کی ذمہ داری سونپی گئی۔ پھر 1929ء میں آپ دارالعلوم چھوڑ کر حیدر آباد دکن آئے۔

حیدر آباد دکن میں قیام کے دوران مولانا نے انگریز عالم محمد مارماڈیوک پکتھال اور دوسرے اہل علم حضرات سے ملاقاتوں اور علمی مجالس کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ حیدر آباد میں سکونت کے دوران ہی درس وتدریس کے ساتھ تصنیف وتالیف کے طرف بھی راغب ہوئے۔ حیدر آباد دکن کا 9 برس پر مشتمل قیام آپ کی زندگی میں اس اعتبار سے تاریخی ہے کہ وہاں قیام کے دوران آپ نے عظیم الشان کتاب "التعليق الصبيح على مشكوة المصابيح لکھی۔[1] حیدر آباد دکن میں قیام کے دوران دنیائے علم کے ایک عظیم کتب خانہ آصفیہ میں موجود بعض نادر مخطوطات سے استفادہ کیا جن میں تور پشتی کی المصابیح شرح مصابیح اہم ہے جس سے آپ نے تعلیق میں استفادہ کیا اور بعض مقامات پر سیرۃ المصطفی میں بھی حوالہ جات موجود ہیں۔ حافظ تور پشتی[2] کی یہ کتاب مصابیح کی ایک بلند پایہ شرح ہے جس کا مخطوطہ نسخہ دنیا میں صرف کتب خانہ آصفیہ میں موجود ہے۔

1936ء میں شبیر احمد عثمانی دارالعلوم دیوبند کے صدر مہتمم مقرر ہوئے۔ انہوں نے دارالعلوم میں شعبہ تفسیر کی ابتداء کی۔ مولانا شبیر احمد عثمانی نے مولانا محمد ادریس کاندھلوی کو دارالعلوم میں تفسیر پڑھانے کی دعوت دی۔ 1939ء میں دارالعلوم آئے اور یہاں پر تفسیر ابن کثیر اور تفسیر بیضاوی کے درس کے ساتھ آپ نے سنن ابوداؤد اور طحاوی کی مشکل الآثار جیسی اہم کتب پڑھائیں۔ مادر علمی سے مولانا کا یہ علمی رشتہ 9 سال تک قائم رہا اور مملکت خداداد کے بننے کے بعد ہجر کر کے پاکستان آئے۔[3]

پاکستان ہجرت

1947ء میں پاکستان معرض وجود میں آیا۔ مئی 1368ھ/1949ء میں مولانا نے پاکستان ہجرت کرنے کا ارادہ کر کے بادل ناخواست دارالعلوم دیوبند سے استعفی دے دیا۔ اس موقع پر آپ کو مشرقی پاکستان بنگلہ دیش کی جانب بحیثیت شیخ الحدیث آنے

---

[1] کاندھلوی مولانا محمد ادریس، سیرت المطفی بکنتبہ الحسن لاہور 1338ھ/-1971، ج 1 ص ۸

[2] ۔ فضل اللہ بن حسن ابو عبد اللہ شہاب الدین امر بشتی (7 پشتی) حنفی فقیہ ہیں۔ عربی اور فارسی میں کتابیں لکھیں۔ جن میں "الیسر فی شرح المصالح اتر آتی ہے۔ 661ھ/1263ء میں وفات پائی۔ کاندھلوی، عقائد الاسلام ج 5، ص 152

[3] ۔ التعلیل اصلی مفصل تعارف آپ کی تصنیفی خدمات کے ضمن میں آیا۔

کی دعوت دی گئی لیکن آپ نے مغربی پاکستان آنے کو ترجیح دی۔ دسمبر 1949ء کو مولانا اپنے اہل وعیال کو لے کر بذریعہ بحری جہاز کراچی کے لئے روانہ ہوئے۔ 21 دسمبر 1949ء کو کراچی پہنچے۔

جامعہ عباسیہ اور جامعہ اشرفیہ سے وابستگی:

پاکستان آنے کے بعد مولانا نے اپنے درس وتدریس کا سلسلہ جامعہ عباسیہ سے جاری کیا اور جامع عباسیہ میں شیخ الجامعہ کے عہدے پر فائز ہوئے۔[1] 1951ء جامعہ اشرفیہ کے مہتمم مفتی حسن کی دعوت پر لاہور تشریف لے گئے۔[2] آپ عمر کے آخری لمحات اور حیات فانی کی آخری سانس تک اسی جامعہ سے منسلک رہے اور اپنی تمام تر صلاحیتوں کو درس وتدریس میں لگاتے رہیں۔[3] مولانا کی تدریسی زندگی کا سفر 53 سالوں پر مشتمل ہیں جن میں 23 برس مولانا نے جامعہ اشرفیہ میں تدریسی خدمات سرانجام دیں۔ یہ 23 سال کا عرصہ مولانا کی زندگی کا سنہری زمانہ تھا اور مولانا کی تدریسی زندگی کا آخری مرحلہ بھی یہی جامعہ تھا۔ ۵۳ سال کی تدریسی حیات میں جو تلامذہ آپ کے علم وبرکات سے فیض یاب ہوئے ان میں چند مشہور کے نام یہ ہیں: مولانا سید اسعد مدنی، مولانا سید محمد میاں دیوبندی، ڈاکٹر رشید احمد جالندھری، مولانا حسن جان آصف، مولانا محمد یوسف بنوری، مولانا عبیداللہ انور اور مولانا سید محمد متین ہاشمی شامل ہیں۔

مولانا کی کتب

مولانا نے درس وتدریس، وعظ ونصیحت کے ساتھ ساتھ کئی ایک کتب بھی لکھیں جن میں چند ایک درج ذیل ہیں:

- ❖ تفسیر معارف القرآن، (22 پارے)
- ❖ التعلیق الصبیح علی مشکوۃ المصابیح) عربی (، 8) جلد)
- ❖ سیرت مصطفی ﷺ (4 جلد)
- ❖ الفتح السماوی بتوضیح تفسیر البیضاوی، (22 جلد/ عربی)

---

[1] ۔ صدیقی، محمد میاں، تذکیرہ، مکتبہ شانہ لاہور ہی ان کی 41-35

[2] ۔۔ صداقی عمر میں تذکیرہ کتب خانہ اور آن س 41-35

[3] ۔ برای محمد یم الزمان بندار سے بہاول پور، الفضل پبلیشر لاہور، پاکستان 1408ھ/1987ء، ص60

- احکام القرآن (جلد خامس)
- عقائد اسلام
- علم الکلام

وفات

۸رجب المرجب ۱۳۹۴ھ بمطابق ۲۸ جولائی ۱۹۷۴ء کو اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔[1] آپ کی نماز جنازہ آپ کے بیٹے مولانا محمد مالک کاندھلوی نے پڑھائی۔

مولانا عبدالرحمٰن کیلانیؒ

مولانا عبدالرحمن کیلانی مرحوم جماعت اہل حدیث کے جید عالم دین ہونے کے ساتھ اعلیٰ درجہ کے خوشنویس بھی تھے اور ان کو یہ سعادت حاصل ہوئی کہ اپنی زندگی میں ۵۰ قرآن مجید کی کتابت کی۔[2] ایک قرآن مجید کی کتابت اس طرح کی کہ تمام مکی سورتیں خانہ کعبہ میں اور تمام مدنی سورتیں مسجد نبوی میں بیٹھ کر لکھیں۔ مولانا عبدالرحمن کیلانی کا مطالعہ بہت وسیع تھا۔ تمام علوم اسلامیہ پر ان کی یکساں نظر تھی۔ آپ کے قلم سے ۸ کے قریب علمی و تحقیقی کتابیں نکل چکی ہیں۔

مولانا عبدالرحمٰن کیلانی ولادت باسعادت 1922ء کو مقام حضرت کیلیانوالہ ضلع گوجرانوالہ کے ایسے خاندان میں ہوئی جن کا آبائی پیشہ کتابت تھا۔ بچپن میں تعلیم حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ ٹیوشن پڑھا کر اور کبھی دکان کے ذریعہ اپنے والد صاحب کا ہاتھ بٹایا۔ آپ کا سلسلہ نسب یوں ہے، عبدالرحمٰن ولد نورالٰہی عبدالرحمٰن بن نورالٰہی بن امام الدین بن محمد بخش بن فیض اللہ بن ہدایت اللہ بن امان اللہ بن حاجی محمد عارف۔[3]

تعلیم اور خدمات

---

[1] ۔ کاندھلوی، محمد ادریس، تفسیر معارف القرآن، (مکتبہ المعارف شہداد پور سندھ پاکستان): ۱/۶۳تا۶۴

[2] ۔ عراقی، عبدالرشید، علمائے اہل حدیث کی تفسیری خدمات، صادو خلیل اسلامک لائبریری، فیصل آباد200ء):53

[3] ۔ ماہنامہ مطلع الفجر، لاہور، 1997ص:20

تعلیم 1933 ء میں وزیر آباد جاکر پرائمری بورڈ کا امتحان پاس کیا۔ چھٹی جماعت کوٹ ہرا ضلع گوجرانوالہ سے پڑھی۔1938۔1939ء میں جونیئر سینیئر کلاسیں وزیر آباد میں پڑھیں۔ 1941ء میں میٹرک کا امتحان پاس کیا۔1942۔1943 پھول کے دفتر لاہور میں ملازمت کی اور دینی تعلیم شروع کی۔1944ء میں انڈین ملٹری میں بطور کلرک حوالدار بھرتی ہوئے۔1947ء میں مستعفی ہو کر ادارہ فیروز اینڈ سنز سے منسلک ہوگئے۔1961ء سے کتابت کا کام شروع کیا۔اور اس کے بعد تصنیف وتالیف کا کام جاری رکھا۔[1] کتابت کے سلسلہ میں خاندان کے بہت سے لوگوں کو کتابت سکھا کر باعزت روزگار پر لگادیا۔ ۱۹۸۰ء کے بعد جب انہیں فکر معاش سے قدرے آزادی نصیب ہوئی تو تصنیف وتالیف کی طرف متوجہ ہوئے۔[2]

مرحوم نے معاشرت، معیشت، سیاست، عقائد اور جدید دینی مسائل پر تحقیق و تنقید کی اور علمی حلقوں میں داد تحسین پائی۔ان کی تصانیف میں مترادفات القرآن، آئینہ پرویزیت، شریعت وطریقت، خلافت وجمہوریت، تجارت اور لین دین کے مسائل، عقل پرستی اور انکار معجزات، روح، عذاب قبر اور سماع موتی، احکام ستر وحجاب، اسلام میں دولت کے مصارف اور الشمس والقمر بحسبان شامل ہیں۔تیسیر القرآن ان کی عمر کے آخری سالوں کی کاوش کا ماحصل ہے۔ان کا ایک اور علمی ودینی کارنامہ درس وتدریس القرآن والحدیث للبنات لاہور ہے۔ اس ادارے سے سیکڑوں کی تعداد میں لڑکیاں دینی علوم سے آراستہ ہو چکی ہیں۔25رجب ۱۴۱۲ بمطابق ۱۸دسمبر ۱۹۵۵ء کو نماز عشاء میں سجدہ کی حالت میں لاہور میں ہوا۔[3]

پیر کرم شاہ الازہریؒ

ضیاءالامت جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری صوفی وروحانی بزرگ ہونے کے ساتھ ساتھ ایک مایہ ناز مفسر، سیرت نگار، ماہر تعلیم، صحافی، صاحب طرز ادیب اور کئی بے شمار خوبیوں کے مالک تھے۔آپ کی پیدائش رمضان المبارک ۱۳۳۶ھ بمطابق ۱۹۱۸ء سوموار کی شب بعد نماز تراویح بھیرہ، ضلع سرگودھا میں ہوئی۔آپ کے والد پیر محمد شاہ ہاشمی تھے۔[4] پیر صاحب کا شجرہ نسب اس طرح ہے کہ پیر محمد کرم شاہ بن پیر محمد شاہ بن پیر امیر شاہ ویان پیر شاد بن شمس الدین شاہ ان عبداللہ شاہ ہے۔[5] آپ کی کنیت

---

[1] ۔ (ص23)

[2] ۔ کیلانی عبدالرحمٰن تیسیر القرآن (1/6۔7

[3] ۔ عبدالرشید عراقی، علمائے اہل حدیث کی تفسیری خدمات):54

[4] ۔ احمد بخش، پروفیسر، جمال کرم، ضیاء القرآن، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور، ۱۴۱۱ھ2/۱۹۹۰ء):۱/۱۵

[5] ۔ ایضاً:۱/۱۴

ابوالحسنات ہے جو آپ کے بڑے صاحبزادے پیر محمد امین الحسنات شاہ کے نام سے منسوب ہے۔

تعلیم

خاندانی پس منظر کے مطابق آپ کی ابتدائی تعلیم کا آغاز قرآن مجید سے ہوا۔ آپ کے استاد حافظ دوست محمد تھے۔ بہت سادہ مزاج طبیعت کے مالک، نہایت ملنسار، خلیق تھے۔ ذریعہ معاش جلد سازی تھا۔ ایسے عالی ہستی سے قرآن مجید کی تعلیم کا آغاز کیا۔ ان کے علاوہ حافظ مغل اور حافظ بیگ سے بھی سبق پڑھا۔

۷ سال کی عمر محمدیہ غوثیہ سے پرائمری سکول کا آغاز ہوا۔ یہ سلسلہ ۱۹۲۵ء سے ۱۹۲۹ء تک رہا۔ اس کے بعد آپ نے ۱۹۳۶ء میں گورنمنٹ ہائی سکول بھیرہ سے میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ ہائی سکول میں دوران تعلیم جن اساتذہ سے اکتساب فیض کیا ان کے نام یہ ہیں: چوہدری ظفر احمد، چوہدری جہاں داد، قاضی محمد صدیق فرمان شاہ، مخ خورشید احمد۔[1] ۱۹۴۱ء میں اورینٹل کالج لاہور میں داخلہ لیا اور فاضل عربی میں شیخ محمد عربی، رسول خان، مولانا نورالحق جیسے اساتذہ سے علم حاصل کیا۔ آپ نے ۶۰۰ میں سے ۵۱۲ نمبر لیکر پنجاب بھر میں پہلی پوزیشن لیکر فضل عربی کا امتحان پاس کیا۔[2] جب علوم عقلیہ ونقلیہ سے فراغت حاصل کی۔ اس کے بعد دورہ حدیث شریف کے لیے سیال شریف میں مولانا سید نعیم الدینؒ کے پاس ۱۹۴۲ء میں داخلہ لیا۔ اس زمانہ میں تحریک پاکستان زور پر تھی۔ صدرالافاضل بے حد مصروف تھے لیکن اس کے باوجود آپ نے کمال شفقت کا مظاہرہ کیا اور بخاری شریف مکمل اور بعض دوسری کتابیں پڑھائیں۔ تصوف اور اسلام کے معاشرتی واخلاقی نظام کے بارے میں بنیادی تعلیمات سے آگاہ کیا اور حدیث طیبہ کی باقی کتب کے اسباق مولانا محمد عمر والد گرامی اطہر نعیمی کے ذمہ لگائے۔ دونوں اساتذہ نے حد درجہ شفقتوں سے نوازا۔ استاد اور شاگرد کے درمیان حقیقی تعلق کے ادراک کا خزانہ بھی مجھے آپ کی بارگاہ ہی سے حاصل ہوا۔ ۱۹۴۳ء میں دورہ حدیث مکمل ہوا۔ آپ کے سر پر مولانا دیوان آلِ رسول اجمیری نے دستار باندھ کر سند عطا کرتے ہوئے صدرالافاضلؒ نے کہا کہ میں آج مطمئن ہوں کہ میرے پاس دینی علوم اور حدیث طیبہ کی جو امانت تھی وہ میں نے موزوں فرد تک پہنچادی۔ دور حدیث کی تکمیل کے بعد آپ بھیرہ کی طرف مراجعت فرماتے رہے۔[3]

---

[1] ۔ چشتی، شہباز احمد، داناءے راز ضیاءالامت، ضیاءالامت، ضیاءالقرآن پبلی کیشنز، لاہور ۱۴۲۳ھ/۲۰۰۲ء): ۱/۴۲

[2] ۔۔ احمد بخش، مقالات ضیاءالامت: ۱/۱۴

[3] ۔ ایضاً: 15/1

دورہ حدیث کی فراغت کے بعد آپ نے ۱۹۴۵ء میں پنجاب یونیورسٹی سے بی۔اے کا امتحان اچھی پوزیشن سے پاس کی۔ جامعہ الازہر مصر ایک بڑی یونیورسٹی ہے۔اسے قائم ہوئے ایک ہزار سال سے زائد کا عرصہ گزر چکا ہے اور ہر لحاظ اس کی قدر و منزلت میں اضافہ ہو رہا ہے۔اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ اس عظیم ترین تعلیمی ادارہ میں نظری و فکری جمود نہیں بلکہ بدلتے ہوئے حالات کے مطابق افراد تیار کرنے کی صلاحیت موجود ہوتی ہے۔اس لیے آپؒ نے ۱۹۵۱ء میں الازہر میں داخلہ لیا۔دوسرے سال قاہرہ یونیورسٹی میں ایم اے میں داخلہ لیا اور ایم اے میں نمایاں پوزیشن حاصل کیا۔الازہر سے ایم فل تخصص فی القضاء کے شعبہ میں نمایاں کامیابی حاصل کی۔ تین سال مصر میں قیام کیا۔اس کے بعد ۱۹۵۴ء سے ۱۹۵۷ء تک تدریسی و تعلیمی سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ زیادہ وقت اپنے والد کی خدمت میں گزارا جوان سالوں میں زیادہ بیار تھے۔۱۹۵۷ء میں انتقال ہوا۔[1] مصر سے واپسی پر آپ نے دارالعلوم بھیرہ شریف میں درس وتدریس شروع کی۔[2] 1981/1401ء 63سال کی عمر میں وفاقی شرعی عدالت کے جج مقرر ہوئے۔16 سال تک خدمات انجام دیتے رہے۔[3]

وفات

۹ذوالحجہ ۱۴۱۸ھ بمطابق ۷ اپریل ۱۹۹۸ء بروز منگل رات طویل علالت کے بعد آپ کا وصال ہوا۔ سجادہ نشین آستانہ عالیہ سیال شریف خواجہ محمد حمید الدین سیالوی نے نماز جنازہ کی امامت کرائی،آپ کی قبر وصیت کے مطابق دربار عالیہ امیر السالکین میں آپ کے دادا جان پیر امیر شاہ کے بائیں جانب کھودی گئی۔[4]

---

[1] ۔الازہری، مقالات ضیائے امت:17/1

[2] ۔ایضاً:35/1

[3] ۔ایضاً:38/1

[4] ۔

باب دوم

حجیت حدیث میں اردو اور عربی ادب

فصل اول: حجیت حدیث پر عربی ادب کا جائزہ

فصل دوم: حجیت حدیث پر اردو ادب کا جائزہ

فصل اول

حجیت حدیث پر عربی ادب کا جائزہ

قرآن وحدیث، فقہ و تفسیر، علم کلام اور دیگر اسلامی علوم کا منبع و ماخذ عربی زبان ہے۔اسلام کی بنیادی کتب حتی کہ قرآن کریم اور احادیث مبارکہ بھی عربی زبان میں ہیں۔ مستشرقین اور دیگر حضرات نے احادیث پر اعتراضات کیے اور مسلمانوں کے اندر حدیث کے متعلق شکوک وشبہات پیدا کرنے لگے تو ان کے رد میں سب سے پہلے عربی میں کتب لکھی گئیں۔اب جبکہ حجیت حدیث پر اردو، عربی، انگریزی غرض کئی زبانوں میں تصنیفی کام موجود ہے مگر چونکہ ان سب کی بنیاد عربی مصادر پر ہے۔اس لئے عربی کتب کا تذکرہ ناگزیر ہے جن میں سے چند ایک درجِ ذیل ہیں:

2.1 السنة و مكانتها في التشريع لاسلامي

مؤلف: ڈاکٹر مصطفی حسنی سباعی

مکتبہ: المکتب الِاسلامی نے یہ کتاب ۱۴۰۵ھجری بمطابق ۱۹۸۵ء کو شائع کیا ہے جبکہ مؤلف نے اس کا مقدمہ ۱۳۶۸ھ بمطابق ۱۹۴۹ء کو لکھا تھا۔[1] یہ بڑی ضخیم کتاب ہے جو کہ ۴۸۵ صفحات پر مشتمل ہے۔

یہ کتاب حجیت حدیث اور ردِّ استشراق کے باب میں بہت بڑا مقام رکھتی ہے۔اگر یہ کہا جائے کہ اس باب میں یہ کتاب ماخذ اور اصل کی حیثیت رکھتی ہے تو مبالغہ نہ ہوگا۔یہی وجہ ہے کہ حجیت حدیث یا حدیث پر اعتراضات کے جوابات لکھنے والا کوئی شخص اس کتاب سے مستغنی نہیں ہو سکتا۔ حجیت حدیث کے لیے اس کتاب میں بہت کچھ موجود ہے۔
یہ کتاب تین ابواب اور خاتمہ پر مشتمل ہے:

پہلا باب

سنت کے معانی اور حدیث کی وضع اور گھڑنے کی ابتداء کیسے ہوئی؟ حدیث کی حفاظت، حدیث کی صحت اور نقل میں احتیاط کے لیے جو علماء نے جدوجہد کی اور قربانیاں دیں جس کے نتیجہ میں اتنا بڑا ذخیرہ حدیث محفوظ طریقے سے امت کی طرف منتقل ہوا،

---

[1] ۔السنۃ ومکانتھا فی التشریع الاسلامی، ص: 1-44

اس کا تفصیلی ذکر کیا ہے۔[1]

دوسرا باب

سنت کو مشکوک بنانے کے لیے خوارج و روافض احادیث گھڑیں جو کہ درحقیقیت اسلام کے خلاف ایک سازش تھی۔ صاحب کتاب نے اس کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔اس کے بعد معتزلہ کی ریشہ دوانیوں کا تذکرہ کیا ہے۔ساتھ ہی ساتھ حجیت حدیث کے پرانے اور نئے منکرین کا ذکر کیا ہے۔اسی طرح خبر واحد کے پرانے اور نئے منکرین کا ذکر کیا ہے۔اور مستشرقین کا موقف بھی بیان کیا ہے۔ جس میں گولڈ تسیھر کے تیرہ شبہات بیان کیے ہیں۔اس کے بعد ایک فصل میں بعض معاصرین صاحب تصانیف حضرات کا تذکرہ کیا ہے۔معاصرین میں سے ایک علی احمد ہیں۔انہوں نے فجر اسلام کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے۔جس میں سنت کے متعلق ان کا جو موقف ہے اس کو علامہ سباعیؒ نے رد کیا ہے اور حضرت ابوہریرہؓ کے متعلق جو شبہات واعتراضات کیے ہیں ان کا رد لکھا ہے۔اسی طرح ابوریہ کی گمراہ کن کتاب ''اضواء علی السنۃ المحمدیۃ،، کے شبہات کا جواب تفصیلات کے ساتھ لکھا ہے ۔جس سے ہر قسم کے شکوک وشبہات مکمل طور پر ختم ہو جاتے ہیں۔[2]

تیسرا باب

شریعت اسلامیہ میں سنت کا جو مقام و مرتبہ ہے اس کو اس باب میں بیان کیا ہے۔سنت کا قرآن کریم سے کتنا گہرا تعلق ہے ؟اس پر بات کی ہے۔قرآن کے سنت پر مشتمل ہونے کی کیفیت کو بیان کیا ہے اور دونوں کے درمیان نسخ کی حالت کو بھی بیان کیا ہے۔[3]

خاتمہ میں: ائمہ اربعہ کا تعارف کرایا ہے اور اصحاب کتب ستہ کا بھی تعارف کرایا ہے۔[4]

2.2 تعظیم السنۃ و موقف السلف ممن عارضھا

مؤلف: عبدالقیوم سحیبانی

مکتبہ: یہ ابن قیم ریاض سے ۱۴۱۴ھ میں شائع ہوا ہے جو کہ ۵۶ صفحات پر مشتمل ہے۔

یہ ایک مختصر سا رسالہ ہی ہے۔اس میں سنت کی عظمت، حجیت اور مقام و مرتبہ کے متعلق آیات و احادیث، آثار و واقعات جمع کی گئے ہیں اور مخالفین کے لیے سلف صالحینؒ کا صرف موقف بیان کیا گیا ہے۔

---

[1] ۔ایضاً، ص:45-84

[2] ۔ایضاً، ص:125-274

[3] ایضاً، ص:376-385

[4] ۔ایضاً، ص:401

2.3 الرد علی من ینکر حجیة السنة

مؤلف: یہ کتاب ڈاکٹر عبد الغنی عبد الخالق نے لکھی ہے۔

مکتبہ: یہ کتاب مکتبہ السنۃ ریاض سے ۱۹۸۹ میں شائع ہوئی ہے۔ صفحات ۵۱۰ ہیں۔ یہ ایک ضخیم کتاب ہے۔

عالم کفر کی فکری یلغار کے بنیادی اسباب پر اس کتاب میں بحث کی گئی ہے۔ اس یلغار کے نتیجے میں حدیث و سنت پر جو زد پڑتی ہے اس کے متعلق آگاہ بھی کیا ہے۔ بلاشبہ حجیت سنت کے متعلق یہ ایک بہت عمدہ کاوش اور بہترین محنت ہے۔ یہی ان کی ڈاکٹریٹ کا مقالہ ہے۔

یہ کتاب دو مقدموں اور تین ابواب اور خاتمہ پر مشتمل ہے۔

مقدمات: دونوں مقدمات میں سنت کی معانی، مفاہیم، اہمیت و ضرورت اور حضرات انبیاء علیہم السلام کی عصمت پر بحث ہوئی ہے۔[1]

پہلا باب: حجیت حدیث کی دینی ضرورت کے متعلق ہے[2]

دوسرا باب: حجیت سنت کے متعلق دلائل پر مشتمل ہے۔[3]

تیسرا باب: حجیت حدیث پر وارد شبہات اور ان کے جوابات کے متعلق ہے۔

خاتمہ: سنت کے قرآن کریم سے تعلق اور اس کے متعلقہ مباحث پر مشتمل ہے۔

کتاب اپنی عمدہ پیش کش اور بحث و استدلال میں طویل ہونے کی وجہ سے ممتاز ہے۔

2.4 حجية السنة و مصطلحات المحدثين و اعلامهم

مولف: عبد المتعال محمد الجبري نے لکھی ہے۔

ناشر: یہ کتاب وہبہ لائبریری سے پہلی مرتبہ ۱۴۰۷ھ بمطابق ۱۹۸۶ء کو شائع ہوئی ہے۔ یہ ۲۳۱ صفحات پر مشتمل ہے۔

کتاب ھذا میں سنت کی حجیت، محدثین کی اصطلاحات اور ان کے ناموں کے ساتھ ساتھ سند حدیث، متن حدیث سے متعلق بحث کی گئی ہے۔ حدیث پر عمل کرنے کی ضرورت، سنت کی نقل وغیرہ کے بارے میں تفصیلی بحث موجود ہے۔

2.5 الحديث حجة بنفس العقائد و الاحكام

مؤلف: شیخ ناصر الدین البانی

1

2

3

ناشر: مکتبہ معارف ریاض سے ۱۴۲۵ھ بمطابق ۲۰۰۵ء کو شائع ہوی ہے۔

علامہ البانی نے سنت کی قدر و منزلت، سنت کے خلاف کام اور سنت کی مخالفت کا رد لکھا ہے۔ حدیث آحاد کی عدم حجیت والوں کا رد لکھاہے جو کہ کہتے ہیں کہ خبر واحد عقائد میں حجت نہیں پھر مسئلہ تقلید پر بھی بحث کی ہے۔

2.6 مكانة السنة في الاسلام

مصنف: ڈاکٹر محمد ابوزہوؒ

ناشر: دارالکتاب العربیہ سے ۱۴۰۴ھ بمطابق ۱۹۸۴ء میں شائع ہوئی ہے۔ ۱۴۰ صفحات پر مشتمل ہے۔

منکرین سنت کے اعتراضات اور شبہات کو اجمالاً بیان کیا ہے۔ اور اسی طرح خبر واحد کے واجب العمل کو نہ ماننے والے شبہات پر بھی بحث کی ہے۔ متشرقین نے حضرت ابوہریرہؓ پر جو الزامات حافظے کی کمزوری، آخری تین سالوں میں اسلام لانے کے باوجود اتنی روایت بیان کرنے اور اس طرح کی دوسری باتوں کو بنیاد بنا کر لگائے ہیں، ان کا رد کیا ہے۔ بعض ائمہ نے بعض احادیث پر عمل نہیں کیا۔ اس شبہات کا جواب بھی دیا ہے اور رد بھی لکھا ہے۔

1.6 مكانة السنة في التشريع الاسلامي

مؤلف: ڈاکٹر لقمان سلفی

ناشر: دارالوعی سے ۱۴۲۰ھ بمطابق ۱۹۹۹ء میں شائع ہوئی ہے۔ ایک ہی جلد میں ہے جس کے ۳۷۵ صفحات ہیں۔

مولف نے اپنی کتاب کو ایک مقدمہ، چار ابواب اور خاتمہ پر محیط کیا ہے۔

مقدمہ میں تو سنت کی شریعت اسلامیہ میں کیا حیثیت اور اہمیت ہے اور احکام کی تشریع میں کیا مقام و مرتبہ ہے ؟ کو وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے۔

پہلے باب میں حجیت سنت کے دلائل دیئے ہیں۔

دوسرے باب میں قرآن کریم میں سنت کا جو کہ مقام و مرتبہ ہے، اسے بحث کی ہے۔

تیسرے باب میں خبر واحد اور اس کی حجیت پر بحث کی ہے۔ اسی طرح حدیث مرسل اور روایت بالمعنی سے بحث کی ہے۔

چوتھے باب میں تدوین سنۃ، وضع فی الحدیث کا مسئلہ، انکار سنت کے نئے اور پرانے فتنوں سے بحث کی ہے۔ اس کے بعد مستشرقین نے جو شبہات اٹھائے ہیں ان کو ذکر کیا ہے پھر تفصیل کے ساتھ ان کا رد بھی لکھا ہے۔ پھر ایک فصل ان لوگوں کے لیے قائم کی ہے جو کہ عصر حاضر میں سنت کے منکرین ہیں اور دشمن ہیں۔ انہوں نے ان میں احمد امین اور ابوریہ کو بھی شامل کیا ہے۔ پھر آخر میں کتاب کا خاتمہ لکھا ہے۔ جس میں کتاب و سنت کی طرف رجوع کرنے کی دعوت دی ہے۔

فصل دوم

حجیت حدیث پر وردو ادب کا جائزہ

حدیث بھی وحی کی ایک قسم ہے، جس کا ماننا اور اس پر عمل پیرا ہونا از حد ضروری ہے، جس کا انکار گمراہی، دین بیزاری کے ساتھ ساتھ دنیا و آخرت کی رسوائی کا باعث ہے۔ دنیا کے دوسرے خطوں کی طرح برصغیر پاک و ہند میں بھی لوگوں نے حدیث کا انکار کیا جو کہ مسلمانوں کے عقائد و نظریات پر اثر انداز ہونے لگا۔ جس وجہ سے حجیتِ حدیث، عظمت و اہمیتِ حدیث، تاریخ حدیث جیسے مختلف موضوعات پر لٹریچر کی تیاری میں بڑی تیزی سے اضافہ ہوا۔ ایک طرف ردِّ حدیث میں لوگ ورق سیاہ کرتے رہے، حدیثِ نبوی ﷺ کے بارے میں شکوک و شبہات اور اعتراضات پھیلانے کے لئے رسائل و جرائد میں مضامین اور کتابیں پھیلائی گئیں۔ دوسری طرف اس کے بالمقابل حدیثِ رسول کی حجیت کے قائل اہل علم حضرات نے ان کی تردید میں لکھا اور خوب لکھا۔ رسائل و جرائد میں مضامین کے علاوہ اعلیٰ تحقیقی معیار پر کتابیں تحریر کی گئیں۔ جن میں سے کچھ درجِ ذیل ہیں:

2.1 حفاظت و حجیتِ حدیث

مؤلف: مولانا محمد فہیم عثمانیؒ، سن اشاعت: 1979ء، ناشر: دار الکتب مسجد مقدس، دھوبی منڈی، پرانی انار کلی، لاہور۔ صفحات: 592

مولانا موصوف کی پیدائش 1935ء میں دیوبند میں ہوئی۔ پاکستان ہجرت کرنے کے بعد اعلیٰ تعلیم جامعہ پنجاب سے حاصل کی۔ آپ نے اسلام اور سوشلزم، مسائل نماز و زکوٰۃ پر انگریزی میں اہم رسائل لکھے۔ مصنف نے 1985ء میں لاہور میں وفات پائی۔[1] ان کے زمانہ میں منکرین حدیث کی سرگرمیاں زیادہ بڑھ گئی تھیں۔ ان حضرات کی رد حفاظت و حجیت حدیث کے موضوع پر جمع کے خطبات دئے جن کو بعد مداحین نے اصرار پر کتابی شکل دے دی گئی۔ کتاب مجلد اور عمدہ سرورق سے مزین ہے۔ لائبریریوں عام دستیاب ہے۔

کتاب بنیادی طور پر **دو اجزاء** پر مشتمل ہے۔ جزاول **حفاظت حدیث** کے متعلق جبکہ جزدوم **حجیت حدیث** سے متعلق ہے۔ آغاز میں عرض ناشر کے بعد حرف اول کے تحت مصنف نے حدیث کی اہمیت، فتنہ انکار حدیث کی مختصر تاریخ، اس کی تردید میں لکھے جانے والے تحریری مواد کا تعارف، کتاب کی وجہ تالیف اور ماخذ و مصادر ذکر کیے ہیں۔

جزاول:

---

[1] ۔ صدیقی۔ محمد سعد: **علم حدیث اور پاکستان میں اس کی خدمت**، ص: 287

اس جز میں حفاظت حدیث کو ذیلی عناوین کے ذریعے واضح کیا ہے۔ **عنوان اول** حدیث کا انکار اور منکرینِ حدیث ہے۔ جس کے تحت قدیم منکرین کے طرز عمل کا موازنہ، ان کی منافقانہ روش، انکار حدیث کی وجوہات اور منکرین کے اعتراضات کو رفع کیا گیا ہے۔ **عنوان دوم** حدیث اور حفاظت خداوندی ہے۔ جس میں قرآن کی معنوی تشریح، حفاظت حدیث کو بیان کیا گیا ہے۔ جس میں حفاظت حدیث کا وعدہ الٰہی میں شامل ہونے کے ساتھ ساتھ صحابہ کی آیات قرآنیہ کی توضیح میں احادیث کی طرف رجوع اور حفاظت حدیث کے مراحل ذکر کیے گئے ہیں۔ **عنوان سوم** حدیث کے بغیر قرآن فہمی کے تحت منکرین کے اس دعوی کا ابطال کیا گیا ہے کہ قرآن کے معانی و مطالب جس طرح نبی ﷺ نے اپنے زمانے اور حالات کے مطابق سمجھے اور سمجھائے، اسی طرح آنے والے زمانوں میں لوگ انہیں اپنے اپنے زمانے اور اپنے حالات کے مطابق رسول اللہ ﷺ کی حدیث وسنت کی روشنی میں سمجھیں۔ **عنوان چہارم** میں حفاظت حدیث اور صحابہ کرامؓ کا ذکر ہے، منکرین نے یہ اعتراض کیا ہے کہ احادیث تقریباً آنحضور ﷺ کے دو سو سال بعد مدون ہوئی ہیں۔ اس لیے یہ ہمارے دین میں معتبر نہیں ہیں، اس حصہ میں ان کے اس اعتراض کی تردید کی گئی ہے۔ اس سلسلہ میں قوت حفظ کا ایک معتبر ذریعہ ہونا، صحابہ کرامؓ کا قرآن کریم کی طرح حدیث کے حفظ کا اہتمام کرنا، عربوں اور صحابہؓ کے غیر معمولی قوت حافظہ، اس کے عوامل اور صحابہؓ کا شغف حدیث کو بیان کیا ہے۔ **عنوان پنجم** کتابت حدیث اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعینؓ میں منکرین کے زعم کا ابطال کیا گیا ہے کہ عہد جہالت میں عرب فن کتابت سے ناآشنا تھے اور ان کے ہاں آلات کتابت کی کمی تھی۔ اس ضمن میں عہد رسالتمآب ﷺ میں کتابت حدیث کا آغاز، ممانعت کتابت والی روایات کی توضیح، اس کے اسباب، صحابہ کرامؓ کے تحریری سرمائے، حضرات شیخینؓ کی قلت روایت کے اسباب (جس کی وجہ دین کی بیناتی اور غیر بیناتی حصوں میں تفاوت برقرار رہے اور حضور کی طرف کوئی غلط بات منسوب نہ ہو جائے، وغیرہ) اور ان کے ہاں حدیث کا حجت ہونا ذکر کیا گیا ہے۔ **عنوان ششم** حفاظت حدیث اور خلفائے راشدینؓ کے تحت خلفائے ثلاثہؓ کی تقلیل روایت اور حضرت علیؓ کی تکثیر روایت کا مبنی پر مصلحت ہونا بیان کیا ہے اور حفاظت حدیث میں ان کی خدمات قلمبند کی ہیں۔ **عنوان ہفتم** حفاظت حدیث اور تابعین و تبع تابعین میں حفاظت حدیث کے ضمن میں ان کی خدمات ذکر کی گئی ہیں۔

جز دوم:

یہ جز حجیت حدیث کے متعلق ہے، یہ بھی متعدد عناوین پر مشتمل ہے۔ **عنوان اول** میں قرآن کی جامعیت کے تحت قرآن کی جامعیت کا مفہوم، حجیت حدیث اور منکرین کے اعتراضات کی تردید کی گئی ہے۔ **عنوان دوم** میں حدیث کی تشریعی حیثیت میں نفس مضمون کے اعتبار سے اقسام حدیث کی حجیت ثابت کی گئی ہے۔ منکرین حدیث کے اعتراضات بیان کیے گئے ہیں جو کہ یہ ہیں: 1۔ لفظ رسول سے مراد قرآن ہے، 2۔ اطیعوا الرسول سے مراد کی اللہ کی اطاعت کرنے میں رسول کی موافقت اختیار کرنا ہے۔ 3۔ اطاعت رسول کا حکم آپ ﷺ کی حیات تک محدود تھا وغیرہ کی تردید، وحی کی مختلف صورتیں، وحی خفی کا منزل من اللہ

ہونااور صحابہ کے ہاں حدیث کی تشریعی ۔حیثیت۔ **عنوان سوم** خبر واحد کی حجیت پر مشتمل ہے۔اس میں متعدد ٹھوس شواہد کے ذریعے خبر واحد کا حجت ہوناثابت کیا گیاہے۔ **عنوان چہارم** منصب رسالت اور مرکز ملت کا تصور کے تحت منکرین کے اعتراضات درج کیے گئے ہیں: 1۔ حضور علیہ السلام کی ذمہ داری صرف بندوں تک قرآن پہنچادیناہے۔ حضور ﷺ دو حیثیتوں کے حامل تھے ؟بحیثیت رسالت آپ ﷺ پر ایمان لاناضروری تھااور آپ ﷺ کی اطاعت کا وجوب صرف امام کی حیثیت سے تھا،رسالت کی حیثیت سے نہیں۔،2۔قرآن میں جہاں اطاعت رسول کا حکم دیا گیاہے اس سے مراد مرکز ملت کی اطاعت ہے۔ان کی تردید کی گئی ہے۔ **عنوان پنجم** بے بنیاد اعتراضات اور ان کا تجزیہ ، منکرین کے درجِ ذیل اعتراضات ہیں: 1۔احادیث نبویہ کا موجودہ ذخیرہ موضوع روایات کی کثرت کی وجہ سے ناقابل اعتبار ہے۔،2۔ بعض احادیث مخالف عقل ودرایت ہیں۔ 3۔اکثر احادیث باہم متعارض ہیں۔،4۔ بعض احادیث عریاں مضامین پر مشتمل ہیں۔،5۔اکثر احادیث کی روایت بالمعنی ہے۔اس لیے حجت نہیں۔، 6۔امام ابو حنیفہ کے ہاں سترہ یااٹھارہ احادیث قابل اعتبار ہیں، کی تردید سے متعلق ہے۔

اسلوب

1) فہرست مضامین دی گئی ہے۔

2) مصنف نے ابواب بندی کے بغیر مختلف عناوین کے تحت مندرجات کی وضاحت کی ہے۔

3) آیات واحادیث معرب، مترجم اور بحوالہ ہیں۔احادیث کے حوالہ میں عموماً صرف کتاب کا نام ذکر کیا گیاہے۔ عربی کے اقتباسات نقل کرنے کااہتمام کیا گیاہے۔حوالہ جات زیادہ تر عبارت کے ساتھ درج ہیں۔

4) قابلِ توضیح نکات کی وضاحت حواشی میں کی گئی ہے۔

5) عربی، فارسی اور اردو اشعار سے استفادہ کیا گیاہے۔

6) منکرین کے اعتراضات کی تردید دلائل نقلیہ اور عقلیہ کی روشنی میں کی گئی ہے۔

7) کتاب کے آخر میں فہرست مصادر موجود ہے۔

خصوصیات

1) یہ کتاب اپنے موضوع میں مکمل احاطہ کرنے والی ہے۔اس میں منکرین کی جانب سے حفاظت حدیث کو مشکوک بنانے اور حجیت حدیث کو مضمحل کرنے کی خاطر پیش کیے جانے والے اعتراضات کی مسکت اور اطمینان بخش جوابات دیئے گئے ہیں۔

2) منکرین کے اعتراضات کہ قرآن فہمی کے لیے حدیث کی ضرورت نہیں، کی ترید مصنف نے بڑے اچھے انداز سے یوں کی ہے کہ پیغمبر کی رہنمائی کے بغیر انسان عقل و فہم کی محدودیت اور فقدان کی وجہ سے قرآن کے معجزانہ، اصولی اور کلی جملوں سے نکلنے والے دقائق وحقائق کاادراک کرنے سے قاصر ہے مزید یہ کہ ان سے مقصود صرف قرآن کے مطالب ومفاہیم سے آگاہی نہیں بلکہ

ان احکام کے مطابق زندگی ڈھالنا ہے۔اس کے لیے عملی نمونہ یعنی حدیث کا ہونا ناگزیر ہے، بالکل اسی طرح جیسے سائنسی علوم پر اس وقت تک مکمل دسترس حاصل نہیں ہوسکتی جب تک عملی طور پر ان سے استفادہ نہ کیا جائے اور ان کو استعمال ہوتے ہوئے نہ دیکھ لیا جائے چنانچہ موصوفؒ نے ثابت کیا ہے کہ حدیث کے بغیر نہ قرآنی مفاہیم سے آگہی ہوتی ہے، نہ قرآن میں بیان کردہ واقعات کی تفصیل ملتی ہے اور نہ ہی ارکان اسلام پر عمل پیرا ہوا جاسکتا ہے۔ گویا حدیث کے بغیر دین نامکمل ہے۔

3) خبر واحد کی حجیت کو دلائل نقلیہ اور عقلیہ کی روشنی میں بالتفصیل بیان کیا ہے۔

4) منکرین کا اعتراض یہ ہے کہ خدا نے صرف قرآن کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے۔اس اعتراض کی تردید کرتے ہوئے مصنف نے ٹھوس شواہد سے ثابت کیا ہے کہ ﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ (٩)﴾ میں "ذکر" کا اطلاق قرآن و حدیث دونوں پر ہوتا ہے۔

5) ڈاکٹر سعد صدیقی نے علم حدیث اور پاکستان میں اس کی خدمت میں کتاب ہذا سے استفادہ کیا ہے۔

ماخذ و مصادر

کتاب کے ماخذ و مصادر بنیادی وثانوی دونوں ہیں۔ان میں تہذیب التہذیب، جامع بیان العلم ،تذکرۃ الحفاظ، لسان المیزان، تدریب الراوی، توجیہ النظر، السنۃ قبل التدوین، تدوین حدیث از مناظر احسن گیلانی وغیرہ شامل ہیں۔

تجزیہ

1) عربی اقتباسات واحادیث کا حوالہ دینے کا انداز تحقیقی معیار پر پورا نہیں اترتا۔

2) فہرست مصادر میں کتب کے نام حروف تہجی کی ترتیب ملحوظ رکھے بغیر درج ہیں اور ان کے حوالے نامکمل ہیں۔

2.2 سنت نبویہ اور قرآن کریم

حضرت مولانا حبیب اللہ مختارؒ، سن اشاعت 1993ء، ناشر: مجلس دعوت و تحقیق، کراچی۔۔۔ صفحات:260

حدیث و سنت کی اہمیت کے پیش نظر جامعۃ العلوم الاسلامیہ میں 1383ھ کے دوران مولانا محمد ادریس میر ٹھیؒ کے زیر نگرانی تخصص فی علوم الحدیث کا شعبہ قائم کیا گیا۔ کتاب ہذا مصنف کا اسی شعبہ کے زیر نگرانی تحریر کردہ مقالہ ہے۔ جس میں قرآن کریم سے سنت کی اہمیت اور حجیت ثابت کی گئی ہے۔اس کی افادیت کے پیش نظر اسے کتابی صورت میں شائع کیا گیا ہے۔ زیر استعمال نسخہ اس کی اشاعت دوم ہے۔ تمہید میں مصنف نے بعثت نبوی کے وقت عربوں کی حالت زار، بعد ازاں بپا ہونے والا انقلاب عظیم، معتزلہ، زنادقہ، ملاحدہ اور مستشرقین کے فتنہ انکار حدیث کے مقاصد، قدیم اور جدید منکرین کے اعتراضات کی نوعیت میں فرق اور اس فتنہ کی تردید میں لکھی جانے والی ابتدائی کتب بیان کی ہیں۔ کتاب میں مصنف نے ثابت کیا ہے کہ دین کا اصل مدار وحی متلو

(قرآن) یا کسی کتاب کے نازل ہونے پر ہی نہیں بلکہ اس وحی پر بھی ہے جو خدا اپنے نبی پر نازل فرماتے ہیں۔ نیز اطاعت رسول کی فرضیت، حضور ﷺ کے فرائض منصبی، قرآن و سنت کا باہمی تعلق، احادیث مبارکہ کا قرآن سے ماخوذ ہونا اور بحیثیت حاکم اعلیٰ اور شارع آپ ﷺ کے فرائض ذکر لیے گئے ہیں۔ بعد ازاں منکرین حدیث کی استدلال میں پیش کردہ آیات کی توضیحات اور ان کے اعتراضات کی تردید کی گئی ہے۔ خاتمہ میں سنت کے لغوی، شرعی اور اصطلاحی معانی اور قرآنی استعمالات بیان کیے گئے ہیں۔

اسلوب

1) فہرست مضامین دی گئی ہے۔

2) مصنف نے ابواب و فصول بندی کے بغیر مختلف عناوین کی وضاحت کی ہے۔

3) آیات و احادیث معرب، مترجم، اور بحوالہ ہیں نیز عربی اقتباسات نقل کرنے کا اہتمام کیا گیا ہے۔

4) حوالہ جات حواشی میں مندرج ہیں۔

5) عربی، فارسی اور اردو اشعار سے استدلال کیا گیا ہے۔

6) کتاب کے آخر میں مروجہ تحقیقی اصولوں کے مطابق فہرست مصادر دی گئی ہے۔

خصوصیات

1) کتاب ہذا اپنے عنوان سے متعلق تفصیلی اور منفرد ہے۔ اس میں حجیت سے متعلق آیات کی تشریح و توضیح میں ائمہ حدیث اور ائمہ فقہاء کرامؒ کے اقوال بھی مندرج کیے ہیں۔ البتہ اصل استدلال کا مدار قرآن کریم ہی ہے۔

2) مصنف نے بڑے اچھے انداز میں یہ ثابت کیا ہے کہ ہر نبی کا صاحب کتاب ہونا ضروری نہیں اور جب تک کتاب نازل نہ ہو ، رسول کی سنت ہی احکام شریعت کا اولین ماخذ ہو گی اور سنت اس بات کی محتاج نہ ہو گی کہ کتاب اللہ نازل ہو کر اس کی تصدیق کرے ۔ غرض سنت پر عمل پیرا ہوئے بغیر دین پر عمل ناممکن ہے نیز یہ کہ ایمان باللہ کے معتبر ہونے کے لیے ایمان بالرسول نہایت ضروری ہے۔

3) نبی کریم ﷺ کا قرآن پاک کی تبیین (بطریق اجتہاد و قیاس) کو بڑی اچھی طرح واضح کیا گیا ہے۔

4) منکرین کے اعتراض یہ ہے کہ چونکہ حضور ﷺ نے حدیث لکھنے سے منع فرمایا۔ اس لیے حدیث حجت نہیں، اس اعتراض کی پورے شدومد کے ساتھ تردید کی گئی ہے۔

5) کتاب کی فہرست مضامین تفصیلی طور پر تیار کی گئی ہے۔ اس میں ذیلی سرخیوں کو بھی درج کیا گیا ہے جو کسی موضوع کے تحت آئی ہیں۔

6) کتاب کا بار بار شائع ہونا یہ اس کی اہمیت کا ایک پہلو ہے۔

7) طباعت کی اغلاط نہ ہونے کے برابر ہیں۔

ماخذ و مصادر

مصنف نے اپنی کتاب میں زیادہ تر استفادہ تفسیر ابن کثیر، تفسیر طبری، الدر المنثور، تفسیر المراغی، بحر المحیط، اعلام الموقعین، کتاب الام، الرسالۃ، الکفایہ فی علم الروایۃ، الموافقات اور الاتقان فی علوم القرآن سے کیا ہے۔

2.3 صحیح مقام حدیث

علامہ فضل احمد غزنویؒ۔ سن اشاعت: 1966ء، ناشر: مکتبہ سبحانی، شیش محل روڈ، لاہور۔۔ صفحات حصہ اول: 328 ،دوم: 245، مصنف کا تعلق صوبہ سندھ ہے۔ انہوں نے سندھی میں دو درجن کے قریب کتب لکھیں جن میں ایک سیرت النبی ﷺ بھی ہے۔[1] موصوف ایک علمی شخصیت تھے۔ ان کے پاس تیسری صدی ہجری سے لے کر 1954ء تیرھویں صدی ہجری کے آخر تک صحاح ستہ اور تیسری و چوتھی صدی ہجری میں لکھی جانے والی احادیث موضوعہ کے تمام نسخے موجود تھے۔[2] کتاب ہذا غلام احمد پرویز کی کتاب "مقام حدیث" کے جواب میں لکھی گئی ہے۔ اور جن مباحث سے مصنف کا اتفاق تھا۔ ان کو زیر بحث نہیں لایا گیا ہے۔ کتاب دو حصوں میں ہے مگر دونوں حصے ایک ہی مجلد میں ہیں۔

حصہ اول

اس حصہ کی تمہید میں پرویز کے افکار اور ان کی علوم اسلامیہ سے بے بہرگی ذکر کی گئی ہے۔ کتاب میں مختلف عنوانات دئے گئے ہیں جیسا کہ پرویز کی دورنگی (کہ قرآن کی تصدیق سے متعلق تو احادیث کو حجت مانتے ہیں لیکن جب یہی احادیث حجیت حدیث کے متعلق پیش کی جائیں تو انہیں رد کرتے ہیں)، مختلف پہلوؤں کے اعتبار سے حدیث کی اہمیت، منکرین کے ہاں چند آیات قرآنیہ کے مفاہیم، وضو، نماز پنجگانہ، لیلۃ القدر، ماہ رمضان، زکوٰۃ، کعبہ، باب کعبہ اور خانہ کعبہ کے سات طواف کرنے سے متعلق اختیار کردہ توجیہات اور قرآن کی موجودہ ترتیب وغیرہ۔ ان سب کے بارے میں ان کی ایسی رائے نقل کی ہے کہ جس سے ان کے ہاں حدیث کی حجیت اور اس کا وحی ہونا ثابت ہوتا ہے۔ مصنف نے اس بات کی وضاحت بھی کی ہے کہ اگر حضور ﷺ سے کوئی ایسا عمل سرزد ہو جاتا جو ان کی ذاتی رائے پر منحصر ہوتا۔ جب منشائے خداوندی کا مقتضاء کچھ اور ہوتا تو حضور ﷺ کو معاً تنبیہہ کر دی جاتی نیز بتقاضائے بشری آپ ﷺ کے جو بھی اعمال، افعال یا اقوال ہیں وہ امت پر فرض نہیں۔ پھر آپ کی بشری و نبوی دونوں حیثیتوں کو بیان کرنے کے بعد یہ ثابت کیا ہے کہ مجتہدین و مفسرین کے لیے ان دونوں کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ بعد ازاں غلام احمد پرویز کے

---

[1] ۔۱۶ ماخوذ از ماہنامہ **محدث**، (مجلس التحقیق الاسلامی 99ج ماڈل ٹاؤن، لاہور)۔18/2

[2] ۔ایضاً: 88/2

ایسے نظریات بیان کیے گئے ہیں جن کے متعلق قرآن خاموش ہے اور صرف احادیث سے ان کی تائید ہوتی ہے۔ حفاظت وکتابت حدیث سے متعلق ان کے اعتراضات کی تردید کی گئی ہے۔ آخر میں ایک سو انیس آیات مبارکہ اور پینتیس احادیث کے ذریعے حدیث کا وحی، حجت اور ماخذ دین ہونا ثابت کیا ہے۔

حصہ دوم

یہ حصہ تدوین حدیث سے متعلق ہے۔اس میں آیات قرآنیہ کی روشنی میں امت محمدیہ کی حفاظت حدیث کے لیے کی گئی کاوشوں کا منشاء الٰہی پر مبنی ہونا، کتابت حدیث سے متعلق اعتراضات کی تردید اور ان کے ہاں حدیث کی حجیت، مکثرین بالخصوص حضرت ابوہریرہؓ کا تفصیلی تعارف، کتابت وتدوین حدیث کے سلسلے میں تابعین عظام کی کاوشیں، جلیل القدر تابعین کے حالات زندگی، تبع تابعین کے دور میں لکھی جانے والی کتب کی فہرست، ائمہ اربعہ، ائمہ صحاح ستہ اور امام دارمی کا مختصراً تعارف وغیرہ جیسے موضوعات شامل ہیں۔ تتمہ میں جلد دوم کے مباحث پر سرسری نظر ڈالی گئی ہے۔ آخر میں غلام احمد پرویز کے حدیث کے بارے میں 1935ء اور 1955ء کے نظریات کا تضاد بیان کیا گیا ہے کہ انہوں نے پہلے مولانا مودودی کے مضمون اتباع واطاعت رسول کے جواب میں احادیث نبویہ کو حجت، ماخذ واصول دین حتی کہ آپ ﷺ کی اطاعت دینی قیامت تک ہونے کا اقرار کر لیا اور 1944ء میں ان سب سے منکر ہوگئے، مصنف نے مذکورہ حوالہ اس لیے دیا ہے کہ انہیں پرویز کے مواد کا علم 1954ء میں ہوا وگرنہ اس بات کا صحیح علم نہیں ہے کہ پرویز پہلے (1935ء کے) میں بھی ایسے اعمال اور عقائد ارتکاب اور ذکر کر چکا تھا۔

اسلوب

1) فہرست مضامین نہیں دی گئی۔

2) آیات قرآنیہ اور احادیث مترجم لیکن مکمل حوالوں کے بغیر ہیں۔ عربی کتب کے اقتباسات کا اہتمام نہیں ہے۔ حوالہ جات عبارت کے ساتھ ہی درج ہیں۔

3) فارسی اور اردو اشعار بھی بطور استدلال موجود ہیں۔

4) پرویز اور دیگر منکرین کے اعتراضات کا رد دلائل نقلیہ اور عقلیہ سے کیا گیا ہے۔

5) مصنف نے سخت الفاظ کا استعمال بھی کیا ہے مثلاً پرویز کو عیار، چالاک، دجال اور ابلیس کہا ہے۔

6) عبارت میں جہاں وضاحت درپیش ہوا سے بین القوسین اپنے نام کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

7) فہرست مصادر موجود نہیں۔

خصوصیات

1) مصنف نے آیات بینات سے ثابت کیا ہے کہ احادیث نبویہ بھی قرآن ہی کی طرح محفوظ اور ان کا مرتبہ وجوب عمل میں اس کے مثل ہے اور حضور ﷺ کو قرآن کے علاوہ اسی کی مانند وحی بھی دی گئی ہے۔ لہٰذا احادیث حجت دین، ابدی اور اسلام کا دوسرا ستون ہیں۔

2) مصنف نے دلچسپ اسلوب اختیار کرتے ہوئے پرویز کی عبارات نقل کی ہیں جن سے خود ان کا حدیث کا معترف ہونا ثابت ہوتا ہے۔ مثلاً مصنف نے ایک مقام پر ان کا اعتراف نقل کیا ہے کہ روایات سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ قرآن کریم کے علاوہ کچھ اور متفرق چیزیں بھی حضور ﷺ کے ارشاد کے مطابق قلمبند ہوئی تھیں مثلاً تحریری معاہدات، احکام و فرامین وغیرہ جو حضور ﷺ نے قبائل یا اپنے عمال کے نام بھیجے۔[1]

3) حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کرنے والے ایک سو تین (103) اصحاب کے اسمائے گرامی بھی اس کتاب میں درج کیے گئے ہیں۔ یہ اس کتاب کی اہم خوبی ہے۔

4) مصنف نے حجیت حدیث کو بانگ دہل بیان کرتے ہوئے منکرین کو چیلنج کی ہے۔ جس میں دفاع حجیت حدیث کے حوالے سے زیادہ پر اعتماد دکھائی دیتے ہے مثلاً ایک مقام پر مصنف اس طرح لکھتے ہیں:

- آؤ اور آج ایک بھی ایسی حدیث دکھلاؤ جو موضوع ہو اور ہماری کتب موضوعات میں موجود نہ ہو تو ہم تمہارے دعاوی مان لیں گے۔[2]
- صحیح بخاری، صحیح مسلم اور مؤطا امام مالک سے ایک بھی ایسی حدیث موضوع ثابت کر دو تو ہم آپ کی دعاوی مان لیں گے۔[3]

ماخذ و مصادر

مصنف نے اس کتاب میں تہذیب التہذیب، طبقات ابن سعد، تذکرۃ الحفاظ اور الاکمال فی اسماء الرجال سے استفادہ کیا ہے

تجزیہ

حوالہ دینے کا معیار تحقیقی نوعیت کا نہیں۔ مصنف نے حوالہ جات میں صرف کتاب کا نام ذکر کیا ہے۔ نیز فہرست مصادر بھی موجود نہیں ہے۔

2.4 ضرورت حدیث

---

[1] ۔ ایضاً: 76/1

[2] ۔ ایضاً: 31/2

[3] ۔ ایضاً: 33/2

مصنف: صدر الدین، سن اشاعت: 1955ء، ناشر: احمدیہ انجمن اشاعت اسلام، احمدیہ بلڈنگس، لاہور۔۔۔ صفحات: 316

اس کتاب کو منکرین کے درجِ ذیل اعتراضات کی تردید میں تحریر کیا گیا ہے۔ 1۔ حدیث کو تاریخی حیثیت کے سوا کسی قسم کا دینی مرتبہ نہیں دیا جا سکتا۔ 2۔ اللہ اور رسول سے مراد مرکز ملت کی اطاعت ہے۔ آپ کی اطاعت آپ کی حیات تک محدود تھی ۔اب طاعت رسول کا اطلاق مرکز ملت کی اطاعت پر ہو گا۔ 3۔ حضور اکرم ﷺ کی اطاعت بحیثیت صدر یا بطور مرکز ملت کے تھی۔ اب ان کی جگہ مرکز ملت کی اطاعت کرنا مسلمانوں پر فرض ہے۔ مرکز ملت کے لیے حدیث کی پابندی کرنا ضروری نہیں بلکہ وہ پیش آمدہ صورتحال کے لحاظ سے نیا طریق اختیار کرنے کی مجاز ہو گی اور کوئی شخص اس پر اعتراض نہیں کر سکے گا۔ حضور اکرم ﷺ اور ان کے خلفاء کا طریق کار ہمارے لیے صرف قانونی نظائر کی حیثیت رکھتا ہے۔ اور جس کا ہائی کورٹ کے فیصلے کسی کو قانون کی نئی تشریح کرنے سے مانع نہیں ہوتے اسی طرح حدیث قانون ساز اسمبلی کو نئے فیصلے دینے سے نہیں روک سکتی۔ 4۔ حضور اکرم ﷺ کے مرتب کردہ قوانین صرف عرب قوم کے لیے خاص تھے۔ 5، آیت مبارکہ اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول والی الامر میں اللہ اور رسول کی اطاعت غیر مشروط جبکہ اولی الامر کی اطاعت مشروط ہے۔[1]

کتاب چار حصوں میں منقسم ہے۔ دیباچہ میں منکرین کے نظریات کی تردید اور وجہ تالیف بیان کی گئی ہے۔ حصہ اول میں حجیت حدیث کو درج ذیل پہلوؤں سے ثابت کیا گیا ہے۔ 1۔ قرآن حضور کی قبل اور بعد از نبوت حیات مبارکہ کے مطالعہ اور آپ کی اطاعت کا حکم دیتا ہے۔ 2. آپ کے اسوہ اور خلق عظیم سے آگاہی کا ذریعہ احادیث ہی تو ہیں۔ 3۔ غزوات بنوی اور فتح مکہ سے متعلق تمام تفصیلات احادیث ہی میں ملتی ہیں۔ نیز بہت سی آیات ایسی ہیں جن کے احکام و مفاہیم کی آگاہی صرف احادیث کے ذریعے ممکن ہے۔

حصہ دوم میں حضور اکرم ﷺ کی پیشن گوئیوں اور رؤیا و خواب پر مبنی احادیث کو بیان کیا گیا ہے۔ منکرین کا ایک گروہ ایسی احادیث کو قابل حجت نہیں سمجھتا۔ ان حجیت کے ضمن میں مصنف نے ایسی احادیث بھی بیان کی ہیں جن میں غلبہ روم، بنی اسرائیل و عیسائیوں کی تباہی اور دیگر پیشینگوئیاں ذکر کی گئی ہیں اور ثابت کیا گیا ہے کہ احادیث کا انکار یقیناً ان آیات کا بھی انکار ہوا کیوں کہ وہ بھی اسی نفس مضمون کی حامل ہیں۔ حصہ سوم میں ایک ہی موضوع سے متعلق آیات و احادیث بیان کی ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ احادیث قرآن کی تفسیر ہیں گویا حجت ہیں۔ حصہ چہارم میں ابتدائی تعارف میں ذکر کردہ منکرین کے اعتراضات کی تردید کر کے حجیت حدیث ثابت کی گئی ہے۔ کتاب کے آخر میں منطقی اعتبار سے یہ واضح کیا گیا ہے کہ جس طرح مادی حیات کی بقاء کے لیے آفتاب کی ضرورت ہے۔ اسی طرح روحانی حیات کی بقاء کے لیے بھی ایک آفتاب رحمۃ للعالمین درکار ہے جس کا فیض کبھی منقطع نہ ہو گا اور اس نور کو مٹانے کی کوشش بے سود اور نافرمانی باعث ہلاکت ہے۔

---

[1] ۔ ایضاً: 18/1

اسلوب

1) فہرست مضامین دی گئی ہے۔

1) مصنف نے ابواب بندی کیے بغیر مختلف پہلوؤں کے اعتبار سے حدیث کی اہمیت بیان کی ہے۔

2) احادیث وآیات کا متن عموماً معرب ہے، بعض مقامات پر ترجمہ اور حوالہ بھی موجود ہے۔

3) منکرین کے اعتراضات کی تردید دلائل نقلیہ وعقلیہ کی روشنی میں کی گئی ہے۔

خصوصیات

1) کتاب میں متعلقہ موضوع پر آیات واحادیث سے عمدگی کے ساتھ استدلال کیا گیا ہے۔

2) مصنف نے حجیت حدیث کا پہلو نہایت اچھے انداز سے بیان کیا ہے کہ احادیث کی ایک کثیر تعداد آیات قرآنیہ کی تفسیر ہے ۔مثلاًاس ضمن میں ایک حدیث ملاحظہ فرمایئے۔حدیث مبارک لا فضل لعربی علی عجمی ولا لاسود علی احمر ولا فضل لعجمی علی عربی ولا احمر علی اسود الا بالتقوی۔آیت مبارکہ ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم کی تفسیر ہے۔

3) مصنف نے منکرین حدیث کے غیر معقول، ضرر رساں اور دل آزار خیالات کے تمام پہلوؤں پر بحث کی ہے اور ان پر حجت قائم کی ہے کہ فہم قرآن کے لیے حدیث از بس ضروری، عین منشاء الٰہی اور دین اسلام کا جزو عظیم ہے۔

4) منکرین کو بارہا غور و فکر کی دعوت دی گئی ہے کہ خود کو اہل قرآن گردانتے ہیں لیکن قرآن کے احکام پر بھی عمل پیرا نہیں کیونکہ قرآن میں تو اطاعت رسول ﷺ کا بھی حکم ہے۔

5) منکرین کے اس اعتراض کیا کہ حضور ﷺ کی احادیث صرف عرب قوم لے لیے خاص تھیں۔جس کے رد میں ایک سو ایک ایسی احادیث بیان کی ہیں جو کسی خاص قوم یا وقت کے لیے نہیں بلکہ ان کا نفع عام اور ہر زمانہ کے لیے ہے۔

6) مصنف نے حدیث می ثقاہت اور اس کی روایت میں صحابہ کی محتاط روش کو آنحضور ﷺ کے شاہ مقوقس کے نام لکھے گئے تبلیغی خطوط کی کاپی اور صحیح بخاری میں اس حوالے سے پائی جانے والی روایت کو درج کر کے ثابت کیا ہے کیونکہ ان دونوں مضمون میں کوئی فرق نہیں ہے۔

تجزیہ

1) آیات واحادیث عموماً بغیر حوالوں کے درج ہیں۔

2) کتاب میں کہیں کہیں طباعت کی غلطیاں موجود ہیں۔مثلاً شاہ روم کی بجائے شاہ شام[1] لکھا ہے۔۔

---

[1]۔ صدر الدین، **ضرورت حدیث**(احمدیہ انجمن اشاعت اسلام، احمدیہ بلڈنگس، لاہور: 1955ء):174

2.5 حجیت حدیث:

مصنف: محمد اسماعیل سلفی، سن اشاعت 2006ء، ناشر: مکتبہ اسلامیہ لاہور۔۔۔ صفحات: 190

مصنف کا شمار مسلک اہل حدیث کے سر خیل علماء میں ہوتا ہے۔ آپؒ نے وزیر آباد، دہلی، امر تسر اور سیالکوٹ کے علمائے کرام سے استفادہ کیا۔ آپ کی اہم تصانیف میں تحریک آزادی فکر اور شاہ ولی اللہ کی تجدیدی مساعی، جماعت اسلامی کا نظریہ حدیث، اسلامی حکومت کا مختصر خاکہ، امام بخاریؒ کا مسلک، حدیث کا مقام قرآن کی روشنی میں، زیارۃ القبور، مسئلہ حیات النبی ﷺ ادلہ شرعیہ کی روشنی میں اور رسول اکرم ﷺ کی نماز وغیرہ شامل ہیں۔[1] جامعہ سلفیہ فیصل آباد کی ایک کانفرنس میں کی تقریر تھی جس کو کتابی شکل دی گئی۔ یہ وہی تقریر کی تحریری شکل ہے۔ یہ پہلے ہفت روزہ الاعتصام میں شائع ہو چکی ہے۔ کتابی شکل میں شائع کرتے ہوئے اس میں ہائی کورٹ کے جج جسٹس محمد شفیع کے ایک فیصلہ کی خامیوں کو بھی واضح کیا گیا ہے۔ یہ کتاب اسلامک پبلشنگ ہاؤس اور فاران اکیڈمی اردو بازار لاہور سے بھی دو مرتبہ 1981ء اور 1994ء میں شائع ہو چکی ہے۔ اشاعت دوم میں مصنف کے حالات بھی بیان کیے گئے ہیں۔ کتاب مجلد اور عمدہ کاغذ پر طبع شدہ ہے۔ اس پر تخریج محمد سرور عاصم نے کی ہے۔
کتاب درج ذیل چار مضامین پر مشتمل ہے۔

1) **حدیث کی تشریعی اہمیت:** کے تحت خبر، اثر، حدیث و سنت کا مفہوم، قرآن و سنت کی حیثیت میں فرق، سنت کی اہمیت اور مولوی عبد اللہ چکڑالوی کو حدیث کا اولین کھلا منکر قرار دینے کے بعد منکرین حدیث کے اعتراضات بیان کیے ہیں: 1۔ حدیث ظنی ہے۔ 2۔ تدوین حدیث عجمی سازش کا نتیجہ ہے۔ پھر ان کی تردید کی گئی ہے۔ تحریک انکار حدیث کی رفتار بیان کر کے مختلف ادوار کے منکرین حدیث کے خیالات پیش کیے گئے ہیں۔ مرکز ملت کی امکانی و متحمل مشکلات کا ذکر کرتے ہوئے غلام احمد پرویز کے تصور مرکز ملت کی تردید، جسٹس میاں محمد شفیع کی غلط فہمی پر مبنی یہ تنقیحات لکھی ہیں: 1۔ احادیث کی از سر نو جانچ پڑتال کی ضرورت ہے۔، 2۔ احادیث میں عریانی پائی جاتی ہے۔ اس لیے قابل رد ہیں۔، 3۔ تئیس (23) سالہ عرصہ نبوت میں حضور ﷺ سے لاکھوں کی تعداد میں احادیث کا بیان ناممکن ہے۔، 4۔ ائمہ محدثین کی خصوصی شرائط کے ماتحت باقی بچ جانے والا ذخیرہ احادیث موضوع ہے۔، 5۔ قرآنی احکامات بھی زمانے کے ساتھ بدلنے چاہییں۔، 6۔ قرآن سادہ اور آسان زبان میں ہے۔ اسے ہر شخص سمجھ سکتا ہے۔ گویا قرآن کی تفسیر اور تشریح کا حق ہر آدمی کو ہے، تنقیدی باتوں کا ناقدانہ جائزہ لیا گیا ہے۔

2) **جماعت اسلامی کا نظریہ حدیث:** میں مولانا مودودی صاحب کے مضمون مسلک اعتدال کو تین حصوں میں تقسیم کر کے اس کا تنقیدی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ مولانا امین احسن اصلاحی کے سنت و حدیث کے حوالے سے مؤقف کی تردید، ان کے اثبات

---

[1]۔ سلفی، محمد اسماعیل، **حجیت حدیث**، (مکتبہ اسلامیہ لاہور: 2006ء): جلد 22 عدد 3 ص 151، 152

سنت طریقے، اہل مدینہ کے تعامل سے اثبات سنت کی تردید اور حدیث و سنت کا ہم معانی ہونا ثابت کیا ہے۔اس کے علاوہ خبر واحد صحیح کے مقبول ہونے پر اجماع امت، متاخرین فقہاء کا معتزلہ اور متکلمین متاثر ہو کر اس کی حجیت سے انکار کرنا،اس کے بارے میں اہلحدیث اور جماعت اسلامی کا مؤقف، معتزلہ اور متکلمین کے ہاں اس کے معتبر نہ ہونے اور ائمہ حدیث کے مناقشات کے حوالے سے ان کے موقف پر تنقید بھی کی گئی ہے۔ خبر آحاد کی عدم حجیت کے قائلین کا تاریخی ارتقاء،ائمہ محدثین، سرسید احمد خان اور مولانا شبلی نعمانی کے ہاں درایت کا مفہوم واضح کیا ہے نیز درایت اور تفقہ کے بارے میں مولانا مودودی اور مولانا اصلاحی کے نقطہ نظر پر نقد کیا ہے۔

3) **سنت قرآن کے آئینہ میں**: مضمون ہذا میں سنت کی اہمیت، وحی کے طریقے، انکار حدیث کا پس منظر اور قرآن و حدیث کا باہمی ربط بیان کیا گیا ہے۔

4) **حجیت حدیث آنحضرت ﷺ کی سیرت کی روشنی میں**: اس مضمون میں تنقید حدیث کے ضمن میں ائمہ حدیث اور فقہائے اسلام کی وسعت نظری، انکار حدیث کے اسباب، اسلامی علوم کو مستشرقین اور انگریزی زبان کے توسط سے سیکھنا اور قلت مطالعہ قرار دیا ہے۔ آخر میں قرآن میں بیان کردہ حضور ﷺ کی سیرت کی روشنی میں حجیت حدیث ثابت کی گئی ہے۔

اسلوب:

1) فہرست مضامین دی گئی ہے۔ کتاب ابواب بندی کے بغیر ہے۔

2) آیات زیادہ تر معرب، مترجم و بحوالہ جبکہ احادیث عموماً غیر مترجم اور بحوالہ ہیں نیز عربی اقتباسات نقل کرنے کا اہتمام کیا گیا ہے۔

3) حوالہ جات اور قابل توضیح نکات کی وضاحت حواشی میں کی گئی ہے۔

4) عربی، فارسی اور اردو اشعار بطور استدلال درج کیے گئے ہیں۔

5) فہرست مصادر نہیں دی گئی۔

خصوصیات

1) منکرین نے حدیث کو عجمی سازش و کاوش قرار دیتے ہوئے اس پر عدم اعتماد کی فضا ہموار کرنے کی کوشش کی لیکن مصنف نے دلائل نقلیہ اور عقلیہ کو کام میں لاتے ہوئے بڑے اچھے انداز میں اس کی تردید کی ہے۔

2) امین احسن اصلاحی کے نظریات و آراء پر مثبت و عمدہ تنقید کی گئی ہے۔

3) خبر آحاد سے انکار کے ادوار کو چارٹ کی صورت میں نیز امین احسن اصلاحی اور مولانا مودودی کے احادیث سے متعلق نظریات کا تنقیدی جائزہ پیش کرنا اس کتاب کا منفرد پہلو ہے۔

4) کتاب کا متعدد بار اور کئی مطابع سے شائع ہونا اس کی مقبولیت اور افادیت کا ثبوت ہے۔

5) ڈاکٹر عبد القیوم کی کتاب التحدیث فی علوم الحدیث، عبد الرحمٰن کیلانی کی آئینہ پرویزیت، عمر فاروق سلفی کی اتباع سنت، عبد الرشید عراقی کی مقام سنت اور ابو حمزہ عبد الخالق صدیقی کی سنت نبوی اور ہم میں اس کتاب کے حوالہ جات ملتے جلتے ہیں۔

ماخذ و مصادر

کتاب کے ماخذ بنادی ہیں جیسے ارشاد الفحول، مسلم الثبوت، مقدمہ ابن صلاح، مقدمہ ابن خلدون، الکفایہ فی علم الروایہ، اعلام الموقعین، تدریب الراوی اور توجیہ النظر وغیرہ۔

تجزیہ

1) فہرست مصادر نہیں دی گئی۔ تحقیقی اعتبار سے یہ اس کا ایک پہلو ہے۔

2) اسلوب اگرچہ سادہ اور عام فہم ہے لیکن بعض عبارات میں ثقیل الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔ مثلاً ملاحظہ کیجئے:

- چندروز خلفشار کے بعد جب ملک میں امن قائم ہوا تو ائمہ پابرکاب ہو گئے انہوں نے زمین کی طنابیں کھینچ لیں۔[1]
- دینی اور شرعی علوم کے آسمان ان ہی اقطاب پر گردش کرتے ہیں۔[2]
- کتاب اللہ اس کی مؤید اور مثبت ہوتی ہے۔[3]

3) کتاب میں طباعت کی کافی غلطیاں موجود ہیں۔ مثلاً

تہذیب الصحاح کی جگہ تہذیب الصماح[4] اور سیاست کو سیاہ[5] لکھا ہے۔

2.6 حجیت حدیث

مصنف: سید محمد بدر عالم، سن اشاعت 1979ء، ناشر: مطبہ اسلامیہ سعودیہ۔لاہور۔۔۔صفحات: 128

یہ کتاب مصنف کی معروف تصنیف ترجمان السنۃ کا ایک بلند پایہ، ٹھوس دلائل اور محققانہ شواہد پر مبنی مضمون ہے۔ جس میں خبر واحد کی حجیت کا اثبات، قرآن کریم کی جامعیت کی وضاحت، اسلم جیراج پوری کے اعتراضات کی تردید اور حدیث کی حجیت بیان کی گئی ہے۔ کتاب لائبریریوں میں عموماً دستیاب ہے۔

---

[1]۔ سلفی، محمد اسماعیل، حجیت حدیث، (مکتبہ اسلامیہ لاہور: 2006ء): ص: 43، سطر 19_20

[2]۔ ایضاً: ص: 55، سطر: 15

[3]۔ ایضاً: ص: 18: سطر: 5_6

[4]۔ ایضاً: ص: 26، سطر: 7

[5]۔ ص: 37، سطر: 12

کتاب میں فتنہ انکار حدیث کا آغاز، اس کی تردید میں متقدمین کا تحریری مواد، حدیث سے متعلق اسلم جیراج پوری اور ان کے حامیوں کے اعتراضات، قرآن کی جامعیت کا صحیح مفہوم، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا اہل زبان اور عربی دان ہونے کے باوجود قرآن فہمی میں شبہات کے ازالہ، قرآنی تفصیلات اور فروعی مسائل سے آگاہی کے لیے حدیث کا محتاج ہونا، جوامع الکلم ہونے کی وضاحت، حضور ﷺ اور صحابہ اور ائمہ کے نزدیک قرآن کی جامعیت کا مفہوم، قرآن وحدیث کا باہمی ربط، ان کے مراتب میں تفاوت کی وجہ، احناف کے ہاں واجب اور فرض کے مابین فرق، فرض، واجب اور مستحب کے مراتب سے متعلق بحر العلوم کی تحقیق، امام اوزاعی کے قول القرآن احوج الی السنۃ من السنۃ الی لکتاب کی وضاحت، حدیث کا قرآن کی تفسیر و تبیین ہونا، اتباع قرآن کے مفہوم میں جیراج پوری کی غلط فہمی کا ازالہ، صحابہ کا تمسک بالحدیث، سند دین اسلام کا امتیاز ہونا، حدیث کے ثبوت کی صورتیں، خبر واحد کی حجیت، دلائل شرعیہ کی اقسام اور ان کی وضاحت، اصول روایت اور روایت کا اسلام کا طرہ امتیاز، تدوین قرآن وحدیث کی تاریخ کا مشابہ ہونا، اسلاف کے ہاں کتابت حدیث کی ممانعت اور صحائف کو مٹانے کے اسباب، دیگر الہامی کتب کے برعکس قرآنی الفاظ کے ساتھ ان کی معانی کا بھی محفوظ ہونا، انکار حدیث کے عواقب و نتائج اور اسلم جیراج پوری کے اعتراضات 1۔ حضور ﷺ کا منصب رسالت صرف تبلیغ قرآن پر ختم ہو جاتا ہے۔ 2۔ اسوہ رسول ﷺ حدیث سے بالکل جدا شعبہ ہے اور حضور ﷺ کی حیثیت ایک ڈاکیہ سے زیادہ نہ تھی۔ 3۔ محدثین اور فقہاء جمود کا شکار تھے اور محدثین کی ساری جدوجہد دماغی تعزیر تھی، کی تردید کی گئی ہے۔

اسلوب:

1) فہرست مضامین دی گئی ہے۔

2) آیات واحادیث کا متن عموماً معرب اور مترجم ہے لیکن ان کے حوالہ جات کا التزام نہیں کیا گیا، بعض مقامات پر صرف سورۃ کا نام لکھا ہے نیز عربی کتب کے اقتباسات نقل کیے گئے ہیں۔

3) حوالہ جات عموماً حواشی میں درج ہیں۔

4) عربی، اردو اور فارسی اشعار بطور استدلال موجود ہیں۔

5) مشاہیر، مصنفین اور کتب کے اسمائے گرامی خط کشیدہ ہیں۔

6) قابل توضیح اور اہم نکات کی وضاحت حواشی میں کی گئی ہے۔

7) اسلم جیراج پوری کے اعتراضات ان کی کتاب علم حدیث سے بحوالہ نقل کیے گئے ہیں۔

8) فہرست مصادر موجود نہیں ہے۔

خصوصیات:

1) مصنف نے بڑے اچھے انداز سے قرآن کی جامعیت کا مفہوم یوں بیان کیا ہے کہ قرآن اصولوں کے لحاظ سے جامع ہے۔اس میں تمام اصول سمو دیئے گئے ہیں۔احادیث نبویہ قرآن مجید کی جامعیت کا بہت بڑا ثبوت ہیں اور قرآن کی جامعیت احادیث کی تشریحات سے ہر گز بے نیاز نہیں کرتی۔

2) منکرین خبر واحد کو حجت نہیں مانتے کیونکہ ان کے نزدیک یہ مفید ظن ہے اور دین کی بنیاد ظنیات پر قائم نہیں کی جاسکتی۔ چنانچہ مصنف نے ظن و علم کے مفہوم پر ایک اچھی بحث کرتے ہوئے صحابہ کے ہاں ظن یعنی تخمینی باتوں کے مستعمل ہونا بیان کیا ہے اور آیات قرآنیہ کے ذریعے ثابت کیا ہے کہ ان میں ایسے ظن کی ہر گز مذمت نہیں کی گئی جو ادلہ شرعیہ کے ماتحت پیدا ہو بلکہ مذمت اس ظن کی ہے جو حق کے صریح خلاف اپنی دماغی ایجاد اور خواہش نفس کی بنا پر کیا گیا ہو۔

3) الفاظ قرآنی کے ساتھ اس کے مفاہیم و معانی کا محفوظ ہونا اچھی طرح واضح کیا گیا ہے۔

4) اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول کی تفسیر سے متعلق منکرین کے اعتراضات کی آیات قرآنیہ اور ائمہ متقدمین کی تصریحات سے تردید میں ٹھوس انداز اختیار کیا گیا ہے۔

5) ڈاکٹر سعد صدیقی نے اپنی کتاب علم حدیث اور پاکستان میں اس کی خدمت میں اس کتاب سے استفادہ کی ہے۔

ماخذ و مصادر

مصنف نے الموافقات، اعلام الموقعین، جامع البیان، زاد المعاد، الملل والنحل، شرح نخبۃ الفکر، توجیہ النظر اور مقدمہ ابن الصلاح سے استفادہ کیا۔ تاہم الموافقات، جامع بیان العلم اور اعلام الموقعین کے حوالے بکثرت ملتے ہیں۔

تجزیہ

1) حوالہ جات کا انداز اور فہرست مصادر کی عدم موجودگی کتاب کی تحقیقی حیثیت مجروح کرتی ہے۔

2) مصنف نے عموماً عمدہ اور اچھے الفاظ کا انتخاب کیا ہے لیکن کہیں کہیں دقیق الفاظ بھی استعمال کیے ہیں۔ جیسے ان کے جوارح جنبش عمل کے لیے بے چین ہو جائیں۔[1] اور اس کی شان سہل ممتنع ہونے کی وجہ سے۔۔۔۔[2]

2.7 ضرب حدیث

مصنف: محمد صادق سیالکوٹی، سن اشاعت۔۔۔، ناشر: کتاب وسنت، سیالکوٹ۔۔۔ صفحات: 408

---

[1]۔ محمد بدر عالم، سید، مولانا، **حجیت حدیث**، (مطبہ اسلامیہ سعودیہ۔ لاہور: 1979): ص: 8، سطر: 3

[2]۔ ایضاً: ص: 22، سطر: 1

کتاب ہذا میں غلام احمد پرویز کے نظریات کی تردید، حدیث کی اہمیت و حجیت کو اور قرآن کی مانند اس کا ابدی ہونا ثابت کیا گیا ہے۔ مذکورہ بالا مطبع کے علاوہ یہ نعمانیہ کتب خانہ لاہور سے بھی شائع ہوئی ہے۔

پیش لفظ میں حدیث کا مفہوم اور اس کی حجیت بیان کی گئی ہے۔ مندرجات کتاب میں اسلام کا دین کامل ہونا، اتباع رسول کی اہمیت، حدیث کی حجیت، فتنہ انکار حدیث کی پیشنگوئی سے متعلق حدیث لا لفین احدکم متکئاً علی اریکتہ کا مصداق عبد اللہ چکڑالوی قرار دینا، منکرین کا اسوہ رسول سے محروم ہونا، ان کی تحریروں کے اثرات، غلام احمد پرویز کے حدیث کے علاوہ نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج، صدقات، خیرات اور اسلام کے دیگر معتقدات سے متعلق اعتراضات و نظریات کی تردید، منکرین حدیث کی سزا، حدیث کے وحی ہونے پر قرآنی دلائل، کتابت و حجیت حدیث سے متعلق اعتراضات کا رد، دلائل نقلیہ وعقلیہ سے خبر واحد کی حجیت، آیات مبارکہ وارشادات نبویہ ﷺ کی روشنی میں حجیت حدیث نیز علامہ شوکانی، علامہ سیوطی، امام شافعی اور شیخ عبد القادر جیلانی کے ہاں سنت کا مقام شامل ہیں۔ آخر میں مصنف نے قرآن کو نسخہ کیمیا قرار دیتے ہوئے اس پر عمل پیرا ہونے کے لیے حدیث کی ضرورت واضح کی ہے۔

اسلوب

1) فہرست مضامین دی گئی ہے۔

2) کتاب میں ابواب و فصول بندی نہیں کی گئی۔

3) آیات واحادیث معرب مع ترجمہ وبحوالہ ہیں۔ البتہ احادیث کے حوالہ میں زیادہ تر صرف کتاب کے نام پر اکتفا کیا گیا ہے نیز عربی کتب کے اقتباسات نقل کیے گئے ہیں اور حوالہ جات ان کے ساتھ درج ہیں۔

4) غلام احمد پرویز کے نظریات ان کی کتب مقام حدیث، سلیم کے نام، قرآنی فیصلے سے من عن نقل کیے گئے ہیں اور ان کی وضاحت کر کے تفصیلاً تردید کی گئی ہے۔

5) فارسی، اردو اور عربی اشعار سے بھی استدلال کیا گیا ہے۔

6) قابل توضیح نکات کی وضاحت حواشی میں ہے۔

خصوصیات

1) حدیث کی حجیت، اہمیت اور استجابت کے متعلق دلائل قرآنیہ بیان کیے گئے ہیں۔ اطاعت رسول اور حجیت حدیث سے متعلق ہر آیت کو الگ الگ عنوان کے تحت ذکر کیا گیا ہے۔

2) کتاب میں حجیت حدیث بڑی سادہ، عام فہم اور عملی و سائنسی امثلہ کے ذریعے بیان کی گئی ہے۔ مثلاً ایک مقام پر مصنف لکھتے ہیں کہ:

دواساز جب کوئی نئی دوائی بناتا ہے تو اس کے ساتھ تراکیب استعمال کی بھی وضاحت کرتا ہے۔ جب بھی ہم کوئی دوا بازار سے لاتے ہیں تو اس میں ایک پرچہ ہوتا ہے کہ جس پر دوا کے استعمال کا طریقہ لکھا ہوتا ہے اور مریض کے لیے اس پر عمل کرنا لازمی ہوتا ہے۔ اگر وہ اس پر عمل نہ کرے تو یہ دوا اس کے لیے نافع ہونے کے بجائے مضر ثابت ہو گی۔ پس اسی طرح قرآن کی مثال ہے۔ خدا نے قرآن پاک نازل فرمایا اور اس پر عمل کرنے کا طریقہ حضور ﷺ کے ذمہ لگایا۔ اگر ہم حدیث کو چھوڑ کر قرآن پر عمل کریں تو یہ ناممکن ہے۔[1]

اسی طرح ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

انجکشن تین طرح سے لگایا جاتا ہے۔ وریدی، عضلی اور جلدی۔ اب اگر ڈاکٹر کی ہدایت کے بغیر انسان اپنی مرضی سے وریدی کو عضلی میں لگا دے تو یہ مضر ثابت ہو گا۔ اسی طرح اگر کوئی قرآن کو شارح کی ہدایت کے بغیر پڑھے تو یہی نتیجہ نکلے گا۔[2]

3) مصنف نے حدیث کی حجیت کو بڑے اچھے انداز سے ثابت کیا ہے۔ اگر حدیث کو حجت نہ مانا جائے تو ارکان اسلام کی ہیئت ہی بدل جائے گی۔ مثلاً صلوۃ کے لغوی معانی تو متعدد ہیں دعا کرنا، آگ سینکنا اور گوشت بھوننا وغیرہ۔ اگر ہر کوئی اپنی مرضی سے صلوۃ کی تشریح کرنے لگے یعنی اگر کوئی دعا کرے اور کہے کہ یہ نماز ہے اور اسی طرح اگر کوئی موسم سرما میں آگ سے سینکے اور کہے کہ یہ نماز ہے۔ اس سے نماز کی ہیئت تبدیل ہو جائے گی۔ یہی حال دوسرے ارکان کا ہو گا۔

4) بعض آیات کے انگریزی تراجم دیئے گئے ہیں۔

5) عمر فاروق سلفی نے اتباع سنت اور عبدالرحمٰن کیلانی نے آئینہ پرویزیت میں اس کتاب سے استفادہ کیا ہے۔

6) طباعت کی اغلاط شاذ و نادر ملتی ہیں۔

ماخذ و مصادر

مصنف نے ارشاد الفحول، مفتاح الجنۃ فی الاحتجاج بالسنۃ۔ فتح الباری، فتوح الغیب، المنجد، فیروز اللغات اور معجم العربیۃ جیسے مآخذ سے استفادہ کیا ہے۔

تجزیہ

---

[1]۔ سیالکوٹی، محمد صادق، مولانا، **ضرب حدیث**، (کتاب و سنت، سیالکوٹ) ص: 164

[2]۔ ایضاً: ص: 406

کتاب میں تکرار پائی جاتی ہے۔ جس سے قاری اکتاہٹ کا شکار ہو جاتا ہے۔ خود مصنف کو بھی اس کا اقرار ہے لیکن اس کی توجیہہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ جس طرح نماز اور زکوٰۃ کا حکم بار بار آیا ہے۔ حالانکہ ایک ہی مرتبہ سے فرضیت ثابت ہو جاتی ہے ۔اسی طرح میں نے حدیث کو دین اسلام میں ثابت کرنے کے لیے بار بار قرآنی دلائل پیش کیے۔[1]

2.8 قرآن وحدیث

مصنف: مولانا قاری محمد طیبؒ، سن اشاعت۔ س۔ن، ناشر: ادارہ علوم شرعیہ، کراچی۔۔۔ صفحات: 135

کتاب ہذا مصنف کا ایک مقالہ ہے جسے بعد میں کتابی صورت میں شائع کیا گیا۔اس میں حدیث کے منزل من اللہ ہونے، خدا کی طرف سے اس کی حفاظت اور اقسام حدیث کو قرآن سے ثابت کر کے حدیث کی حجیت، عظمت اور اہمیت بیان کی گئی ہے۔ یہ مقالہ قاضی عبدالرحمٰنؒ کے زمانہ میں شائع کردہ اس قرآن مجید کا مقدمہ بھی ہے جس میں ایک ترجمہ حضرت شاہ عبدالقادرؒ اور دوسرا مولانا محمود حسنؒ کا ہے اور حاشیہ پر ایک تفسیر موضح القرآن اور دوسری مولانا شبیر احمد عثمانی کی ہے۔[2] کتاب پر سن اشاعت درج نہیں مگر عرض ناشر 1378ھ کی لکھی ہوئی ہے۔کتاب مجلد اور عمدہ سرورق کی حامل ہے۔

مصنف نے اسلام کا آخری دین ہونا، اس کی محفوظیت کی مختلف صورتیں، کتاب وسنت کا دین کی ایک مستقل حجیت اور حیثیت ہونا، اجماع وقیاس کی تفریعی حیثیت، کتاب اللہ اور حدیث کا حجۃ مستقلہ ہونے کے حوالے سے فرق، انبیاء کرامؑ کا اللہ تعالیٰ اور انسان کے مابین واسطہ وصول وقبول ہونا، حدیث کے بغیر قرآن فہمی کا ناممکن ہونا، الفاظ قرآنی کی طرح ان کے معانی (احادیث) کا منزل من اللہ ہونا، اس نکتہ کی وضاحت کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضور ﷺ پر نزول قرآن کے ساتھ ساتھ اس کے شرح وبیان کا ذمہ بھی خود لیا ہے۔ آپ کا یہ فرض منصبی قرار دیا جانا کہ جس طرح آپ کو مرادات ربانی سمجھائے گئے، اسی طرح آپ نے ان کو امت تک پہنچایا، حدیث کی مختلف جہتوں کا ذکر، اس کے احکام کا قرآن سے ماخوذ اور اس کا بیان ہونا، قرآن، فقہ اور حدیث کا باہمی ربط نیز اس بات کی وضاحت بھی کی ہے کہ قرآن کی طرح حدیث قطعی ہے۔ اس میں اگر ظنیت ہو گی تو وہ باعتبار سند ہو گی اور سند کا ضعیف ہونا انکار حدیث کا متقاضی نہیں البتہ سند میں کلام کی گنجائش پیدا کرتا ہے۔ اس کے علاوہ رواۃ اور اوصاف رواۃ کے اعتبار سے اقسام حدیث کی وضاحت، ان کی حجیت اور تحمل وادائے حدیث کے طریقوں کو قرآن سے ثابت کرنا، الفاظ قرآن اور اس کے معانی ومرادات (احادیث) کا منزل من اللہ اور تا قیامت محفوظ ہونا، حفاظت حدیث کے مختلف ادوار، منکرین، وضاعین اور محرفین حدیث کے متعلق حضور ﷺ کی پیشینگوئیاں اور آخر میں قرآن پاک کے چند فارسی اور اردو تراجم کا تذکرہ کیا ہے۔

---

[1]۔ ایضاً: ص: 403، 404

[2]۔ قاری محمد طیب، مولانا، **قرآن وحدیث**، (ادارہ علوم شرعیہ، کراچی): 27

اسلوب

1) فہرست مضامین نہیں دی گئی۔

2) کتاب ابواب وفصول بندی کے بغیر ہے۔

3) آیات واحادیث غیر معرب لیکن مترجم ہیں، آیات کا حوالہ نہیں دیا گیا جب کہ احادیث کے حوالہ جات میں صرف کتاب کا نام ذکر کرنے پر اکتفاء کیا گیا ہے اور ان کے حوالہ جات ساتھ ہی درج ہیں۔

4) تحریر دیگر کتب کی بنسبت مشکل ہے۔ مطالعہ کے لیے تامل و تحمل درکار ہے۔

خصوصیات

1) یہ اپنے موضوع پر ایک عمدہ کاوش ہے۔ مصنف نے اس میں منفرد انداز سے بیان کیا ہے کہ راویوں کی عددی قلت، کثرت اور وحدت وتعدد کے اعتبار سے اقسام حدیث کی بنیادیں، راویوں کے اوصاف واخلاق جن سے ان کی روایت قابل قبول ہوتی ہے اور پھر ان میں بھی وہ مرکزی صفات (عدالت وضبط) جن کی طرف تمام اوصاف رواۃ رجوع کرتے ہیں اور ان میں فقدان کی وجہ سے جو مطاعن پیدا ہوتے ہیں۔ان کی اصلیں قرآن ہی کی عطا کردہ ہیں۔ غرض حدیث کی روایت کے اصول وفروع کی تاسیس قرآن کریم نے رکھی۔ جس سے واضح ہو جاتا ہے کہ حدیث کی جنس ہی نہیں بلکہ اقسام اور اساسی اوصاف تک کی بھی قرآن ہی کی تعین کردہ ہے۔اس سے حدیث کا حجۃ ہونا ثابت ہوتا ہے۔

2) خبر واحد کی حجیت کو قرآن میں مذکور فرشتوں، انبیاء، غیر انبیاء کی خبروں کے نظائر اور فاسق کی خبر کے تحقیق کے بعد قبول کرنے سے استدلال کرتے ہوئے بڑے اچھے انداز سے ثابت کیا ہے۔

3) مصنف کے مقالہ کی اہمیت کا اندازہ اس سے بھی ہوتا ہے کہ یہ مولانا شبیر احمد عثمانی کی فضل الباری شرح صحیح البخاری میں بھی بطور مقدمہ شامل ہے۔

تجزیہ

1) آیات واحادیث کے حوالہ جات تحقیقی تقاضوں پر پورا نہیں اترتے۔

2) کتاب میں طباعت کی غلطیاں موجود ہیں مثلاً

تراجم کو متراجم [1] اور آیت مبارکہ من یطع الرسول فقد اطاع اللہ کی جگہ من اطاع الرسول فقد اطاع اللہ [2] لکھا ہے۔

---

[1]۔ ایضاً: ص:124، سطر:2

[2]۔ ایضاً: ص:39

باب سوم

حجیت حدیث پر منتخب اردو کتب کا تجزیاتی مطالعہ

فصل اول: حجیت حدیث پر طرز استدلال

فصل دوم: منتخب کتب میں مسئلہ انکار حدیث پر ابحاث

فصل سوم: منتخب کتب کے فکری و سماجی اثرات

فصل اول

حجیت حدیث پر طرز استدلال

اللہ تعالیٰ نے انسان پر بہت انعامات کیے ہیں۔ اس کو اشرف المخلوقات اور مسجود ملائکہ بنایا۔ اسی انسان کو اپنا نائب اور خلیفہ بنایا۔ اسی کو حقیقی طور پر علم اور عقل کی دولت سے مالا مال کیا۔ معلومات کے مختلف ذرائع عنایت کیے۔ عام طور پر انسان کو کسی چیز کا علم حواس خمسہ یعنی آنکھ، کان، ناک، ہاتھ اور زبان کے ذریعے سے ہوتا ہے۔ پھر ان حواس خمسہ کے بعد عقل کا مقام آتا ہے جو سوچ بچار، غور و فکر، تحقیق اور تنقیح کے ذریعے نتائج اخذ کرتی ہے۔ اسی کے نتائج ہیں کہ انسان گہرے سمندروں اور سیاروں تک بھی رسائی حاصل کر چکا ہے۔ مگر وہ نری عقل کے ذریعے اللہ تک نہیں پہنچ سکتا۔ اس کے لیے وحی الٰہی کی ضرورت ہوتی ہے۔

1.1 رسول اللہ ﷺ، وحی الٰہی (وحی متلو و وحی غیر متلو):

اللہ تعالیٰ جب کسی بشر کو رسالت و نبوت سے سرفراز کرتا ہے تو اس پر وحی نازل کرتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ پر پہلی وحی غارِ حرا میں نازل ہوئی [1] اور وحی الٰہی کا یہ سلسلہ تیئیس سال تک جاری رہا۔[2]

شبہ:

حضور اکرم ﷺ پر صرف وہی وحی آتی تھی جو کہ قرآن میں موجود ہے اور حضور ﷺ کو اسی کی پیروی کا حکم تھا۔

ازالہ:

حضور نبی اکرم ﷺ پر وحی در حقیقت دو قسم کی نازل ہوتی تھی۔ پہلی وحی کو وحی متلو کہا جاتا ہے جبکہ دوسری وحی غیر متلو کہلاتی ہے جسے حدیث بھی کہا جاتا ہے۔ وحی متلو جس میں قرآن کریم نازل ہوتا تھا اور آپ ﷺ صحابہ کرامؓ میں سے کسی کو بلوا کر اس وحی کو ہو بہو لکھوا لیا کرتے تھا۔ وحی غیر متلو جس میں رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایات و احکامات ملتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ اپنے الفاظ میں اس کو تعبیر فرماتے تھے۔ جس کے لکھنے کا باقاعدہ اہتمام نہیں ہوتا تھا اور وہ سب پر یاد کرنا بھی نہ ضروری تھا

---

[1] بخاري، **صحیح**، 3/1416: **کتاب فضائل الصحابة**، باب ہجرة النبی صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ الی المدینۃ: 3689

[2] ۔ایضا

اور نہ ہی سب یاد کرتے تھی۔ صرف قرآن مجید کے یاد کرنے کا اہتمام کیا جاتا تھا۔[1] جبکہ یہ دونوں آپس میں لازم ملزوم کا تعلق رکھتی ہیں۔

- **سنت کی آئینی حیثیت:**

وحی متلو اور غیر متلو کی بحث کے ضمن میں مولانا مودودیؒ لکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی رسالت پر ایمان لانے کی وجہ قرآن مجید نہیں بلکہ قرآن مجید پر ایمان لانے کی وجہ رسول اللہ ﷺ کی رسالت ہے۔ جس کی ترتیب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے رسالت کا دعویٰ کیا پھر رسول اللہ ﷺ جو پیش فرما رہے ہیں وہ کلام محمد نہیں بلکہ کلام اللہ ہے۔۔۔ وہی رسول اگر ہم سے یہ کہے کہ مجھے قرآن کے علاوہ بھی خدا کی طرف سے ہدایات واحکام بذریعہ وحی ملتے ہیں تو اس کی تصدیق نہ کرنے کی آخر وجہ کیا ہے ؟[2]

- آئینہ پرویزیت

وحی کی تقسیم (وحی جلی اور وحی خفی) کے متعلق بھی یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ اس کا ثبوت نہ تو قرآن مجید میں اور نہ ہی حدیث کے اولین لٹریچر میں ہے۔ جس کے متعلق مولانا عبدالرحمٰن کیلانی الزامی سوال کرتے ہیں کہ کیا مرکز ملت کا کوئی نام ونشان قرآن مجید یا تاریخی لٹریچر میں کہیں موجود ہے ؟؟ اور اسی طرح بیت المقدس کو قبلہ اول قرار دیکر نماز پڑھنے کے متعلق قرآن مجید میں کہیں تذکرہ نہیں۔ یہ بھی حدیث رسول ﷺ سے ہی ہمیں معلوم ہوا ہے۔[3]

- **حجیت حدیث:**

اسی بات کو مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ یوں لکھتے ہیں کہ قرآن مجید کا کتاب اللہ ہونا کس نے ہمیں بتایا؟ کہاں سے معلوم ہوا ؟ یہ تو آپ ﷺ نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر قرآن مجید نازل فرمایا ہے، اگر حدیث حجت نہیں تو پھر قرآن مجید کا حجت ہونا بھی مشکوک ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر یہ مانا جائے کہ جب نبی ﷺ کا قول حجت نہیں تو نبی کا یہ قول قرآن اللہ کا کلام ہے کیسے حجت ہوا ؟ نیز قرآن کریم کے راوی بھی وہی صحابہ وتابعین ہیں جو حدیث نبوی کے کاتب وراوی ہیں جو منکرین کے نزدیک حجت نہیں ہیں۔[4]

---

[1]۔ عثمانی، محمد تقی، مفتی، **علوم القرآن** (مکتبہ معارف القرآن کراچی):179

[2]۔ مودودی، ابوالاعلی، مولانا، **سنت کی آئینی حیثیت**:134

[3]۔ آئینہ پرویزیت:261

[4]۔ کاندھلوی، **حجیت حدیث**:28

اسی طرح دوسری جگہ پر مولانا محمد ادریس کاندھلوی اسی ربط کے متعلق لکھتے ہیں کہ قرآن وحدیث آپس میں لازم ملزوم کا تعلق رکھتے ہیں۔ جس طرح حدیث کے بغیر قرآن کریم کو نہ ہی سمجھا جاسکتا ہے اور نہ ہی اس پر عمل کیا جاسکتا، بالکل اسی طرح قرآن کریم کے بغیر حدیث کا منشاء نہیں سمجھا جاسکتا۔[1] قرآن ایک اصولی اور قانونی کتاب ہے، اس کی حیثیت دستوراساسی کی ہے جو کہ زیادہ تر اصول وکلیات پر مشتمل ہے۔ جس میں ایجاز واجمال کی وجہ سے تاویل کی گنجائش رہتی ہے۔[2]

- **تدوین حدیث:**

مولانا گیلانی لکھتے ہیں کہ جن لوگوں کی نظر ملل ونحل اور علم کلام وعقائد اور تاریخِ فرق پر ہے، وہ آسانی سے اس بات کو مان لیں گے کہ اسلام میں جتنے بدعتی فرقے پیدا ہوئے ہیں وہ وہی ہیں جنھوں نے کتاب کو سنت سے یا سنت کو کتاب سے الگ کرنا چاہا۔ خوارج نے کتاب کو مانا اور سنت سے انحراف کیا اور ان کے مد مقابل کے فرقہ نے کتاب کو محرف بنا کر چھوڑا اور صرف اپنے ائمہ کی سنت کی پیروی کا دعویٰ کیا۔ اس طرح معتزلہ نے قرآن کریم کو بتاویل تسلیم کیا اور احادیث سے اعراض کیا اور وہ راہ راست سے دور گئے۔[3]

- **سنت خیر الانام:**

قرآن وحدیث یا وحی متلو وغیر متلو کے متعلق اگر دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان حضرات نے قرآن کو کبھی دقت نظر سے نہیں دیکھا۔ اللہ تعالیٰ نے جہاں انبیاء کرامؑ کی بعثت کا تذکرہ کیا ہے وہاں دو چیزوں کو ساتھ ساتھ ذکر فرمایا: 1۔ الکتاب، 2۔ حکمت۔[4]

- **سنت کی آئینی حیثیت:**

جناب عبدالودود صاحب اپنے خط میں وحی کے متعلق دو قسم کے نقطہ نظر پیش کیے تھے۔ جن میں سے ایک یہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ پر صرف وہی وحی آتی تھی جو کہ قرآن مجید میں موجود ہے، دوسرا یہ کہ امت کو صرف قرآن کی پیروی کا حکم دیا گیا ہے۔ جس کے جواب میں مولانا مودودی صاحبؒ لکھتے ہیں کہ خود قرآن سے ثابت ہے کہ حضور ﷺ پر قرآن کے علاوہ بھی وحی کے ذریعے احکام نازل ہوتے تھے اور آپ ان دونوں وحیوں کا اتباع کرنے پر مامور تھے۔ دوسری بات قرآن میں ہی امت کو رسولِ پاک

---

[1] آئینہ پرویزیت: 276

[2]۔ کاندھلوی، **حجیت حدیث**: 26

[3]۔ گیلانی مناظر احسن، **تدوین حدیث**: 45

[4]۔ کرم شاہ، سنت خیر الانام، ص: 52

کی پیروی کا حکم بھی دیا گیا ہے۔[1] اگر واقعی مقصود یہی ہوتا کہ لوگ رسول اللہ ﷺ کی نہیں بلکہ قرآن کی پیروی کریں تو آخر کیا وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں "فاتبعوا کتاب اللہ" کہنے کے بجائے" فاتبعوني "کے الفاظ استعمال فرمائے؟ کیا آپ کی رائے میں یہاں اللہ میاں سے چوک ہو گئی؟[2]

ان سب سے سے زیادہ کھلی ہوئی آیت تحویل قبلہ ہے جو ایسی تاویل کی جڑ کاٹ دیتی ہے۔ اور ساتھ ساتھ آپ کے اس مفروضے کا بھی قلع قمع کر دیتی ہے کہ رسول ﷺ پر قرآن کے سوا اور کسی صورت میں وحی نہیں آتی تھی۔ مسجد حرام کو قبلہ قرار دینے سے پہلے مسلمانوں کا جو قبلہ تھا اسے قبلہ بنانے کا کوئی حکم قرآن میں نہیں آیا۔ اگر آیا ہو تو آپ اس کا حوالہ دے دیں۔[3]

نتیجہ بحث

منتخب کتب کی مذکورہ بالا عبارات کے مطالعہ سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ پر نازل ہونے والی وحی صرف قرآن مجید میں نہیں بلکہ اس کے علاوہ بھی وحی نازل ہوتی تھی۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ منتخب کتب وحی الٰہی کی ان دونوں صورتوں کو مانتے ہیں اور اس پر متفق ہیں۔ وحی الٰہی کی تقسیم وحی خفی اور وحی جلی کے سلسلے میں مولانا عبد الرحمٰن کیلانیؒ نے مولانا مودودیؒ کی پیش کردہ مثالوں کا حوالہ بھی دیا ہے۔ مذکورہ بالا عبارات سے واضح طور پر اس بات کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ قرآن وحدیث کا آپس میں ربط اور تعلق کس قسم کا تھا۔ یہ بھی نتیجہ نکلتا ہے کہ حدیث اگرچہ وحی ہے مگر اس میں ہو بہو الفاظ اللہ کی طرف سے نہیں ہوتے بلکہ ان الفاظ کا مفہوم رسول اللہ ﷺ ادا فرماتے ہیں جبکہ قرآن کریم میں لفظاً و معنیً اللہ کی طرف سے نازل ہوتا ہے۔

1.2 حفاظت حدیث

احادیث لفظاً و معنیً محفوظ نہیں۔ اس لئے قرآن مجید ہمارے لئے کافی ہے۔ احادیث کی ہمیں ضرورت نہیں۔

ازالہ:

قرآن کریم میں بار بار رسول اللہ ﷺ کی اتباع کا حکم دیا گیا ہے۔ اور اس میں یہ قید نہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی اتباع صرف آپ کی حیات مبارکہ میں اور اپ کے زمانے میں ہی کی جائے بلکہ مطلق حکم ہے۔ اتباع کے لیے کوئی نمونہ

---

[1] ۔ مودودی، سنت کی آئینی حیثیت، ص: 93

[2] ۔ ایضاً، ص: 95

[3] ۔ ایضاً، ص: 95

سامنے ہونا چاہیے جو کہ اس عمل کو ظاہر کرے۔ ظاہر ہے کہ یہ ہمیں حدیث رسول ہی میں ملے گا۔

- **حجیت حدیث**

جس کے متعلق مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ لکھتے ہیں کہ کسی روایت اور خبر کا بعینہ اور بلفظہ محفوظ رہنا دو باتوں پر موقوف ہے۔ اول قوت حافظہ پر۔ دوم مروی عنہ کے ساتھ تعلق پر۔[1]

عقلی دلیل پیش کرتے ہیں:

بادشاہ یا وزیر کوئی خطاب کرے عظمت اور ہیبت کی وجہ سے اس کے الفاظ بعینہ یاد رہ جاتے ہیں۔ اور خصوصاً بادشاہ یہ بھی کہہ دے کہ میرا یہ حکم لوگوں تک پہنچا دیا جائے، اپنی طرف سے میرے حکم میں ذرہ برابر تغیر و تبدل اور کسی قسم کی کمی بیشی نہ کی جائے۔ جو میرے حکم پر عمل کرے گا اسے انعام ملے گا اور جو خلاف ورزی کرے گا اس کو سزا ملے گی۔[2]

- **سنت خیر الانام**

صحابہ کرامؓ کا رسول اللہ ﷺ سے تعلق محبت اور عظمت کا تھا جس وجہ سے وہ احادیث رسول بیان کرنے میں کتنے محتاط تھے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کے متعلق ان کے دیکھنے والے بیان کرتے ہیں کہ انحضرت ﷺ کی طرف منسوب کر کے بہت کم حدیثیں بیان کرتے تھے مگر جب کبھی حضور ﷺ کا اسم گرامی زبان پر آ گیا تو حالت زار دیکھی نہیں جا سکتی۔ جس کو راوی یوں بیان کرتے ہیں:

أَنَّهُ حَدَّثَ يَوْمًا عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَارْتَعَدَ وَارْتَعَدَتْ ثِيَابُهُ-[3]

ایک دن انہوں نے حدیث رسول ﷺ بیان کی تو وہ کانپنے لگے اور ان کے کپڑے تھر تھرانے لگے۔

اسی طرح حضرت ابوذر غفاریؓ کبھی کوئی حدیث بیان کرنا چاہتے تو رسول اللہ ﷺ کی محبت، عظمت اور جدائیگی کی وجہ سے بیان نہیں کر سکتے تھے اور جب بیان کرتے تو فرماتے:

---

[1] ۔ حجیت حدیث، ص:83

[2] ۔ ایضاً، ص:83، 84

[3] ۔ نیشاپوری، حاکم و أبو عبد اللہ، محمد بن عبد اللہ، **المستدرک علی الصحیحین**، (دار الکتب العلمیۃ – بیروت، 141ھ، 1999ء): 193/1

اوصانی حبی ابو القاسم خلیلیﷺ-[1]

میرے محبوب میرے یار ابو القاسم ﷺ نے مجھے نصیحت فرمائی۔"

غرض یہ صرف ابن مسعودؓ یا ابوذر غفاریؓ کا حال نہیں بلکہ تقریباً سبھی صحابہؓ کا یہی حال تھا کہ عظمت و محبت کی وجہ سے زبان سے نام نہیں لیا جاتا۔ آپ علیہ السلام کی طرف منسوب کر کے شوق، رغبت، خوف اور جدائیگی کے صدمہ کی وجہ سے حدیث بیان نہیں ہو رہی۔ اسی عظمت کی وجہ سے ان کے کپڑے بھی تھر تھر کانپنے لگ جاتے ہیں۔[2]

- **آئینہ پرویزیت**

عبد الرحمٰن کیلانی لکھتے ہیں کہ احادیث رسول ﷺ کی روایت کا سلسلہ تو رسول اللہ ﷺ کی حیات مبارکہ ہی سے شروع ہو گیا تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعینؓ رسول اللہ ﷺ کے ارشاد اور اعمال کو دیکھ کر اپنے اعمال اور زندگیوں کو درست کرتے تھے، رسول اللہ کی دی ہوئی ہدایات کو آگے دوسرے لوگوں کو بیان کرتے تھے، کوئی مسئلہ پیش آتا تو وہ پہلے قرآن کریم میں اسے تلاش کرتے، نہ ملنے کی صورت میں رسول اللہ ﷺ کے ارشادات میں ڈھونڈتے ورنہ رسول اللہ سے براہِ راست معلوم کرتے پھر آگے بیان کرتے، اس لیے کسی طور پر یہ کہنا کہ عہد رسالت میں روایتیں بہت تھوڑی تھیں ٹھیک نہیں۔ جس کی دلیل عام طور پر ابن ماجہ کی روایت پیش کی جاتی ہے:

إِيَّاكُمْ وَكَثْرَةَ الْحَدِيثِ عَنِّي، فَمَنْ قَالَ عَلَيَّ مَا لَمْ أَقُلْ، فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنْ النَّارِ-[3]

مجھ سے زیادہ حدیثیں روایت نہ کیا کرو۔ جس نے ایسی بات کہی جو کہ میں نہ کہی ہو تو وہ وپنا ٹھکانہ جہنم پر بنالے۔

کثرت روایت کی منع کی وجوہات درجِ ذیل ہیں:

1. حزم واحتیاط پیش نظر تھی جس وجہ سے کثرت روایت سے منع فرمایا۔
2. مدینہ میں منافقین بھی موجود تھے کثرت روایت کی وجہ سے ان کو غلط روایات مشہور کرنے کا موقع مل جاتا۔

---

[1]۔ احمد بن حنبل، امام، مسند احمد، (مؤسسۃ الرسالۃ: 2001): 407/35، مسند الانصار، ح: 21517

علامہ البانی نے اس حدیث کی اسناد کو صحیح کہا ہے۔ ارواء الغليل في تخريج أحاديث منار السبيل (ناصر الدين الباني: مكتبة الاسلامی، بیروت: 1985ء) 212/2، ح460)

2

[3]۔ ابن ماجہ، سنن: 23/1

3. جب روایات بالخصوص اخبار آحاد امت میں اختلاف وانتشار کا باعث ہونے لگیں تو کثرت روایت سے منع کیا گیا کیونکہ اختلاف وانتشار ایسی خرابی اور اتنا بڑا جرم ہے کہ ایسی صورت میں قرآن کی آیت پر بحث کرنے سے بھی رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے فرمایا:

اقْرَؤُوا الْقُرْآنَ مَا ائْتَلَفَتْ عَلَيْهِ قُلُوبُكُمْ، فَإِذَا اخْتَلَفْتُمْ فِيهِ فَقُومُوا۔[1]

قرآن کو اس حد تک پڑھو کہ تم میں اتفاق اور دلجمعی قائم رہے پھر جب تم اس میں اختلاف کرنے لگو تو اٹھ کھڑے ہو اور چلے جاؤ۔

دین میں اختلاف اور تفریق سے رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا اور اگر تلاوت قرآن کریم یا تعلیم قرآن کریم کے دوران کوئی ایسا شبہ پیش آجائے، جس کا کوئی جواب نہ ہو اور وہ ہلاکت میں ڈالنے اور لڑائی جھگڑے کا باعث ہو تو فوراً موضوع تبدیل کرنا چاہئے، کیونکہ بسا اوقات علم نہ ہونے کی وجہ سے اختلاف ہو جاتا ہے جس کی انتہاء لڑائی جھگڑے اور ہلاکت تک پہنچتی ہے۔[2]

- **تدوین حدیث**

مولانا مناظر احسن گیلانی لکھتے ہیں کہ صحابہ نے ٹھیک ٹھیک عین تقاضہ الٰہی کے مطابق عمل کر کے دکھایا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے سامنے حدیثیں بیان فرمائی اور پھر اس کی تاکید بھی فرمائی۔ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

تَسمَعُونَ، ويُسمَعُ منكم، ويُسمَعُ ممن يَسمَعُ مِنكُم۔[3]

تم سن رہے ہو، اور تم سے سنا جائے گا، اور جنہوں نے تم سے سنا ہے ان سے سنا جائے گا۔

جس کا مطلب یہ ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعینؓ رسول اللہ ﷺ سے احادیث سنیں گے اس کے بعد لوگ پوچھیں گے جو سن کر آگے آنے والی نسل کو منتقل کریں گے اس طرح یہ سلسلہ چلتا رہے گا۔ ہر دور میں حدیث کی تعلیم جاری وساری رہے گی۔

---

[1]۔ بخاری، **صحیح**:2680/6، ح:6931

[2]۔ ابن بطال، علی بن خلف، **شرح بخاری**، (مکتبۃ الرشد، سعودی، 2003ء):285/10

[3]۔ ابوداود، **سنن**:500/5، کتاب العلم، باب فضل نشر العلم:3659

اسی طرح نہ صرف رسول اللہ ﷺ مجمع عام میں احادیث بیان فرماتے بلکہ عام وفود جب آتے اور خدمت اقدس میں رہ کر جانے کی اجازت طلب کرتے تو آنحضرت ﷺ انہیں رخصت کرتے وقت حدیث اور دین کی تعلیم دیتے اور فرماتے:

فَاحْفَظُوهُنَّ، وَادْعُوا إِلَيْهِنَّ مَنْ وَرَاءَكُمْ-[1]

اے گروہ! [میری ان باتوں] کو ضرور بالضرور یاد کر لو اور اپنے علاوہ جو ہیں، ان کی اطلاع دو۔

یہ رسول اللہ ﷺ کی عام وفود کو دعوت دین اور تعلیم حدیث اور دین کا طریقہ تھا، جس وجہ سے احادیث بھی محفوظ ہو جاتیں اور پیچھے رہ جانے والوں تک رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات اور احادیث مبارکہ پہنچ جاتیں تاکہ سب مسلمان دین پر ٹھیک ٹھیک عمل کر سکیں۔

حافظ ابن حجرؒ اس فقرہ کی وضاحت میں لکھتے ہیں:

يَشْمَل من جاؤوامِنْ عِنْدِهِمْ وَهَذَا بِاعْتِبَارِ الْمَكَانِ وَيَشْمَلُ مَنْ يَحْدُثُ لَهُمْ مِنَ الْأَوْلَادِ وَغَيْرِهِمْ وَهَذَا بِاعْتِبَارِ الزَّمَانِ-[2]

یہ ان لوگوں کو بھی شامل ہے جن کے پاس سے یہ لوگ آئے تھے اور یہ بات مکان کے لحاظ سے ہے اور ان آئندہ نسلوں کو بھی شامل ہے جو بعد کو پیدا ہونے والی ہیں اور یہ بات زمانے کے حساب سے ہو گی۔[3]

اسی طرح سیدنا حضرت ابو ہریرہؓ نے علم چھپانے اور مسئلہ معلوم ہونے کے باوجود نہ بتانے کو کتمان علم میں شمار کیا ہے اور حدیث مبارک میں وارد وعید کی وجہ سے امت علم کو پہنچایا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ سُئِلَ عَنْ عِلْمٍ عَلِمَهُ ثُمَّ كَتَمَهُ أُلْجِمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِلِجَامٍ مِنْ نَارٍ-[4]

کسی شخص سے ایسے علم کے بارے میں سوال کیا گیا جس کو وہ جانتا ہو پھر بھی اس نے اس کو چھپا کر رکھا تو قیامت کے دن اس کو جہنم کی لگام ڈال دی جائے گی۔

---

1. ابوداؤد، **مسند**: ۴/۴۶۵، ما اسند عبداللہ بن عباس، ابو جمرة نصر بن عمران: 2870

2۔ عسقلاني، بن حجر، ابوالفضل، احمد بن علی، شافعي، **فتح الباری شرح صحیح البخاری** (دارالمعرفۃ- بیروت، 1389): 135/1

3

4۔ ترمذي، **سنن**: 29/5

اس سے معلوم ہوا کہ ایسا مسئلہ جس کی ضرورت بھی ہوا، سوال کرنے والے نے سوال کیا ہو تو جانتے ہوئے نہ بتانے والا گناہگار ہوگا۔ البتہ اگر پوچھا گیا مسئلہ ہی ایسا ہے کہ جس کی کوئی ضرورت ہی نہ ہو تو اس کا بتلانا واجب نہیں ہے بلکہ مسؤل کو جواب دینے اور نہ دینے کا اختیار ہے۔[1]

دوسری طرف جان بوجھ کر آپ کی طرف جھوٹی بات کو منسوب کرنے کا نتیجہ جہنم میں ٹھکانہ بنانا ہے۔[2] ایک طرف مسئلہ جانتے ہوئے نہ بتانے پر وعید، دوسری طرف حد درجہ احتیاط کا حکم تاکہ حدیث اور شرعی مسئلہ بتائیں بھی تو بہت زیادہ احتیاط کے ساتھ بتائیں۔

حضور ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے صرف احادیث بیان ہی نہیں فرماتے بلکہ پوچھتے بھی تھے۔ ان سے امتحان بھی لیتے تھے۔ ایک معمولی سی بات جو کہ فرض وواجب بھی نہیں، اس کا بھی اہتمام فرمایا چنانچہ ایک صحابی کو سونے کی دعا تلقین فرمائی، دعا یہ ہے:

آمَنْتُ بِكِتَابِكَ الَّذِي أَنْزَلْتَ، وَنَبِيِّكَ الَّذِي أَرْسَلْتَ[3]

میں تیری نازل کردہ کتاب پر اور تیرے بھیجے ہوئے نبی پر ایمان لایا

اس دعا کی تلقین کے بعد دہرانے کا فرمایا۔ صحابی نے آخری فقرہ نَبِيِّكَ کے لفظ کو رَسُولِكَ سے بدل دیا، جس کی رسول اللہ ﷺ نے اصلاح فرمادی۔[4] آنحضرت ﷺ کی عام گفتگو کا یہ معمول تھا کہ ہر ہر بات کو تین تین مرتبہ دہراتے۔[5] تاکہ بات سمجھ میں آجائے اور جو یاد رکھنا چاہے یاد رکھ لے۔

رسول اللہ ﷺ کے ساتھ صحابہ اکرامؓ کا بے پناہ تعلق اور محبت تھی، جس وجہ سے وہ کوئی بات، کوئی کام یا عمل جیسا رسول اللہ ﷺ کو کرتا ہوا دیکھتے۔ اسی طرح اسی انداز میں کرنے کے قائل تھے، اپنی زندگی میں اگر کوئی کام ان کے سامنے اہمیت رکھتا تھا تو وہ رسول اللہ ﷺ کے ارشادات تھے، جس کو ایک گاڈفری ہگنس بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

---

[1] ۔ مبارکپوری، عبدالرحمن بن عبدالرحیم، تحفۃ الاحوذی شرح ترمذی (دار الکتب العلمیہ - بیروت): 341/7

[2] ۔ عسقلاني، بن حجر، ابوالفضل، احمد بن علی، شافعي، **الإصابة في تمييز الصحابة** (، دار الکتب العلمیہ– بیروت طبع اول 1415ھ): 47/1

[3] ۔

[4] ابوداود، **سنن**: 741/4

[5] **بخاری، صحیح**: 48/1، ح: 95

"عیسائی اس بات کو یاد رکھیں کہ محمد ﷺ کے پیغام نے وہ نشہ آپ کے پیروکاروں میں پیدا کر دیا تھا جس کو عیسیٰؑ کے ابتدائی پیروکاروں میں تلاش کرنا بے سود ہے اور میں تو کہتا ہوں کہ عیسائی ہی نہیں بلکہ دنیا کو یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اس نشہ کی نظیر نہ اس سے پہلے دیکھی گئی اور نہ اس کے بعد دیکھی جاسکتی ہے۔"[1]

یہ حضور ﷺ اور صحابہؓ کے آپ سے تعلق پر بڑی دلیل ہے کہ کسی اور نبی اور تاریخ عالم میں کسی اور شخصیت کے ساتھ اس قدر مضبوط تعلق کی کوئی مثال اور نظیر دنیا پیش کرنے سے قاصر ہے اور قیامت تک کوئی اس کی مثال پیش بھی نہیں کر سکتا۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر عروہ بن مسعود کا آنکھوں دیکھا حال اور صحابہؓ کی بے پناہ محبت بھی رسول اللہ ﷺ کی عظمت کی گواہ ہے۔ صحابہؓ تو رسول اللہ ﷺ کے بال مبارک کو بھی دنیا اور ومافیہا سے زیادہ محبوب سمجھتے تھے۔

رسول اللہ ﷺ کا معمول یہ تھا کہ قرآن کریم کو کاتبین وحی کے ذریعے لکھوایا جاتا تھا جبکہ احادیث کو لکھنے سے آپ ﷺ نے منع فرمایا تھا پھر اجازت بھی دی ہے۔ حضرت سعد بن عبادہ، حضرت عبد اللہ بن ابی اوفی، حضرت سمرۃ بن جندبؓ اور حضرت جابر بن عبد اللہؓ کے تحریری مجموعوں اور صحائف کا تذکرہ متعدد کتابوں میں موجود ہے۔ نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد حضرت ابوہریرہ نے بہت سے صحائف لکھے۔ جن میں سے ایک صحیفہ ان کے ممتاز شاگرد ہمام بن منبّہ نے "صحیفہ ہمام بن منبہ" مرتب کیا، جس کا مستقل نسخہ آج بھی دستیاب ہے، بعض تحریریں وہ تھیں جو کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے خود لکھوائیں تھیں جن میں حضرت عمرو بن حزمؓ کے نام آپ ﷺ کا گرامی نامہ[2]، حجۃ الوداع کے موقعہ پر ابو شاہ یمنی کو لکھوا کر دیا گیا نصیحت نامہ[3]، مختلف بادشاہوں، حکمرانوں اور گورنروں کے نام خطوط، صلح حدیبیہ، میثاق مدینہ، بیع نامے اور امان نامے بھی رسول اللہ ﷺ کے حکم ہی کے مطابق لکھے گئے۔

نتیجہ بحث:

ان سب دلائل و آراء سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ منتخب کتب اس بات پر متفق ہیں کہ تاریخی اعتبار سے حدیث کا وجود ہے۔ صحابہ کرام کی زندگی میں ان کا حدیث پر عمل پیرا ہونا بھی ثابت ہے۔ یہ ساری کتب متفرق دلائل نقلیہ مختلف انداز میں پیش کرنے میں متفق ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی اس بات کا قائل نہیں کہ احادیث رسول اللہ ﷺ کے زمانے کسی طرح بھی نہیں لکھی گئیں

---

[1]۔ گیلانی، مناظر احسن، **تدوین حدیث**:45

[2]۔ ابو عمر یوسف بن عبد البر (ت 463ھ) **جامع بیان العلم وفضلہ**:71/1

[3]۔ احمد بن حنبل، امام، **مسند الامام أحمد**:232/12

بلکہ ہر ایک نے دلائل کے یہ ثابت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں احادیث لکھی گئیں اور مختلف صحابہ کو خطوط، پیغامات اور لکھی ہوئی نصائح اس کا تاریخی اور بین ثبوت ہیں۔

1.3 ممانعت کتابت حدیث

ایک بہت بڑا اعتراض یہ ہوتا ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے احادیث لکھنے سے منع فرمایا تھا۔

ازالہ:

در حقیقت رسول اللہ ﷺ نے شروع میں احادیث لکھنے سے منع فرمایا تھا مگر بعد احادیث لکھنے کی اجازت بھی عنایت فرمائی تھی۔ یہ شروع میں منع سب کے لیے تھی یا بعض اس تعمیم میں شامل نہیں تھے۔ منع کی روایت ہمیشہ کے لیے تھی یا کچھ عرصہ کے لیے؟، منتخب کتب کتابت حدیث کی ممانعت اور اجازت کے سلسے میں نقلی دلائل پیش کرنے میں متفق ہیں، جو کہ درج ذیل ہیں: ارشاد فرمایا:

1. لَا تَكْتُبُوا عَنِّي، وَمَنْ كَتَبَ عَنِّي غَيْرَ الْقُرْآنِ فَلْيَمْحُهُ.[1]

(مجھ سے نہ لکھا کرو، اور جس نے قرآن کریم کے علاوہ مجھ سے لکھ لکھا ہے وہ مٹا دے۔)

اس حدیث میں منع کرنے کی وجہ بھی سامنے ہے کہ قرآن کے علاوہ رسول اللہ ﷺ سے سن کر جو کچھ لکھا ہے وہ مٹا دیں، تاکہ قرآن کریم کے ساتھ احادیث مبارکہ خلط ملط نہ ہو جائیں جس وجہ سے قرآن کریم ہی محفوظ نہ رہ سکے یا یاد کرنے میں دشواری ہو اور یاد نہ ہو سکے۔

2. اسی طرح ایک دوسری روایت بھی ابو سعید خدریؓ سے ہے کہ انہوں نے آپ ﷺ سے کتابت حدیث کی اجازت چاہی تو آپ ﷺ نے نہیں دی۔[2] حضرت ابو ہریرہؓ سے ہے کہ وہ فرماتے ہیں:

خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللَّهِ–صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ–،وَنَحْنُ نَكْتُبُ الأَحَادِيثَ،فَقَالَ:مَا هَذَا الَّذِيَ كُتُبُونَ؟،قُلْنَا: أَحَادِيثَ نَسْمَعُهَا مِنْكَ.قَالَ: كِتَابٌ غَيْرَ كِتَابِ اللَّهِ!؟،أَتَدْرُونَ؟ مَا ضَلَّ الأُمَمَ قَبْلَكُمْ إِلاَّ بِمَا اكْتَتَبُوا مِنَ الكُتُبِ مَعَ كِتَابِ اللَّهِ تَعَالَى-[3]

---

[1] نووي، ابوزکریا، محی الدین، یحی بن شرف(م676ھ) **صحیح مسلم شرح النووي**:129/18

[2] خطیب بغدادی، **تقیید العلم**:32، 33

[3] ایضاً: ص34

رسول اللہ ﷺ ہماری طرف نکلے تو ہم احادیث لکھ رہے تھے، آپ ﷺ نے فرمایا: تم یہ کیا لکھتے ہو؟ ہم نے عرض کیا کہ آپ سے سنی ہوئی احادیث (لکھ رہے ہیں) آپ ﷺ نے فرمایا: کیا اللہ کی کتاب کے علاوہ بھی کوئی کتاب (لکھتے ہو)! ؟ کیا تم جانتے ہو کہ تم سے پہلی اقوام کیوں گمراہ ہوئیں؟ انہوں نے کتاب اللہ کے ساتھ اور کتاب بھی لکھی جس وجہ سے وہ گمراہ ہو گئے۔

3 آپ ﷺ نے بعد میں احادیث لکھنے کی اجازت بھی عنایت فرمائی تھی بلکہ اس حد تک کہ فرمایا کہ غصہ یا خوشی میں بھی زبان مبارک سے سوائے سچ کے اور کچھ نہیں نکلتا چنانچہ حضرت عمر بن العاصؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے سنی ہوئی پر بات یاد کرنے کی غرض سے لکھتا پھر لوگوں کے اعتراض کی وجہ سے خدمت میں شکایت کی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

اكْتُبْ فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ مَا خَرَجَ مِنْهُ إِلاَّ حَقٌّ-[1]

لکھا کرو۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اس (منہ) سے حق ہی نکلتا ہے۔

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے صاف صاف طور پر حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ کو حدیث لکھنے کی اجازت اعنایت فرمائی، بلکہ تاکید بھی فرمائی ہے۔[2] حضرت ابوہریرہؓ نے حافظے کی کمی کی شکایت کی تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں لکھنے کی اجازت دے دی۔[3] اسی طرح حضرت رافع بن خدیجؓ کو بھی حدیث لکھنے کی کی مطلق اجازت دے دی۔[4] حضرت انسؓ کو بھی کتابت کے ذریعہ علم کی حفاظت کرنے کا حکم فرمایا۔[5]

- **تدوین حدیث:**

شروع شروع میں جس طرح قرآن مجید لکھا جاتا تھا، اسی طرح صحابہ حضور سنتے ہی احادیث بھی لکھنا شروع کر دیں تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں احادیث لکھنے سے منع کیا۔ حدیث کے متعلق بے اعتمادی پھیلانے والوں کی طرف سے پہلی بات جو پیش ہوتی ہے کہ آنحضرت ﷺ کے زمانے میں حدیثیں لکھی نہیں گئیں بلکہ لکھنے کی پیغمبر ﷺ نے ممانعت کر دی تھی۔ ۔۔۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ:

---

[1]۔ خطیب بغدادی، **تقیید العلم**:74-83.

[2]۔ **بخاری، صحیح**:54/1،ح:113

[3]۔ خطیب بغدادی، **تقیید العلم**: ص65، 66

[4]۔ ایضاً: ص72، 73

[5]۔ ایضاً: ص69

من كتب عني غير القرآن فليمحه[1]

جس نے مجھ سے قرآن کے علاوہ جو کچھ لکھا ہے اس کو مٹادے۔

اگر دوسری کوئی روایت نہیں ہوتی تو صرف یہی ایک حدیث اور اس حدیث کے یہی الفاظ ہوتے تو اسی سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی حدیثوں کو آنحضرت کی زندگی ہی کے زمانے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین قلمبند کرنے لگے تھے۔[2]

قرآن کریم اور حدیث میں سے جن چیزوں کی عمومی اشاعت آنحضرت ﷺ فرمارہے تھے۔ ان میں اور جن چیزوں کے متعلق اشاعت عام کا یہ طریقہ نہیں اختیار کیا جاتا تھا۔ ان دونوں کے نتائج وحکام میں فرق پیدا کرنے کی یہی صورت تھی مگر لوگوں نے ایک ایسا طرزِ عمل اختیار کرلیا تھا یعنی جیسے نازل ہونے کے ساتھ قرآن لکھ لیا جاتا تھا۔ اسی طرح سننے کے ساتھ حدیثوں کو لکھنے لگے۔ اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے حدیثوں کے لکھنے کی ممانعت فرمادی۔ گویا یہ سمجھنا چاہیے کہ اسلامی دین کے ان دونوں سرچشموں میں اور ان سے پیدا ہونے والے نتائج واحکام کے مطالبہ کی قوت وضعف میں جو فرق آج سارے جہان کے مسلمانوں کا مانا ہوا ہے اور مسلمہ مسئلہ ہے۔ اس فرق کو باقی رکھنے کی کوشش میں یہ پہلا تاریخی اقدام تھا جو نبوت ہی کے عہد میں خود بارگاہ رسالت کی طرف سے اختیار کیا گیا۔[3]

قیل شناسوں کا ایک گروہ اس قسم کی روایتوں سے جو یہ نتیجہ نکالنا چاہتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کا منشاء مبارک یہ تھا کہ آپ کی حدیثوں سے مسلمان اپنی دینی زندگیوں میں مستفید نہ ہوں، اسی لئے لکھنے والوں کو حدیثوں کے لکھنے سے روک دیا گیا تھا اور جو لکھ چکے تھے ان کو حکم دیا گیا کہ ان مکتوبہ حدیثوں کو ضائع کردیں۔[4] سوال یہ ہوتا ہے کہ سرور کائنات ﷺ کا اگر یہی منشاء ہوتا تو حدیث لکھنے سے منع کرنے کے بعد بجائے یہ فرمانے کے کہ "ہاں! مجھ سے حدیثیں بیان کرو، اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔" یہ کہنا چاہئے تھا کہ "نہیں ہرگز ہرگز نہیں" بلکہ لکھنے کی ممانعت جو اس زمانہ میں کی گئی، اگر اس کی غرض یہی تھی کہ مسلمانوں کو

---

[1] ۔امام حمد بن حنبل، مسند امام احمد بن حنبل، (مؤسسۃ الرسالۃ، ریاض): 251/17، ح: 11159
إسناده صحيح على شرط الشيخين. يزيد: هو ابن هارون، وهمام بن يحيى: هو العوذي. وأخرجه النسائي في "الكبرى" (8008)، والدارمي 119/1، وابن أبي داود في "المصاحف" ص 4 من طريق يزيد بن هارون، بهذا الإسناد. وقد تحرف همام في مطبوع الدارمي إلى هشام!

[2] ۔تدوین حدیث، ص: 236، 237

[3] ۔ایضاً، ص: 241

[4] ۔ایضاً، ص: 242، 243

آنحضرتﷺ کی حدیثوں سے استفادہ کا موقعہ نہ ملے تو اس مشہور حدیث جس میں فرمایا گیا ہے کہ (من کذب علی متعمدا فلیتبوا مقعده من النار) یعنی جو جان بوجھ کر میری طرف جھوٹ کو منسوب کرے گا اسے چاہئے کہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے، اس میں آپ نے اپنی طرف جھوٹی بات کو منسوب کر کے بیان کرنے والوں کو جہنم کی وعید سنائی حالانکہ اگر مطلقاً منع کرنا ہوتا تو جھوٹ ہو یا سچ ہر قسم کی بات کو آپ کی طرف منسوب کر کے بیان کرنے کی ممانعت فرمادیتے۔

اسی طرح منکرین حدیث کے لب ولہجہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حدیثوں سے بجائے کسی فائدے کے مسلمان طرح طرح کی گمراہیوں میں مبتلاء ہو کر اپنے آپ کو نقصان پہنچارہے ہیں خاکم بدہن العیاذ باللہ اگر پیغمبر کی گفتار ورفتار اور سیرت وکردار کے یہی نتائج تھے اور جیسا کہ ان دیوانوں کا بیان ہے کہ ان خطرات کو محسوس کر کے پیغمبرﷺ نے اپنی حدیثوں کی کتابت سے صحابہ کو روک دیا تھا۔[1] تو اس کے نتیجے میں یہ ممانعت ہمیشہ کے لئے اور سب کے لئے ہوتی جبکہ اس کے برخلاف روایات موجود ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ حدیثوں کے بھول جانے کی شکایت جب آنحضرتﷺ کی خدمت میں بعض صحابیوں نے کی تو آپ نے ان کو ہدایت کی کہ اپنے داہنے ہاتھ سے مدد لو (ترمذی)[2] صحیح حدیثوں سے جب یہ ثابت ہے کہ حدیثوں کے بھول جانے کی شکایت پر آپ ﷺ کی دعائی تدبیروں سے ان کے حافظے کو قوی کر دیا گیا۔ سوال یہ ہے کہ جب یہی مقصود تھا کہ کسی طرح امت میں آپ کی حدیثوں کا ذکر نہ پہنچ پائے، لکھنے سے ممانعت کی بھی یہی غرض تھی تو ان صاحب کے حافظے کے بجائے قوی کرنے کے چاہئے تھا کہ اور کمزور کر دیا جاتا کہ کوئی بھی بات ہی آنحضرتﷺ کی ان کو یاد نہ رہتی، خود بخود روایتوں کی منتقلی کا دروازہ اس تدبیر سے بند ہو جاتا۔[3]

ضروری یہ تھا کہ جب روایتوں ہی سے کام لیا جارہا ہے تو سب روایتوں کو پیش نظر رکھ کر نتیجہ تک پہنچنے کی کوشش کی جاتی۔ آخر یہ بھی کوئی صحیح تحقیق وتلاش کا طریقہ ہوا کہ پہلے ایک نصب العین طے کر لیا جاتا ہے اور اس کے بعد روایتوں کا جائزہ لیا جاتا ہے۔ اس مفروضہ نصب العین کی تائید جن روایتوں سے ہوتی ہو ان کو اچھال اچھال کر آسمان تک پہنچا دیا جاتا ہے اور جن سے اس طے شدہ نصب العین پر زد پڑتی ہو ان سے گزرنے والے آنکھیں میچ میچ کر گزر جاتے ہیں۔[4]

---

[1] ۔ایضاً، ص244

[2] ۔

[3] ۔ایضاً، ص245

[4] ایضاً، ص:245

▪ سنت کی آئینی حیثیت

مولانا مودودی ان انکار حدیث میں پیش کردہ استدلالات کی غلطیوں کی نشاندہی کرنے سے پہلے ان تین استدلال کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

1) رسول اللہ ﷺ نے احادیث کو لکھنے سے منع کر دیا تھا۔

2) حضور ﷺ کے زمانے میں اور آپ کے بعد خلفائے راشدین کے زمانے میں بھی قرآن کو محفوظ کرنے کا اہتمام کیا گیا، مگر احادیث کے محفوظ کرنے کا کوئی اہتمام نہیں کیا گیا۔

3) احادیث صحابہؓ وتابعینؒ کے ذہنوں میں چھپی پڑی رہیں۔ کبھی کبھار اتفاقاً کسی کے سامنے ان کا ذکر کر دیا کرتے تھے اور ان کو جمع کرنے کا کام حضور ﷺ کی وفات کے چند سو برس بعد کیا گیا۔ ممانعت کتابت کی جو احادیث ہیں، ان میں صرف احادیث لکھنے سے منع کیا گیا۔ ان میں سے ایک حدیث میں تو بالفاظ صریح حضور نے فرمایا:"حدثوا عنی ولاحرج"[1](میری باتیں زبانی بیان کرو اس میں کوئی حرج نہیں۔)

دراصل یہ بات سرے سے ہی غلط ہے کہ صرف دو حدیثوں کو لیکر ان سے نتائج اخذ کر ڈالے جائیں، اور اس سلسلے کے تمام دوسرے متعلقہ واقعات کو نظر انداز کر دیا جائے۔ ممانعت حدیث کی وجوہات درجِ ذیل تھیں:

1۔ وہ یہ ہے کہ نبی ﷺ جس زمانے میں مبعوث ہوئے ہیں۔ اس وقت عرب کی پوری قوم ان پڑھ تھی اور اپنے سارے معاملات حافظہ اور زبان سے چلائی تھی قریش جیسے ترقی یافتہ قبیلے کا حال مورخ بلاذری کی روایت کے مطابق یہ تھا کہ اس میں صرف سات آدمی لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ مدینہ کے انصار میں بلاذری ہی کے بقول گیارہ سے زیادہ آدمیوں کو لکھنا پڑھنا نہ آتا تھا۔[2]

2۔ احادیث کو زبانی یاد کرنے کی حوصلہ افزائی کرنا۔ اہل عرب ہزاروں برس سے اپنے کلام کتابت کے بجائے حفظ و روایت اور زبانی کلام سے ملانے کے عادی تھے، اور یہی عادت ان کو اسلام کے ابتدائی دور میں بھی برسوں تک رہی۔ ان حالات میں قرآن کو یاد

---

[1] سنت کی آئینی حیثیت:350

[2] ۔ایضاً، ص:350

کرنے کے لیے تو کتابت ضروری سمجھی گئی کیونکہ اس کا لفظاً و معنیً آیات اور سورتوں کی ٹھیک اسی ترتیب کے ساتھ جو اللہ تعالی نے مقرر فرمائی تھی محفوظ کرنا مطلوب تھا لیکن حدیث کے معاملہ میں اس کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی کیونکہ اس میں مخصوص الفاظ اور ان کی خاص ترتیب کے ہونے کا نہ دعوی تھا نہ قصور بلکہ مقصود ان احکام اور تعلیمات و ہدایات کو یاد رکھنا اور پہنچانا تھا جو صحابہ کو حضورؐ سے ملی تھیں۔ اس باب میں زبانی نقل و روایت کی محض کھلی اجازت ہی نہ تھی بلکہ کثرت احادیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو بار بار اور بکثرت اس کی تاکید فرمائی تھی۔ مثال کے طور پر چند احادیث ملاحظہ ہوں:

- زید بن ثابت، عبداللہ بن مسعود، زبیر بن مطعم اور ابوالدرداء یہ حضرات حضور کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں:

  نَضَّرَ اللهُ امْرَأً سَمِعَ مِنَّا حَدِيثًا حَفِظَهُ حَتَّى يُبَلِّغَهُ، فَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ إِلَى مَنْ هُوَ أَفْقَهُ مِنْهُ، وَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ لَيْسَ بِفَقِيهٍ

- ابو بکر کہتے ہیں کہ حضور نے فرمایالیبلغ الغائب الشاهدعسى ان يبلغ من هو اوعى منه "جو حاضر ہے وہ ان لوگوں تک پہنچادے جو حاضر نہیں ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ وہ کسی ایسے آدمی تک پہنچادے جو اس سے زیادہ سمائی رکھتا ہو۔ (بخاری و مسلم)[1]

- ابو شریح کہتے ہیں کہ فتح مکہ کے دوسرے دن حضور نے خطبہ دیا ہے میں نے اپنے کانوں سے سنا ہے اور خوب یاد رکھا ہے اور وہ موقع اب تک میری آنکھوں میں سمایا ہوا ہے۔ خطبہ ختم کر کے حضور نے فرمایا ولیبلغ الشاهد الغائب "جو حاضر ہیں وہ ان لوگوں تک پہنچا دیں جو حاضر نہیں ہیں۔ (بخاری)[2]

- **سنت خیر الانام:**

عصر رسالتمآب میں اگرچہ احادیث نبوی کی حفاظت کا دار و مدار اکثر توت یاد و حفظ پر تھا لیکن اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا بھی قطعاً غلط ہے کہ اس زمانہ میں حضور کے ارشادات بالکل قلمبند کئے ہی نہیں گئے۔ ایسی شہادتیں کثرت سے ملتی ہیں کہ بار ہا حضور انور نے خود کئی مسائل کو اپنی نگرانی میں لکھوا دیا اور کئی ایک صحابہ کو جن کو لکھنے کی پوری مہارت تھی انہیں احادیث کو ضبط کرنے کی اجازت بھی بہت فرمائی۔[3]

---

[1] ۔ایضاً، ص:352

[2] ۔ایضاً، ص:354

[3] ۔سنت خیر الانام، ص:106

چند گرامی نامے درجِ ذیل ہیں:

1 ایک گرامی نامہ زکوۃ کے متعلق تھاجو فلیف اول حضرت ابو بکرے کے پاس محفظ تھا۔

2 ایک گرامی نامہ میں مین کی طرف ارسال کیا۔ یہ وہ خط ابو بکر بن عمرو بن حزم کے پاس موجود تھا۔

3 ایک گرامی نامہ وہ تھاجو کہ زہیر کو بھیجا گیا تھا۔

4 ایک وہ تھاجو کہ خلیفہ حضرت عمر فاروق کے پاس تھا۔

5 عہد رسالت میں جو حضرات احادیث طیبہ کو قلم بند کیا کرتے تھے ان میں حضرت عبداللہ بن عمرو عبداللہ بن عمرو بن العاص خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔اول الذکر کے متعلق تو حضرت ابوہریرہ کے اس قول سے وضاحت ہوتی ہے۔آپ سے مروی ہے۔[1]

ممانعت کے مخاطب عام لوگ ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ عرب عام طور پر لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے۔ سب سے پہلے اسلام نے ان کو اس کی طرف متوجہ کیا۔ فن کتابت ان کے لئے بالکل انوکھا فن تھا۔ جس میں پختہ ہونے کے لئے کافی مشق اور وقت کی ضرورت تھی۔ اگر سنت نبوی کو لکھنے کی عام اجازت دی جاتی تو اس سے یہ اندیشہ تھا کہ نوآموزی کے باعث آیات قرآنی کے ساتھ احادیث کا اختلاط نہ ہو جائے۔ اس خطرہ کے انسداد کے لئے عوام الناس کو روکا گیا۔ لیکن جو اس فن میں مہارت اور کمال حاصل کر چکے تھے انہیں صرف اجازت ہی نہیں بلکہ حکم دیا گیا کہ اکتب،ماخرج منی الاالحق۔ ضرور لکھو جو مجھ سے سنو۔ کیونکہ میں ہمیشہ کی اور حق بات ہی کہتاہوں۔[2]

- **حجیت حدیث:**

ممانعت والی حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اس وقت قرآن مجید کے لکھنے کا اہتمام کرو۔ ایک ایک لفظ کی حفاظت ضروری ہے کہ نماز بغیر اس کی قراءت کے درست نہیں۔[3] جن لوگوں نے از خود حدیث نبوی کی اجازت چاہی ان کو اجازت دی اور وقت ضرورت

---

[1] ۔ایضا،ص:108

[2] ،ایضاً،ص:110

[3] ۔ حجیت حدیث،ص:128

خود بھی خاص خاص احکام اور خاص خاص خطبوں کے لکھنے کا حکم دیا تاکہ معلوم ہو جائے کہ کتابت حدیث میں ذرہ برابر بھی کوئی حرج نہیں بلکہ مستحسن ہے۔[1]

جب خرافات اور مہملات کی کتابت کسی ضرورت یا مصلحت سے قبیح نہیں تو احادیث نبویہ اور کلمات قدسیہ جن کے جواہر اور یواقیت موعظت ہونے میں ذرہ برابر بھی شبہ نہیں ان کی کتابت تو قطعاً کسی طرح قبیح ہو ہی نہیں سکتی۔[2]

- **آئینہ پرویزیت**

جس وجہ سے صحابہ نے احادیث لکھنا چھوڑ دی۔ مگر اس کے ساتھ وہ حدیث کی حفاظت کا اہتمام کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ کا مشہور واقعہ ہے کہ وہ مدینہ منورہ سے دو میل دور فاصلہ پر رہتے تھے، انہوں نے اپنے پڑوسی صحابی حضرت عتبانؓ کے ساتھ باری رکھی ہوئی تھی کہ ایک دن وہ بارگاہ رسالت میں جاکر رسول کے ارشادات سنیں اور انہیں بتائیں اور عمر اس دن کاروبار کریں، دوسرے دن عمر جاتے اور ان کو اس دن کی روئیداد بتاتے۔[3] جس سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف لکھنے سے شروع میں منع فرمایا تھا جبکہ صحابہ کا اہتمام یہ بتاتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی احادیث یاد کی جاتی تھیں۔[4]

گو اصل حدیث سے صرف اتنا ہی معلوم ہوتا ہے کہ روایت حدیث میں حزم و احتیاط کو ملحوظ خاطر رکھا جائے چونکہ حزم و احتیاط کا دامن چھوٹ جاتا ہے۔ لہٰذا کثرت روایت سے پرہیز ہی بہتر ہے۔[5]

حافظ صاحب نے اپنے مطلب کی بات جو ابن ماجہ میں تھی وہ تو بیان کر دی مگر جن احادیث میں حدیث کو حفظ کرنے، یاد رکھنے اور پھر ان کو دوسروں تک پہنچانے کے تاکیدی احکام آپ نے خود دیئے تھے وہ سب چھوڑ گئے۔ جن میں

1۔ وفد عبد القیس، 2۔ عام الوفود، 3۔ خطبہ حجۃ الوداع کی مثالیں موجود ہیں۔[6]

نتیجہ بحث:

---

[1] ۔ ایضاً، ص: 28،29

[2] ۔ ایضاً، ص: 130

[3] ۔ **سنت خیر الانام**: 101

[4] آئینہ پرویزیت: 453

[5] ایضاً، ص: 454

[6] ۔ ایضاً، ص: 454

حدیث لکھنے یا نہ لکھنے کے متعدد وجوہات تھیں جو کہ درج ذیل ہیں:

1. آپ نے کتابت حدیث سے اس وقت منع فرمایا تھا کیونکہ قرآن کریم کا نزول ہو رہا تھا۔اس ڈر سے کہ کہیں قرآن وحدیث دونوں باہم خلط ملط نہ ہو جائیں۔جب التباس کا خطرہ ٹل گیا تو لکھنے کی اجازت عنایت فرمائی۔

2. ممانعت کا مطلب یہ تھا کہ قرآن وحدیث دونوں کو ایک ہی صفحہ پر ایک جگہ نہ لکھا جائے۔اگر دونوں کو الگ الگ لکھا جائے اور التباس کا ڈر نہ ہو تو لکھنے کی اجازت ہے۔

3. آپ نے پہلے کتابت حدیث سے اس خطرہ کے پیش نظر منع فرمایا کہ کتاب وسنت دونوں مخلوط نہ ہو جائیں یا لوگ صرف تحریر پر بھروسہ کر کے قوت حافظہ کی اہمیت سے غافل نہ ہو جائیں گے اور اس طرح قوت حافظہ بیکار ہو جائے گا۔جب التباس کا خطرہ باقی نہ رہا اور اس بات کا بھی اطمینان ہو گیا کہ لوگ تحریر پر بھروسہ نہیں کریں گے تو آپ نے اس کی اجازت دے دی۔لہذا دوسرا حکم پہلے حکم کا ناسخ ہے۔

4. بعض علماء اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ حضرت ابو سعید خدری کی روایت کردہ حدیث دراصل حدیث نہیں بلکہ یہ ان کا اپنا قول ہے۔امام بخاری اور دیگر محدثین نے اس خیال کا اظہار کیا ہے۔

5. منتخب کتب ممانعت اور اجازت کے متعلق احادیث پیش کرنے میں متفق ہیں۔

6. مولانا مناظر احسن گیلانی ممانعت والی حدیث سے کتابت حدیث کے وجود کو ثابت کیا۔

7. جن صحابہ نے احادیث لکھنے کی شکایت کی آپ ﷺ نے ان کو دعا بھی اور ہاتھ سے لکھنے کا حکم بھی دیا جو کہ اجازت حدیث کا ایک بین ثبوت ہے۔

8. آنحضرت ﷺ کے گرامی خطوط اور مواعظ حسنہ دوسروں تک پہنچانے کے احکامات اجازت حدیث پر دلالت کرتے ہیں

1.4 صحابہ کرامؓ اور حدیث رسول ﷺ:

شبہ

خلفائے راشدین نے حدیث بیان کرنے سے منع کیا اور اس کے متعلق سختی کی۔اس لیے حدیث ہمارے لیے حجت نہیں۔

ازالہ

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعینؓ احادیث کو حجت مانتے تھے اور تشریع احکام میں قرآن کریم کے ساتھ اصل اور مصدر شرع مانتے تھے۔ وہ اپنے زمانے میں پیش آمدہ مسئلہ کا حل اور حکم سب سے پہلے قرآن کریم میں تلاش کرتے تھے۔ اگر مل جاتا تو فبہا ورنہ احادیث مبارکہ کی طرف رجوع کرتے تھے اور انہی احادیث کی روشنی میں فیصلے کیا کرتے تھے۔ اگر کسی حدیث میں کوئی مسئلہ نہیں ملتا تو وہ اجماع یا اجتہاد سے کام لیتے تھے۔ ساتھ ہی ساتھ حدیث مبارک کو قبول کرنے یا نہ کرنے کی انہوں بھی شرائط رکھی ہوئی تھیں تاکہ کوئی بدخواہ حدیث میں اپنی بات نہ ملالے یا کوئی جھوٹی حدیث نہ بنالے۔ جس کی واضح امثلہ درجِ ذیل ہیں:

ابو بکر صدیقؓ:

رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد صدیق اکبرؓ کا دور خلافت آیا۔ خلافت کا بوجھ کندھوں پر آنے کے بعد آپؓ نے بیرونی خطرات اور اندرونی سازشوں کو آیات قرآنیہ، احادیث مبارکہ اور اپنی بصیرت کی روشنی میں ختم کیا۔ جس کی یہ بات شاہد ہے کہ سیدنا صدیق اکبر کو احادیث مبارکہ یاد تھیں۔ انہی احادیث کی روشنی میں آپؓ فیصلے کرتے تھے۔ حضرت ابو بکرؓ نے خلیفہ ہونے کے وقت خطبہ دیا:

> أَطِيعُونِي مَا أَطَعْتُ اللَّهَ وَرَسُولَهُ، فَإِذَا عَصَيْتُ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَلَا طَاعَةَ لِي عَلَيْكُمْ-[1]
>
> جب تک میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کروں تو میری اطاعت کرو، اگر میں اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کروں تو تم پر میری اطاعت لازم نہیں۔

کسی گروہ یا جماعت کے امیر کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ وہ پہلے باعمل بن جائے تو اس کے نتیجے میں ماتحت بھی عمل کرنے والے بن جاتے ہیں۔ حضرت ابو بکر صدیق نے واضح پیغام دیا ہے کہ جب تک وہ خود اللہ اور رسول کے مطیع واور فرمانبردار رہیں تو لوگوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ بھی ان کی اطاعت و فرمانبرداری کریں۔[2]

- **سنت کی آئینی حیثیت اور حجیت حدیث:**

فدک کا مسئلہ ہماری تاریخ کا بڑا مسئلہ ہے۔ حضرت فاطمہؓ اور حضرت عباسؓ میراث کے لیے آئے تو آپؓ نے فرمایا:

---

[1] صنعاني، عبدالرزاق، أبو بكر بن همام،، **المصنف**، (دار التأصيل: 2013ء): 358/10

[2] ۔ سنت کی آئینی حیثیت، ص: 113

سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: لَا نُورَثُ، مَا تَرَكْنَا صَدَقَةٌ[1]

میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا، ہم میراث نہیں چھوڑتے،، جو کچھ ہم چھوڑ کر جاتے ہیں وہ صدقہ ہوتا ہے۔

جس وجہ سے حضرت ابو بکرؓ نے ان سے معذرت کر لی اور رسول اللہ ﷺ کی میراث کو تقسیم نہیں فرمایا بلکہ صدقہ والی بات پر عمل کیا۔ یہ حدیث رسول ﷺ ہی کی وجہ سے حضرت ابو بکر صدیقؓ نے فیصلہ کیا۔ قرآن مجید میں یہ فیصلہ کہیں بھی نہیں۔[2] اگر حضرت صدیق اکبرؓ حدیث کو حجت نہیں مانتے تو پھر حدیث پر عمل کو نکر کرتے ؟[3]

اسی طرح احادیث رسول ﷺ کے سلسلے میں آپ کا نظریہ دوٹوک تھا۔ مصلحت پسندانہ یا دنیوی ملحوظات سے پاک تھا۔ حضور ﷺ کی وفات کے بعد جیش اسامہؓ اور مانعین زکوٰۃ[4] کے لیے جو اقدامات کیے وہ سنت رسول ﷺ کی پوری پوری اتباع میں کئے جو کہ سنت رسول کی حجیت اور اس کی اہمیت کے لیے کافی ہے کیونکہ اس وقت کے حالات کے پیش نظر یہ اقدامات مشکل ترین اور بظاہر ناممکن تھے۔[5] مولانا مودودی حضرت ابو بکر صدیق کے متعلق ابن قیمؒ کا قول نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

لا يُحْفَظ للصديق خلاف نصّ واحدٍ أبدًا.[6]

حضرت ابو بکر صدیقؓ کی زندگی میں نص کے خلاف ورزی کی ایک مثال بھی نہیں ملتی۔

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق کتاب و سنت کا کس قدر اہتمام کرتے تھے اور انہوں نے عمل بالسنہ میں کمال پیدا کیا تھا۔[7]

- **سنت خیر الانام، حجیت حدیث:**

حضرت ابو بکرؓ کی خدمت میں ایک خاتون آئی اور اس نے اپنے پوتے کی وراثت چاہی۔ آپؓ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین

---

[1] ۔ **بخاری، صحیح**: 149/8، کتاب الفرائض، باب قول النبی ﷺ لا نورث ما ترکنا صدقۃ ح: 6725

[2] ۔ عینی، بدر الدین، محمود بن محمد، **عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری** (دار احیاء التراث بیروت، مکتبہ شاملہ میں 1431ھ میں شامل کیا گیا ہے): 232/23

[3] ۔ سنت کی آئینی حیثیت: 115، حجیت حدیث، ص: 148

[4] ۔ طبری، ابو جعفر، محمد بن جریر، **اختلاف الفقہاء**، (دار الکتب العلمیۃ): 473/2، 504

[5] ۔ سنت کی آئینی حیثیت، ص: 115

[6] ۔ ایضاً: 102/1

[7] ۔ ایضاً، ص: 113

سے دریافت کیا تو حضرت مغیرہ بن شعبہؓ نے کہا کہ حضور نے دادی کو چھٹا حصہ دلوایا تھا۔ محمد بن مسلمہؓ نے اس کی تصدیق کی، حضرت ابو بکرؓ نے حضور ﷺ کے اس فیصلے بنیاد بنا کر وہ حصہ دلوایا۔[1]

- **تدوین حدیث:**

اسی طرح حضرت صدیقہ عائشہؓ اپنے والد محترم حضرت ابو بکر صدیقؓ کے باری میں بتائی ہیں:

جمع ابی الحدیث عن رسول اللہ ﷺ کانت خمس مائة حدیث -[2]

میرے والد نے رسول اللہ ﷺ کی احدیث جمع کیں۔ وہ پانچ سو احادیث تھیں۔

جس سے یہ معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین حفظ کے ساتھ احادیث مبارکہ کو لکھنے کا بھی اہتمام کیا کرتے تھے ۔ صدیق اکبرؓ نے بھی احادیث جمع کیں مگر رسول اللہ ﷺ سے محبت کا وہ مقام کہ کہیں رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب بات میں چوک نہ ہو جائے۔ اس ڈر سے تلف کر دیں۔ آج ان کی احادیث کا مجموعہ موجود نہیں۔ اسی طرح کے واقعات بھی ملتے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ حدیث میں خصوصی شغف رکھتے تھے۔ اس سلسلے میں صدیق اکبرؓ کے مجموعہ حدیث کو بھی پیش کیا جا سکتا ہے۔ ابن سیرینؒ کہتے ہیں کہ جب حضرت ابو بکر صدیقؓ کے سامنے حضور ﷺ کے قول یا فعل کا کوئی نمونہ نہیں ہوتا تب آپ اجتہاد کرتے۔[3]

- **تدوین حدیث:**

اسی محبت کی عظمت کو مناظر احسن گیلانیؒ بیان کرتے ہیں کہ چند لمحوں کے لیے ایک مسلمان یہ خوشی محسوس کرتا ہے کہ ابتدائے اسلام میں حکومت کی طرف سے نبی کریم ﷺ کے بعد خود انہی کے خلیفہ نے حدیث کا مجموعہ تیار کیا۔ گویا حدیثوں کے متعلق دل میں جو شکوک و شبہات پیدا ہوتے ہیں ان کا ہمیشہ ہمیشہ کے لئے انسداد ہو گیا لیکن جس شخص نے خود اس بڑے کام کو سرانجام دیا وہ یہ سوچ کر کہ ایسا کیوں ہو گیا کروٹوں پر کروٹیں بدل رہا ہے اور اس کی آنکھوں سے نیند اڑ گئی۔[4] احادیث کے اہتمام کے لیے اتنا ہی ثبوت کافی ہے کہ ابو بکر صدیقؓ نے بھی احادیث لکھی ہیں۔

- **سنت کی آئینی حیثیت**

حضرت ابو بکرؓ کی طرف روایت حدیث کی ممانعت کی نسبت کی جاتی ہے مگر جس روایت کو پیش کیا جاتا ہے علامہ ذہبیؒ اپنی کتاب

---

[1] سنت خیر الانام، ص:113، حجیت حدیث، ص:145

[2] ۔ذہبی، **تذکرۃ الحفاظ**:5/1

[3] ۔ابن قیم جوزی، محمد بن ابو بکر، **اعلام الموقعین**، (دار الکتب العلمیۃ: بیروت:1991ء):89/1

[4] ۔گیلانی، مناظر احسن، مولانا، **تدوین حدیث**:286

میں اس کے متعلق لکھتے ہیں کہ ابن ابی ملیکہ کی یہ روایت مرسل ہے[1] یعنی اس کے آخر میں انقطاع ہے۔ لہٰذا یہ روایت قابل احتجاج نہیں۔[2]

یہ روایت اس خلیفہ کے متعلق پیش کی جارہی ہے جس کی خلافت "الائمة من قريش "کی بنیاد پر ہوئی اور مزے کی بات یہ ہے کہ یہ حدیث بھی اس نے خود پیش کی۔ علاوہ ازیں دادی کی میراث کا فیصلہ آپؓ نے حدیث ہی کی بنا پر کیا اور یہ حدیث حافظ اسلم جیراج پوری بھی درست تسلیم کرتے ہیں۔[3]

عمر فاروقؓ:

حضرت صدیق اکبرؓ کی وفات کے بعد دوسرے بڑے خلیفہ سیدنا عمر فاروقؓ کا دور خلافت آیا تو آپ نے بھی سنت کی تعلیم کو عام کیا جس کے گواہ ان کے خطبات ہیں جن میں آپؓ نے صحابہ کو خلافت کی مختلف اطراف میں بھیجنے کی وجہ دین اور سنت نبی ﷺ کی تعلیم بیان فرمائی۔[4] اسی طرح عمال اور گورنروں کے بھیجنے کا مقصد لکھتے ہیں:

إِنِّي وَاللَّهِ مَا أَبْعَثُ إِلَيْكُمْ عُمَّالِي لِيَضْرِبُوا أَبْشَارَكُمْ وَلا لِيَأْخُذُوا مِنْ أَمْوَالِكُم؛ وَلَكِنِّي أبعثهم إِلَيْكُم ليعلموكم دِينَكُمْ وَسُنَّةَ نَبِيِّكُمْ.[5]

اللہ کی قسم! میں ان گورنروں اور عاملین کو تمہارے مال اور گردنیں مارنے کے لیے نہیں بھیجتا لیکن صرف اس لیے بھیجتا ہوں تاکہ وہ تمہیں دین اور نبی کی سنت سکھائیں۔

جس میں آپؓ نے عمال اور گورنروں کی تقرری ترجیحی بنیادوں پر کرتے تھے جس میں اس کو ترجیح دی جاتی تھی جو دین اور سنت کا عالم ہو تاکہ لوگوں کو دین سکھائے اور کتاب وسنت کی تعلیم دے۔

- **سنت کی آئینی حیثیت:**

قاضی شریح کے نام ایک خط میں لکھا کہ وہ کوئی حکم کتاب اللہ میں پائیں تو اس کے مطابق فیصلہ کریں۔ اگر کتاب اللہ میں نہ ہو تو سنت رسول میں تلاش کریں۔ اگر مل جائے تو فبہا ورنہ اس کا فیصلہ اس قانون کے مطابق کرو جس پر اجماع

---

[1] ۔ سنت کی آئینی حیثیت، ص:459

[2] ۔ حجیت حدیث، ص:149

[3] ۔ سنت کی آئینی حیثیت، ص:459

[4]. ابو یوسف، یعقوب بن ابراھیم انصاري، امام (التوفی:182ھ) **الخراج** (مكتبة الازھرية للتراث):24

[5]: ایضاً:128

ہو چکا ہو۔[1]

■ تدوین حدیث:

حضرت ابو موسی اشعریؓ جب بصرہ میں حاکم بن کر گئے تو خود ان الفاظ میں صراحت کر دی، فرمایا:

بَعَثَنِي إِلَيْكُمْ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ ، أُعَلِّمُكُمْ كِتَابَ رَبِّكُمْ وَسُنَّتَكُمْ -[2]

عمر نے مجھے بھیجا ہے کہ میں تمہیں تمہارے رب کی کتاب اور تمہارے نبی کی سنت سکھاؤں۔

اس روایت کی روشنی حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کا یہ قول اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت عمرؓ نے بے جا طور پر صحابہ پر نہ تو سختی کی اور نہ ہی کوئی قید و بند کی پابندی لگائی بلکہ انہیں کتاب و سنت کی تعلیم کے لیے خود مختلف اطراف میں روانہ کیا۔ ابن مسعود ایک جلیل القدر صحابی اور سابقین اولین میں سے ہیں۔ حضرت عمران کے قدردان تھے۔ عراق بھیجتے وقت اہل عراق سے فرمایا کہ میں خود پر تمہیں ترجیح دیتا ہوں۔ جہاں تک حضرت ابودرداء کا تعلق ہے ان سے اتنی احادیث مروی بھی نہیں ہیں کہ انہیں مکثرین میں شمار کیا جائے۔ علاوہ ان میں ابوالدرداء بھی ابن مسعود کی طرح شام میں مسلمانوں کے معلم تھے۔[3]

■ آئینہ پروزیت

حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ایسے لوگ آئیں گے جو قرآن کے بارے میں شکوک وشبہات کی بنیاد پر تم سے جھگڑیں گے، لہٰذا انہیں سنت کی طرف لے جاؤ۔ درحقیقت اصحاب سنن اللہ تعالیٰ کی کتاب کے بارے میں زیادہ علم رکھتے ہیں۔[4]

عثمان غنیؓ:

خلیفہ ثالث حضرت عثمان غنیؓ حدیث کی روایت میں حد درجہ احتیاط برتتے تھے۔ آپ کی جملہ روایات کی تعداد ایک سو چھیالیس ہے۔ جن میں تین متفق علیہ ہیں۔ آٹھ صرف بخاری میں اور پانچ صرف مسلم میں ہیں۔ احتیاط کا نتیجہ ہے ورنہ آپ سنت کو

---

[1] ، سنت کی آئینی حیثیت، ص:116، حجیت حدیث، ص:155

[2]۔ دارمی، أبو محمد، عبداللہ بن عبدالرحمن، **مسند الدارمی**، (دار المغنی، سعودی عرب:2000ء):462/1، ح:577

[3]. سباعی، مصطفیٰ بن حسنی، **السنۃ ومکانتھا فی التشریع الاسلامی**، (المکتب الاسلامی:2000ء):23، 65، تدوین حدیث، ص:335، سنت خیر الانام، ص:115، حجیت حدیث ،ص:153

[4]. آئینہ پرویزیت، ص:119

دین میں حجت مانتے تھے اور خود احادیث بیان فرماتے تھے۔

- سنت کی آئینی حیثیت

آپ نے اپنے پہلے خطبے میں فرمایا کہ خبر دار رہو، میں پیروی کرنے والا ہوں، نئی راہ نکالنے والا نہیں۔ مجھ پر کتاب اللہ اور سنت نبوی کی پیروی کے بعد تمہارے تین حق ہیں.[1] جس میں واضح طور پر دوسرے نمبر پر سنت نبویہ کو رکھا ہے۔ جس سے سنت کی اہمیت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ اسی طرح عبدالرحمٰن بن حاطب کہتے ہیں کہ میں نے کسی صحابی کو حضرت عثمان سے زیادہ پوری بات کر نے والا نہیں دیکھا، لیکن وہ حدیث بیان کرتے ہوئے ڈرتے تھے۔[2]

- تدوین حدیث

یہ بھی ایک فطری عمل ہے کہ جس سے جتنی محبت ہو گی اس کی طرف منسوب کر کے بات کرنے میں بھی اسی قدر اہتمام ہو گا اور اسی قدر ڈر بھی ہو گا کہ کہیں وہ بات جو منسوب کی جا رہی ہے اسی طرح ہے یا کچھ اس میں کمی بیشی ہو رہی ہے۔ حضرت عثمانؓ نے قلت روایت کی خود وجہ بیان فرمائی کہ:

> مَا يَمْنَعُنِي أَنْ أحدث عَن رَسُول الله أَنْ لَا أَكُونَ أَوْعَى أَصْحَابِهِ عَنْهُ وَلَكِنِّي أَشْهَدُ إِنِّي سَمِعْتُهُ يَقُولُ: (مَنْ قَالَ عَلَيَّ مَا لَمْ أَقُلْ فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ-)[3]

> مجھے کسی چیز نے حدیث رسول بیان کرنے سے نہیں روکا کہ میں آپ کے صحابہ میں یاد داشت میں بھی ٹھیک ہوں، لیکن میں گواہی دیتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: جس نے ایسی بات کہی جو کہ میں نے نہیں کہی تھی تو وہ اپنا ٹھکانا جہنم کی آگ پر بنالے۔

جس سے معلوم ہوا کہ حضرت عثمانؓ کا حافظہ اور یاد داشت بھی مضبوط تھی اور اگر احادیث بیان کرنا چاہتے تو خوب بیان کر سکتے تھے مگر رسول اللہ ﷺ کی اس وعید کے ڈر سے اور کسی بھی معمولی غلط بات کے منسوب کرنے کے امکان کی وجہ سے احادیث کم بیان کرتے تھے۔[4]

---

[1]. طبری، ابو جعفر، محمد بن جریر، **اختلاف الفقہاء**، (دار الکتب العلمیۃ): 466/3

[2]. زہری، محمد بن سعد، **طبقات الکبریٰ**، (مکتبہ خانجی قاہرہ، مصر: اشاعت اول: 2001ء): 39/3، سنت کی آئینی حیثیت، ص: 117

[3]. احمد بن حنبل، **مسند**: 470/1

[4] تدوین حدیث، ص: 401

- آئینہ پرویزیت

حضرت عثمان غنی نے اپنی شہادت کے وقت باغیوں سے چار احادیث ہی سے احتجاج کیا تو کیا ان کے متعلق یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ حدیثوں کی پرواہ نہ کرتے تھے۔[1]

علی کرم اللہ وجہ:

خلیفہ چہارم سیدنا علیؓ کا حدیث قبول کرنے یا نہ کرنے کا طریقہ جداگانہ تھا۔ آپ کا یہ معمول تھا کہ جب کوئی آپ کے سامنے رسول کریم ﷺ کی طرف منسوب کر کے بات کرتا تو اس سے قسم لیتے تھے۔[2] اسلام کا دائرہ بہت وسیع ہو چکا تھا مختلف اقوام وطبقات کے لوگ مسلمان ہو ہو کر اسلامی جماعت میں جوق در جوق شریک ہو رہے تھے اور ان سب کے ایمان واسلام کی حالت وہی نہ تھی جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی تھی۔

- تدوین حدیث:

غالباً یہی وجوہات تھیں جن کی بناء پر حضرت علی اس حدیث کا اعلان عموماً منبر سے فرماتے:

قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا تَكْذِبُوا عَلَيَّ، فَإِنَّهُ مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ فَلْيَلِجِ النَّارَ-[3]

رسول کریم ﷺ نے فرمایا: میری طرف جھوٹی بات منسوب نہ کیا کرو جو میری طرف جھوٹ منسوب کرے گا۔ وہ آگ میں جھونکا جائے گا۔

رسول اللہ ﷺ کی طرف جھوٹی بات منسوب کرنا جب اس قدر خطرناک ہو تو پھر یقیناً زیادہ احتیاط کی ضرورت ہو گی۔ آنحضرت ﷺ کی طرف جھوٹی بات منسوب کرنے سے لوگوں کو بھی تنبیہ کرتے اور خود بھی احتیاط کرتے۔ مختلف مواقع پر اظہار فرماتے کہ رسول اللہ ﷺ پر جھوٹ باندھنے کے بجائے اپنے اوپر آسمان کا گر جانا بہتر ہے۔[4]

عقلی دلیل:

---

[1] ۔ایضاً، ص:462

[2]۔ابوداؤد، **سنن**:139/7، کتاب السنۃ، باب فی قتال الخوارج ح:4762،

[3]۔بخاری، **صحیح**:52/1، کتاب العلم باب اثم من کذب:106

[4]۔تدوین حدیث، ص:4065

حدیث کے سلسلے میں خلفائے راشدین کے علاوہ دیگر سب صحابہ کا بھی حال یہی تھا کہ وہ حدیث کو دین میں حجت سمجھتے تھے۔ حضرت عمران بن حصینؓ سے ایک شخص نے کسی مسئلہ کا ثبوت قرآن کریم سے مانگا، تو آپ نے اس سے پوچھا کہ ظہر کی چار رکعتوں کا کہیں قرآن مجید میں تذکرہ ہے؟ اسی طرح جہری قرأت کس نماز میں کرنی ہے؟ بعدازاں آپ نے نماز، زکوۃ اور دیگر چیزوں کو شمار کر کے فرمایا کہ کیا تم یہ ساری چیزیں کتاب اللہ میں پوری تفصیل کے ساتھ پاتے ہو؟[1] بات یہ ہے کہ کتاب اللہ نے اس کو مبہم رکھا اور سنت نے اسکی تفسیر کی۔ واقعی یہ اور اس طرح کے دیگر مسائل احادیث ہی میں ملیں گے۔ مطرف بن عبداللہ بن الشخیر سے کسی نے کہا کہ ہمارے سامنے صرف قرآن بیان کیا کریں، یہ سن کر مطرف نے فرمایا کہ واللہ! ہم بھی قرآن کے بجائے کسی دوسری چیز کا ارادہ نہیں کرتے، مگر ہم اس ذات قدسی صفات ﷺ کا ارادہ کرتے ہیں جو قرآن کو ہم سے زیادہ جانتے تھے۔[2]

- **تدوین حدیث:**

یہی مضمون امام احمد سے بھی مروی ہے کہ سنت، کتاب اللہ کی تشریح اور تفسیر کرتی ہے۔ یہ کہ سنت بھی کتاب کی طرف لے جانے والی ہے، بایں معنی کہ کتاب اللہ نے سنت پر عمل کرنے اور سنت کی پیروی کرنے کو واجب قرار دیا ہے، ایک موقعہ پر حضرت عبداللہ نے فرمایا کہ گودنے اور گودوانے والی عورتوں پر اللہ کی لعنت ہے۔ ایک عورت نے اعتراض کیا کہ پورے قرآن میں یہ حکم مجھے نہیں ملا، آپ نے فرمایا کہ کیا قرآن کریم میں یہ حکم موجود نہیں۔ جو کچھ تمہیں رسول اللہ ﷺ دیں اسے لے لو اور جس سے روک دیں، سے رک جاؤ۔[3]

یہ حدیث امام احمد، امام بخاری اور امام مسلم نے مختلف الفاظ میں روایت کی ہے۔ امام اوزاعی حبان بن عطیہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ پر وحی نازل ہوتی تھی اور جبریلؑ آپ کے پاس صحف لے کر آتے تھے جو اس وحی کی تفسیر کرتے تھے۔ اس بنا پر امام اوزاعیؒ کے بقول سنت کو قرآن سے سمجھنے کے بجائے قرآن کو سنت سے سمجھنے کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے۔[4]

- **سنت کی آئینی حیثیت**

خبردار رہو ہمارے اوپر تمہارا یہ حق ہے کہ ہم اللہ عزوجل کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت کے مطابق عمل کریں اور تم پر وہ حق

---

[1]. نیشاپوری، حاکم، ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ، **مستدرک علی الصحیحین**:192/1، ح:372

[2]۔ابن عبدالبر، **جامع بیان العلم وفضلہ**:1193/2، ح:2349

[3]. صنعانی، عبدالرزاق، **مصنف عبدالرزاق**، (دار التاصیل:2013ء):415/3، ح:5249

[4]۔تدوین حدیث، ص:262

قائم کریں جو کتاب و سنت کی رُو سے ہو۔[1]

- آئینہ پرویزیت

حضرت علیؓ کثرت روایت سے منع کیا کرتے تھے جب ان کے سامنے کوئی حدیث پیش کرتا تو قسم لیتے تھے مگر یہ سب کچھ حزم و احتیاط کے لیے کیا جاتا تھا۔[2]

نتیجہ بحث

تمام بحث سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اپنے دور خلافت میں کوئی فیصلہ کتاب و سنت سے ہٹ کر نہیں کیا بلکہ اسی وجہ سے ان کو مسائل کا سامنا بھی کرناپڑا مگر ڈٹ کر مقابلہ کیا۔اسی طرح حضرت عمرؓ گورنر بناتے وقت اس شخص کو ترجیح کو ترضیح دیتے تھے جو کہ کتاب و سنت کا علم رکھتا ہو۔اگرچہ آپؓ کے بارے میں یہ مشہور ہے آپؓ نے حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ، ابو الدرداءؓ اور ابو مسعود انصاریؓ کو محبوس کیا۔ محبوس کرنے کی وجہ یہ بتاءی جاتی ہے کہ وہ حضرات نبی کریم ﷺ کی احاد کثرت سے بیان کرتے تھے۔ [3]یہ روایت سب کے نزدیک ضعیف ہے۔علامہ ابن حزم ظاہریؒ جو کہ روایت الحدیث اور تمسک بالحدیث میں منفرد حیثیت رکھتے ہیں، اپنی کتاب میں اس روایت کا تجزیہ کرتے ہیں اور اس کی سند کو ناقابل اعتبار[4] اور جھوٹ کا پلندہ قرار دیتے ہیں۔[5] یہی حال خلیفہ سوم حضرت عثمان غنیؓ کا تھا۔ گر کوئی حدیث معلوم نہیں ہوتی تو جیسے ہی متعلقہ حدیث اور اس کا حکم سنتے تو فوراً اس پر عمل کرتے۔ حالت احرام میں شکار کا گوشت پیش کیا گیا۔ حضرت علی نے حدیث بیان فرمادی۔ فوراًاٹھ کھڑے ہوئے۔ اپنے اپنے تفقہ اور اجتہاد کو خبر واحد کی بناد پر ترک کر دیا۔[6] یہ حضرت عثمانؓ کا احادیث کے سلسلے میں اہتمام تھا۔ سیدنا علیؓ بھی قسم لیتے پھر حدیث سنتے تھے۔ غرض عقلی اور نقلی طور پر حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعینؓ کے زمانے میں احادیث پر عمل کیا جاتا تھا۔

---

[1] ۔سنت کی آئینی حیثیت، ص:118

[2]۔آئینہ پرویزیت، ص:463، حجیت حدیث، ص:156

[3]. شمس الدین ذہبی، **تذکرۃ الحفاظ**:7.6/1

[4]۔علوی، ڈاکٹر، خالد، **حفاظت حدیث** (الفیصل ناشران وتاجران کتب، اردو بازار لاہور، فروری 2008):162

[5]. ابن حزم، علی بن احمد، **الاحکام فی اصول الاحکام**، (دار الآفاق الجدیدۃ، بیروت):120/3

[6]۔ ایضاً:782/1

1.5 انکار حدیث اور مختلف فرقے

سیدنا عثمانؓ کی خلافت کے اواخر اور سیدنا علیؓ کے زمانے میں مسلمانوں میں مختلف گمراہ فرقے پیدا ہونے شروع ہوگئے تھے جو آج تک بھی کسی نہ کسی صورت میں موجود ہیں۔ دین اسلام کی بنیاد تو کتاب اللہ و سنت رسول ﷺ پر ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی دو نشانیاں ہمارے پاس تھیں اور ہیں ۱) احادیث رسول ﷺ ۲) صحابہ رسول ﷺ ورضون اللہ علیہم اجمعین۔

عبداللہ بن سبا یہودی النسل تھا، حضرت عثمانؓ کے آخری دور میں مسلمان ہوا۔ پہلے بصرہ میں دیکھا گیا۔ لوگوں کی شکایت پر عبد اللہ بن عامر والی بصرہ نے مشکوک ہونے کی وجہ سے بصرہ سے خارج کردیا، پھر کوفہ گیا وہاں سے نیکالی پر مصر چلا گیا۔[1] مصر سے اس نے صحابہ کے خلاف ایک مخصوص گروہ کے ساتھ خط وکتابت شروع کی۔ اس نے جھوٹی حدیثیں گھڑنی شروع کی اور صحابہؓ اور خاص طور پر حضرات شیخین کو غاصب اور ظالم قرار دیا۔ اسی کی سازش کے تحت حضرت عثمانؓ شہید ہوئے۔ حضرت علی کی شان میں مبالغہ کیا اور احادیث گھڑنی شروع کی: حضرت علیؓ کو پتہ چلا تو فرمایا:

مالی ولهذا الخبیث الاسود[2]

میرا اس سیاہ گھٹیہ انسان سے کیا لینا دینا

جس سے حضرت علیؓ کا تعلق اور اور ان کے متعلق حضرت علیؓ کی رائے معلوم ہوسکتی ہے۔ دوسری طرف وہ حضرت علیؓ کے مبالغے میں اس حد تک بڑھ گیا کہ آپؓ کو خدا کے مرتبہ تک پہنچادیا۔ حضرت علی نے انہیں جلانے کا حکم دیا مگر فتنہ اس حد تک پھیل چکا تھا کہ وقتی طور پر کنٹرول ہوا۔ مگر پھر دوبارہ بڑھا۔[3]

رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ، خلفائے راشدین میں سے سیدنا ابوبکر و عمرؓ کے زمانے میں تو مسلمانوں کی حالت بہتر رہی اور کوئی دسرے فرقے وغیرہ پیدا نہ ہوئے، حضرت عثمانؓ کی خلافت کے شروع والے ایام میں بھی یہی صورت حال رہی مگر بعد میں مختلف فرقے پیدا ہوگئے ان میں ایک فرقہ خوارج کا بھی تھا مجد الدین فیروز آبادی "قاموس المحیط میں لکھتے ہیں:

---

[1]۔ ابن اثیر، عزالدین، محمد بن محمد، **الکامل فی لاتاریخ**، (دار الکتاب العربی، بیروت: 1997ء): 55/3

[2]۔ عسقلانی، ابن حجر، ابوالفضل، احمد بن علی، **لسان المیزان**، (دار المعرفة النظامیة، ھند: 1971ء): 55

[3]۔ مناظر احسن، **تدوین حدیث**: 437تا440

وَالخَوَارِجُ من أَهْلِ الأَهْوَاءِ: لهم مقَالَةٌ على حِدَةٍ، سُمُّوا به لخروجِهِمْ على الناس[1]

خوارج اہل بدعت میں سے ہیں ان کے اپنے نظریات ہیں۔ ان کا یہ نام اس لئے پڑا کہ انہوں نے عام مسلمانوں کے خلاف بغاوت کی۔

اس کے بعد دوسری صدی ہجری میں اعتزال (عقلیت پرستی) کا دور آیا، چنانچہ اس عقلیت پرستی کے تسلط نے معتزلہ کو ان تمام حدیثوں میں تاویلیں کرنے اور تاویل نہ ہو سکنے کی صورت میں ان کو صحیح ماننے سے انکار کرنے پر مجبور کر دیا۔ انہوں نے جن احادیث کو اپنے عقلی معتقدات کے خلاف محسوس کیا ان کا انکار کر دیا۔ عباسی خلیفہ ماموں کے عہد میں یونانی فلسفہ کی کتابیں عربی میں ترجمہ ہو کر منظر عام پر آگئیں، مذہب اعتزال نے مامون کی سرپرستی میں بڑا فروغ حاصل کیا۔ جب خوارج اور معتزلہ دونوں نے اپنے اپنے معتقدات میں غلو کی بنا پر اعمال کو ایمان کا جزء اور رکن قرار دیدیا، تو ان کے مقابلہ میں "مرجیہ" کا گروہ اور "رجا" کا عقیدہ منظر عام پر آیا، مرجیہ نے اس عقیدہ میں اتنا غلو کیا کہ صاف کہہ دیا:

لاتضر مع الايمان معصية كما لاتنفع مع الكفر طاعة ۔[2]

ایمان کے ہوتے ہوئے معصیت ضرر نہیں پہنچا سکتی، جیسے کہ کفر کے ہوتے ہوئے کوئی بھی طاعت نفع نہیں پہنچاتی۔

اس عقیدہ کے نتیجہ میں مرجیہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان تمام کی احادیث کو ماننے سے انکار کر دیا جن میں کبیرہ گناہوں اور معصیتوں کے ارتکاب پر عذاب جہنم کی وعیدیں مذکور ہیں۔

- سنت خیر الانام:

بشیر مریسی اور قاضی ابو داود معتزلیوں نے جب خلق قرآن کا ایک نیا فتنہ گھڑا کیا اور مامون و معتصم نے اپنے اپنے دور حکومت میں اس کی حمایت و اشاعت کی کے لئے اپنی خون آشام تلواریں بے نیام کر لیں تو علمائے امت طوفان بلا امڈ آیا۔ آجکل کے علمبرداران تجدد کی طرح وہ بھی علماء امت پر رجعت پسندی، کورانہ تقلید اور ترک قرآن کے الزام تراشتے بلکہ ان کے احوال پڑھنے

---

[1] ۔ فیروز آبادی، مجد الدین أبو طاهر محمد بن یعقوب، القاموس المحیط (مؤسسة الرسالة للطباعة والنشر والتوزیع، بیروت- لبنان ١٤٢٦ ھ- ٢٠٠٥ م):186

[2] ۔ شہرستانی، ابو الفتح، محمد بن عبد الکریم: (م548ھ) **الملل والنحل**، (مؤسسة الحلبی):139/1

سے معلوم ہوتا ہے کہ ان نئے شاگردوں کو اپنے ان کہنہ مشق اساتذہ سے بہت کچھ حاصل کرنا ہے لیکن علمائے اسلام نے دین حق کی نگہبانی کرتے ہوئے جور و ستم کو خندہ پیشانی سے برداشت کیا۔[1]

- آئینہ پرویزیت:

سنت رسول ﷺ کی حجیت سے انکار کے فتنے نے دوسری صدی ہجری میں سر اٹھایا تھا۔ اس طبقے کے بہت سارے لٹریچر کا مطالعہ کرنے کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ انکار سنت کے بنیادی محرکات دو ہی چیزیں ہیں:

1۔ فلسفیانہ یا سائنٹیفک نظریات سے مرعوبیت 2۔ اتباعِ ہوائے نفس

- دوسری صدی ہجری میں اس فتنہ نے جنم لیا تو علمائے امت نے اس کا بھرپور دفاع کیا۔ جن ائمہ کرام نے یہ فریضہ انجام دیا ان میں امام شافعی، امام احمد بن حنبل، امام بخاری اور ابن قتیبہؒ کے نام بالخصوص قابل ذکر ہیں۔ اب یہ اتفاق کی بات ہے کہ اس دور میں فتنہ انکار سنت یا اعتزال کو حکومت کی سرپرستی حاصل ہو گئی جس وجہ سے یہ فتنہ تقریباً سوا سو سال تک زندہ رہا۔ جب یہ سرپرستی ختم ہو گئی تو یہ فتنہ بھی آپ اپنی موت مر گیا اور اس کی موت کی ایک بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ سنت رسول کی حجیت سے انکار ایک ایسا نظریہ تھا جو اسلام کے مزاج سے بالکل لگا نہیں کھاتا۔

- موجودہ دور میں اس فتنہ کو اگر حکومت کی سرپرستی نہیں بھی حاصل نہیں تاہم اس کی پزیرائی کے کئی اور اسباب پیدا ہو گئے سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ اسلام کے نام پر نوجوان انگریزی تعلیم یافتہ اور اسلام بیزار طبقہ کو باور کرایا جا رہا ہے کہ اسلام دراصل ان گنے چنے اصول و قواعد اور احکام کا نام ہے جو قرآن میں مذکور ہیں۔ رہا عمل درآمد اور تعمیل کا طریقہ تو اس کے لئے ہر دور میں ک علم کے مطابق اور اپنے زمانہ کے تقاضوں کے مطابق ان احکام کی تاویل و تعبیر کر لیا کریں۔[2]

نتیجہ بحث:

یہ ایک حقیقت ہے جس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ امت محمدیہ میں سب سے پہلا فتنہ جس نے سر اٹھایا وہ خارجیوں کا فتنہ ہے، اس فتنہ سے ٹکرا کر مسلمانوں کے اتحاد کی چٹان ٹکڑے ٹکڑے ہوئی، چنانچہ ان خارجیوں نے رسول اللہ ﷺ کے بڑے بڑے صحابہ سے بے تعلقی کا صاف اعلان کر دیا اور حضرت عثمان، حضرت علی، شرکاء جنگ جمل اور تحکیم کو تسلیم کرنے والے تمام صحابہ

---

[1] ۔ سنت خیر الانام، ص:164

[2] ۔ آئینہ پرویزیت، ص:35

کرام رضی اللہ عنہم اجمعین رضی اللہ عنہم کو کافر قرار دیا،اس تکفیر کے نتیجہ میں ان تمام صحابہ کی احادیث جو انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کی ہیں ان کو ماننے سے بھی انکار کر دیا کہ راوی حدیث کے لئے مسلمان ہونا اولین شرط ہے،اور یہ سب کافر ہیں اور اس طرح انکار حدیث وسنت کی تخم ریزی شروع ہو گئی۔انکار حدیث کا فتنہ اسلامی تاریخ میں سب سے پہلے دوسری صدی ہجری میں اٹھا تھا۔اوراس کے اٹھانے والے خوارج اور منزلہ تھے۔خوارج کو اس کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ مسلم معاشرے میں جوانار کی وہ پھیلانا چاہتے تھے۔اس کی راہ میں رسول اللہ صل اللہ علیہ وسلم کی وہ سنت حائل تھی۔معتزلہ کو اس کی ضرورت اس لیے لاحق ہوئی کہ عجمی اور یونانی فلسفوں سے پہلا سابقہ پیش آتے ہی اسلامی عقائد اور اصول واحکام کے بارے میں جو شکوک وشبہات ذہنوں میں پیدا ہونے لگے تھے انہیں پوری طرح سمجھنے سے پہلے وہ کسی نہ کسی طرح انہیں حل کر دینا چاہتے تھے اور چاہتے تھے کہ اسلام کے عقائد اور اصولوں کی ایسی تعبیر کی جائے جس سے وہ ان نام نہاد عقلی تقاضوں کے مطابق ہو جائیں۔اس راہ میں پھر وہی حدیث وسنت مائع ہوئی۔

1.6 حدیث کی حفاظت اور علوم حدیث کی ابتداء:

علوم حدیث اور تدوین حدیث کا باقاعدہ کی بنیادیں حضرات صحابہ کے زمانے میں موجود تھیں مگر آغاز تابعینؒ کے زمانے میں ہوا۔تابعی ہر اس شخص کو کہتے ہیں جس نے ایمان کی حالت میں کسی صحابی رسول ﷺ کو دیکھا ہو اور اس کا انتقال بھی ایمان کی حالت پر ہوا ہو۔چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالسَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ﴾[1]

پہلے سبقت لے جانے والے مہاجرین وانصار اور وہ لوگ جنہوں نے بڑی خوش دلی سے ان کی اتباع کی۔

ائمہ حدیث اس آیت میں لفظ اتبعوھم کا مصداق اسی نسل کے مسلمانوں کو ہی سمجھتے ہیں۔تابعی کی اسی تعریف کے پیش نظر تابعینؒ کا زمانہ حضرات صحابہ کرامؓ کے بعد شروع ہوتا ہے مگر تابعی حضور اقدس ﷺ کے زمانے میں بھی موجود تھے جنہوں نے ایمان کی حالت میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعینؓ کو دیکھا مگر حضور کی خدمت میں نہ پہنچ سکے اور ان کی موت بھی ایمان کی حالت میں ہوئی۔[2]

---

[1] ۔التوبۃ:100

[2] ۔حجیت حدیث:ادریس کاندھلوی:162

تدوین حدیث:

مولانا مناظر احسن گیلانی احادیث کی حفاظت کے سلسلے میں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین رضی اللہ عنہم اجمعین کی خدمات اور سنت رسول اللہ ﷺ پر عمل پیرا ہو کر اپنی زندگیاں گزارنے کو بیان کیا ہے اور ان کی عملی زندگی سنت رسول ﷺ کے کھلے نسخے تھے اس س لئے وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو مدون اول قرار دیتے ہیں۔ لکھتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعینؓ حدیث کے زندہ نسخے تھے۔۔۔۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعینؓ اپنے اپنے علم کی حد تک رسول اللہ ﷺ کے مثنیٰ بنے ہوئے تھے اور اس طرح تاریخ کی وہ کتاب یعنی حضور ﷺ کی زندگی عہد صحابہ میں بجائے ایک نسخہ کے ہزاروں نسخوں کی صورت میں موجود ہو چکی تھی تو کیا میرے اس دعویٰ کو ئی غلط ثابت کر سکتا ہے؟ پس تدوین حدیث کی پہلی صورت تو یہ خود صحابہ کی زندگی تھی۔[1]

یہی وجہ ہے کہ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے خود احادیث نقل کیں اور انہوں نے نبی ﷺ کو جیسا دیکھا، جیسا سنا۔ اسی طرح بیان کر دیا اور ان کے بعد تبع تابعین نے اپنے اساتذہ سے جو کہ صحابہ کے شاگرد تھے۔ نقل کیا اور اس کے بعد پے در پے امت تک یہ سلسلہ چلتا رہا اسی کو مولانا گیلانیؒ لکھتے ہیں:

اسی بنیاد پر کل کے متعلق تو نہیں لیکن تاریخ کے عظیم الشان ذخیرے کے ایک بڑے حصہ کو میں متواتر خیال کرتا ہوں یعنی بغیر کسی انقطاع کے نسلاً بعد نسل لاکھوں اور لاکھوں کے بعد کروڑہا کروڑ انسانوں کے ذریعے مشرق و مغرب میں یہ حصہ منقل ہوتا ہوا دنیا کے موجودہ دور تک پہنچا ہے اور نشاءاللہ تعالیٰ قیامت تک پہنچتا رہے گا۔[2]

تواتر کو عقلی دلیل سے ثابت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ تواتر کی دلیل اور مثال یہ ہے کہ لوگوں نے مثلاً لندن کو دیکھا ہے اور اس شہر کے متعلق مشاہدے نے جس یقین کو پیدا کیا ہے، اس یقین میں اور ان لوگوں کے یقین میں جنہوں نے لندن کو خود نہیں دیکھا مگر تواتر کی راہ سے اس بات کا یقین ان میں پیدا ہوا ہے کہ دنیا کے شہروں میں ایک شہر لندن بھی ہے اس حد تک یعنی لندن کا وجود یقینی ہے، کیا ان دونوں یقینوں میں کسی قسم کا فرق پیدا کیا جا سکتا ہے۔[3]

---

[1] تدوین، ص:42

[2] ایضاً، ص:45

[3] ۔ایضاً، ص:46

اب سوال یہ ہوتا ہے کہ آیا حدیث کی تحقیق کا کام تابعین کے زمانے میں شروع ہوا یا یہ کہ صحابہ کرامؓ ہی کے زمانے میں ہی یہ کام شروع ہو چکا تھا۔ مولانا گیلانی کے نزدیک تحقیقِ حدیث کے کام کی بنیاد سیدنا ابو بکر صدیق نے رکھی تھی۔ اس کے بعد حضرت علی کا قسم لیتے تھے۔۔ تاہم ان کے اس طرز عمل سے یہ سبق مسلمانوں کو ضرور ملا کہ دین کا یہی حصہ کیوں نہ ہو یعنی خبر الخاص بالواحد بعد الواحد کی راہ سے جو پہنچایا گیا ہے اس کے رد و قبول میں لاپرواہی سے کام نہیں لینا چاہیے۔[1]

- **سنت خیر الانام**

احادیث نبویہ اور سنن مصطفویہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے مبارک سینوں سے تابعین کے مبارک سینوں میں پہنچ گئے۔ عہد نبوی ہی سے کچھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین حضور ﷺ کے ارشادات قلمبند کیا کرتے تھے۔ وصال کے بعد اس میں زیادتی ہو گئی لیکن اکثر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین زبانی ہی روایت فرماتے اور اگر کوئی شاگرد ان کی حدیث لکھنا چاہتا تو اس کو منع فرماتے۔[2]

- **حجیت حدیث:**

سلسلہ روایت کی پہلی کڑی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین تھے جبکہ سلسلہ روایت کی دوسری کڑی حضرات تابعین ہیں جو والذین اتبعوھم باحسان کا مصداق ہیں۔ یہ طبقہ اگرچہ صحابہ کے ہم مرتبہ نہیں مگر ان کا نمونہ ضرور ہے اور صحابہ کا رنگ اور ان کی خو اور بُو لئے ہوئے ہے۔ اس طبقہ میں کچھ فاسق و فاجر بھی ہوئے مگر کم، غلبہ صلاح اور تقویٰ، امانت اور دیانت ہی رہا۔ اسی دور میں آکر کتابی شکل میں تدوین حدیث کی بنیاد رکھی گئی۔ احادیث نبوی کے بہت سے متفرق مجموعے حضور پر نور کی زندگی ہی میں لکھے جا چکے تھے۔ اور پھر حضور ﷺ کی وفات کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین اور تابعین بطور خود بھی احادیث نبویہ لکھتے رہے۔ ۹۹ھ میں عمر ثانی یعنی عمر بن عبد العزیزؒ نے جب یہ دیکھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین جو آسمان ہدایت کے نجوم اور ستارے تھے، وہ تقریباً تمام تر دنیا سے رخصت ہو گئے ہیں اور علماء تابعینؒ بھی ایک ایک کر کے دنیا سے رخصت ہو رہے ہیں تو گھبرا کر علماء تابعین کے نام ایک فرمان جاری کیا کہ احادیث نبویہ کو تلاش کر کے کتابی شکل میں مدون اور مرتب کیا جائے۔ اس لئے اس وقت تو احادیث نبویہ کا جمع کرنا بہت آسان ہے ہزاروں بلکہ لاکھوں صحابہ کو دیکھنے والے موجود ہیں، ہمارے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے

---

[1] ۔ تدوین حدیث، ص: 289

[2] سنت خیر الانام، ص: 139

درمیان ایک ہی واسطہ ہے جو ہماری نظروں کے سامنے ہے اور ہم اس سے بخوبی واقف ہیں لہذا جو احادیث ہم تک معتبر اور ثقہ راویوں سے پہنچی ہیں انکو لکھ لیا جائے۔[1]

سنت خیر الانام:

- اسی طرح حدیث کی حفاظت کی وجہ پیر کرم شاہ الازہریؒ بھی صحابی رضی اللہ عنھم اجمعین کو قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ احادیث کے محفوظ رہنے کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ حضورؐ کے ارشادات صحابہ کے لئے فقط متبرک جملے نہیں تھے جنھیں صرف تبرک کے لئے یاد کیا جائے بلکہ ان کی زندگی کا ہر پہلو انہیں ارشادات سانچے میں ڈھلا ہوا تھا۔ان کے دل کے ان لطیف احساسات سے لے کر جنھیں پابند الفاظ نہیں کیا جاسکتا۔ان طبعی خواہش تک سب کے سب سنت مصطفویہ کے پابند تھے۔۔۔اس سے یہ حقیقت بھی بخوبی واضح ہوگئی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا ایمان تھا حضور کے بعد بھی حضور کا ہر فرمان حجت ہے۔اور واجب التسلیم۔[2]

تدوین حدیث:

احادیث مبارکہ اور سنت رسول ﷺ کی تعلیم ،ان کے مطابق مسلمانوں کی تربیت،احکام میں قرآن کریم کے بعد سنت رسول ﷺ سے استفادہ کرنااور اپنے مسائل کو سنت رسول ﷺ کی روشنی میں حل کرنا،یہ تو باقاعدہ مسلمانوں میں قابل عمل تھا، مگر مختلف لوگوں، فرقوں اور جاہل صوفیہ نے اپنے ناجائز مقاصد کے حصول کے لیے،امت میں انتشار پیدا کرنے اور نصیحت و عبرت کے لیے احادیث گھڑنی شروع کردی۔ صحابہؓ کے بعد تابعینؒ بھی دنیا سے رخصت ہونے لگے۔ کسی طرح احادیث اور ان کے علم کے مفقود ہونے کا ڈر بھی پیش نظر تھا تو اسی وجہ سے سیدنا عمر بن العزیزؒ کے دور حکومت میں تدوین حدیث کا باقاعدہ آغاز ہوا۔[3]

حضرات تابعینؒ نے براہ راست صحابہ کی کرامؓ کی صحبت سے استفادہ کیا ہوا ہوتا ہے اسی لیے ان کو بھی حدیث مبارک سے ایک خاص لگن ہوتی ہے اور کا زمانہ 150ھ تک ہے۔اولین تابعی جو فوت ہوئے وہ ابوزید معمر بن راشد ہیں جنہیں سن تیس ہجری (۳۰ھ) میں خراسان میں شہید کردیا گیا اور آخری تابعی خلف بن خلیفہ ہیں جن کی وفات ایک سو اکاسی ہجری (۱۸۱ھ) میں

---

[1] ۔ حجیت حدیث، ص:162

[2] ۔ سنت خیر الانام، ص:124

[3] ۔ ایضاً، ص:125

ہوئی۔ حضرت محمد بن سیرینؒ نے اسی اہمیت کے پیش نظر فرمایا تھا کہ یہ علم (سنت وحدیث) ایک دین ہے آنکھیں کھول کر دیکھا کرو کہ تم یہ دین کس سے سیکھ رہے ہو۔[1]

- تدوین حدیث میں مولانا مناظر احسن گیلانیؒ لکھتے ہیں کہ خلیفہ عادل حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے اپنے زمانے میں اسی اہمیت کے پیش نظر حدیث کو باقاعدہ تدوین کا حکم نامہ جاری کیا۔ اہل علم حضرات سے حدیث کی حفاظت کی درخواست کی۔ اس سلسے میں ان کے ہاں پیغامات بھیجے۔ چنانچہ عکرمہؒ بن عمار کہتے ہیں کہ میں نے جناب عمر بن عبد العزیزؒ کا خط سنا جس میں انہوں نے فرمایا تھا:

أَمَّا بَعْدُ فَآمُرُ أَهْلَ الْعِلْمِ أَنْ يَنْشُرُوا الْعِلْمَ فِي مَسَاجِدِهِمْ، فَإِنَّ السُّنَّةَ كَانَتْ قَدْ أُمِيتَتْ.[2]

اہل علم کو حکم دو کہ وہ اپنے علاقوں کی مساجد میں پھیل جائیں اور علم حدیث کو پڑھائیں اس لئے کہ سنت کہیں ختم نہ ہو جائے۔

سنت کی تعلیمات اور سنت کی حفاظت کی اہمیت کا حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کو خوب اندازہ تھا۔ اس لیے علماء کو حکم نامہ جاری کیا کہ وہ علم حدیث کو پھیلائیں اور وہ اس غرض کے لیے مجلسیں برپا کریں۔[3] فکر معاش سے آزاد ہو کر پڑھنے اور پڑھانے کی غرض سے بیت المال سے ان کے لیے مشاہرہ مقرر کیا۔[4]

مدینہ کے گورنر جناب ابو بکر بن محمد بن عمرو بن حزم (م: 117ھ) کو لکھا کہ مجھے وہ احادیث رسول لکھ بھیجئے جو آپ کے نزدیک مصدقہ ہوں اور سیدہ عمرۃ کی احادیث بھی لکھ بھیجئے کیونکہ میں علم کے مٹ جانے اور اس کے ختم ہو جانے کا خوف رکھتا ہوں۔[5]

حضرت عمرۃ بنت عبد الرحمن عائشہ صدیقہ کی بھتیجی اور شاگردہ جبکہ ابو بکر بن حزم اور قاسم بن محمد کی خالہ ہیں۔ اس وجہ عمر بن عبد العزیزؒ نے ابو بکر بن حزم کو لکھا کہ مجھے علم حدیث کے مٹ جانے اور علماء کے دنیا سے اٹھ جانے کا ڈر ہے اس لئے حدیث کے

---

1. احمد بن حنبل، امام: 4199
2. رامہرمزی، حسن بن عبد الرحمٰن بن خلاد، **المحدث الفاصل بین الراوی والواعی**، (دار الفکر بیروت: 1404ھ): 603
3. بخاری۔ **صحیح**: 31/1، کتاب العلم، باب کیف یقبض العلم، ح: 99
4. خطیب بغدادی، أبو بکر أحمد بن علي، **شرف اصحاب الحدیث**، (دار احیاء سنۃ النبویہ انقرہ): 64
5. دارمی، **مسند**: 430/1، باب من رخص فی کتاب العلم: ح: 504

سوااور کوئی شئے قبول نہ کی جائے۔[1]

ان خطوط کے بعد سیدنا عمر بن عبدالعزیزؒ نے امام ابن شہاب زہریؒ کو حکم دیا کہ وہ احادیث کو اکٹھا کر کے ایک دیوان کی شکل دیں۔ابن شہابؒ نے ان تمام تحریروں کو یکجا لکھ کر یہ کام عین ۱۰۰ھ میں کر دکھایا۔یہ پہلی تصنیف تھی جو باقاعدہ خلیفہ عمر بن عبد العزیز کی ہدایت اور نگرانی میں اہل اسلام کو نصیب ہوئی۔اور جس کے نسخے لکھوا کر سلطنت کے مختلف گورنرز کو بھیجے گئے۔حضرت مام ابن شہاب زہریؒ کا انتخاب اس کام کے لیے ان کی عظمت کے لیے ہی کافی ہے۔آپؒ ائمہ حفاظ میں سے تھے۔صرف اسی راتوں میں قرآن پاک حفظ کر لیا۔خو ہی اپنے حافظے کے متعلق بتاتے ہیں کہ میں نے کبھی کسی حدیث کی تیاری نہیں کی اور نہ ہی مجھے ایک حدیث کے علاوہ کسی حدیث کے بارے میں کوئی شک گزرا۔میں نے وہ حدیث اپنے ساتھی سے پوچھی تو وہ بھی ویسی ہی تھی جیسے مجھے یاد تھی۔[2] فرمایا کرتے تھے کہ دس سال سعید بن مسیبؒ کی خدمت میں رہے اور اپنے ہاتھ سے دولاکھ احادیث لکھیں۔[3] امام ابو بکر الہذلیؒ بڑے بڑے علماء کی صحبت میں رہنے کے باوجود زہری سے بڑا عالم نہیں دیکھا چنانچہ فرماتے ہیں:

قد جالست الحسن، وابن سيرين، فما رأيت أحدا أعلم منه، يعني الزُّهْرِيّ۔[4]

میں حسن بصری اور ابن سیرین کی صحبت میں بیٹھا مگر میں نے ابن شہاب سے بڑھ کر کسی کو علم حدیث میں نہ پایا۔

مختلف علمائے حدیث اور ائمہ حدیث کی صحبت میں رہے، کبار محدثین کی خدمت کا شرف رہا، مگر امام زہریؒ کے متعلق لکھتے ہیں کہ مصر کے فقیہ حضرت امام لیث بن سعدؒ امام زہریؒ کے متعلق لکھتے ہیں کہ میں نے کسی عالم کو نہیں دیکھا جو ابن شہاب سے بڑھ کر حدیث کو جامع انداز سے پیش کرتا ہو اور نہ ہی ان سے بڑھ کر کسی اور کو عالم دیکھا۔اگر تم ابن شہاب سے احادیث ترغیب سنو تو تم

---

[1] ۔تدوین حدیث، ص:61

[2] ۔حنبلي، زين الدين، عبد الرحمن بن أحمد (م795ھ۔) **شرح علل الترمذی**، (مكتبة المنار-الزرقاء-اردن طبع اول: 1407ھ-1987ء):443/1، عجاج الخطیب۔**السنة قبل التدوین**:491/1

[3] ۔ذہبی، شمس الدین، ابو عبداللہ محمد بن احمد، ***تہذیب التہذیب***، (الفاروق الحدیثة:2004ء):284/8

[4] ۔ایضاً:250/8

ضرور یہ کہو کہ یہی ہیں جو اسے جچتے ہیں۔اور اگر عربوں اور ان کے انساب کے بارے میں وہ کلام کریں تو تم یہی کہو کہ یہی اس کا حق ادا کر سکتے ہیں اور اگروہ قرآن وسنت پیش کریں تو ان کی گفتگو جامع نوعیت کی ہوتی۔[1]

مختلف اعمال میں مختلف علماء کو الگ الگ مقام حاصل ہوتا ہے، عراک بن مالکؒ حضرت سعید بن مسیبؒ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ، حضرت ابوبکر وعمرؓ اور عثمانؓ کے فیصلوں کے بارے میں سب سے زیادہ علم اور دانائی حضرت سعید بن المسیبؒ کو حاصل تھی،اسی طرح احادیث کا زیادہ علم عروہ بن زبیرؒ کے پاس تھا، پھر حضرت عراکؒ نے فرمایا:

وَأَعْلَمُهُمْ عِنْدِي جَمِيعًا ابْنُ شِهَابٍ فَإِنَّهُ جَمَعَ عِلْمَهُمْ إِلَى عِلْمِهِ۔[2]

ان تمام کے مقابلے میں میرے نزدیک سب سے بڑے عالم ابن شہاب زہریؒ ہیں جنہوں نے ان تمام حضرات کا علم اپنے علم میں جمع کر لیا تھا۔[3]

نتیجہ بحث

منتخب کتب میں مذکور دلائل اور تدوین حدیث کے احوالات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ امت مسلمہ نے حفاظت حدیث کا اہتمام روز اول سے کیا تھا۔ صحابہ کرامؓ احادیث مبارکہ کے عملی نمونے تھے۔تابعین نے باقاعدہ ایک فن کی حیثیت دے کر ملاوٹ اور گھڑی ہوئی احادیث کا راستہ روکنے میں بھرپور کردار ادا کیا۔

1.7 علم حدیث کی تدوین کے نتائج

تدوین حدیث ہی کے ساتھ جو گمراہ فرقے وجود میں آئے ان کا زور ٹوٹ گیا۔ معتزلہ جو کہ اپنے عقل کی بناء پر حدیث کا انکار اور قرآن کریم کی آیات میں تاویلات کرتے تھے اور اسی طرح خوارج جو کہ قرآن کے علاوہ دین میں حدیثاور عمل صحابہ کے منکر تھے، ان سب کا راستہ رک گیا۔ محدثینؒ کی عظمت کا اعتراف مخالفین بھی کرتے ہیں۔ مشہور جرمن مستشرق ڈاکٹر سپرنگر نے "الاصابہ فی تمیزالصحابہ" کے ایڈیشن طبع 1886ء کے مقدمے میں لکھا ہے کہ کوئی قوم دنیا میں ایسی نہیں گزری اور نہ آج موجود ہے جس نے مسلمانوں کی طرح اسماء الرجال کا عظیم الشان فن ایجاد کیا ہو۔ جس کی بدولت پانچ لاکھ مسلمانوں کا حال معلوم

---

[1]۔ایضاً:29/9

[2]۔ایضاً:436/36

[3]۔

ہو سکتا ہے۔[1]اس تدوین کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ اس کے ذریعے حدیث کے بہت سارے علوم وجود میں آئے جس وجہ سے انکار حدیث کا سلسلہ زیادہ چل نہ سکا۔ جس کی بنیادی وجوہ درجِ ذیل تھیں:

1. حضرات محدثین کا زبردست تحقیقی کام:

جس نے مسلمانوں کے تمام سوچنے سمجھنے والے لوگوں کو مطمئن کر دیا کہ رسول ﷺ کی سنت جن روایات سے ثابت ہوتی ہے وہ ہر گز مشتبہ نہیں ہیں بلکہ نہایت معتبر ذرائع سے امت تک پہنچی ہیں، اوان کو مشتبہ روایات سے الگ کرنے کے لیے بہترین علمی ذرائع موجود ہیں۔[2]اور حقیقت یہ ہے کہ

2. قرآن کی تصریحات:

جن سے اس زمانے کے اہل علم نے عام مسلمانوں کے سامنے یہ بات ثابت کر دی کہ دین کے نظام میں محمد رسول ﷺ کی وہ حیثیت ہر گز نہیں ہے جو منکرین سنت حضور کر دینا چاہتے ہیں۔ آپ قرآن پہنچا دینے کے لیے محض ایک نامہ بر مقرر نہیں کیے گئے تھے، بلکہ آپ کو خدا نے معلم، رہنما، مفسر قرآن، شارع قانون اور قاضی و حاکم بھی مقرر کیا تھا۔ لہذا خود قرآن ہی کی رو سے آپ کی اطاعت و پیروی ہم پر فرض ہے اور اس سے آزاد ہو کر جو شخص قرآن کیپیروی کا دعوی کرتا ہے وہ دراصل قرآن کا پیرو بھی نہیں ہے۔[3]

3. منکرین سنت کی اپنی تاویلات:

جن کا کھلونا قرآن کو بنا کر انہوں نے عامسلمانوں کے سامنے یہ حقیقت بالکل برہنہ کر دی کہ سنت رسول اللہ سے جب کہ اللہ کا تعلق توڑ دیا جائے تو دین کا حلیہ کس بری طرح بگڑتا ہے، خدا کی کتاب کے ساتھ کیسے کیسے کھیل کھیلے جاتے ہیں، اور اس کی معنوی تحریف کے کیسے مضحکہ انگیز نمونے سے آتے ہیں۔[4]

4. امت کا اجتماعی ضمیر:

جو کسی طرح یہ بات قبول کرنے کے لیے تیار نہ تھا کہ مسلمان کبھی رسول کی اطاعت و پیروی سے آزاد بھی ہو سکتا ہے چند

---

[1]۔ابن حجر،الاصابہ فی تمیزالصحابہ، مقدمہ سپر نگر مطبوعہ کلکتہ

[2] ۔تدوین حدیث ص:۴۵

[3] ۔سنت کی آئینی حیثیت، ص:۱۳۲

[4] ۔ایضاً:۴۰

سر پھرے انسان تو ہر زمانے اور ہر قوم میں ایسے مل سکتے ہیں جو بے تکی باتوں ہی میں تک محسوس کرتے ہوں۔ مگر پوری امت کا سر بھرا ہو جانا بہت مشکل ہے اس پر مزید یہ کہ سلمان قوم کا مزاج اتنی بڑی بات کو تسلیم کرنے کے لیے کس طرح تیار نہ ہو سکا کہ اس پورے نظام زندگی کو اس کے تمام قاعدوں اور ضابطوں اور اداروں سمیت، رد کر دیا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علہ وسلم کے عہد سے شروع ہو کر خلفائے راشدین صحابہ کرام، تابعین، ائمہ مجتہدین اور فقہائے امت کی رہنمائی میں مسلسل ایک ہموار طریقے سے ارتقاء کرتا چلا آرہا تھا، اور اسے چھوڑ کر آئے دن ایک نیا نظام ایسے لوگوں کے ہاتھوں بنوایا جائے جو دنیا کے ہر فلسفے اور ہر تخیل سے متاثر ہو کر اسلام کا ایک جدید ایڈیشننکالنا چاہتے ہوں۔[1]

دوبارہ انکار حدیث کا پیدا ہونا:

یہ فتنہ ایک زمانے تک تو فرو ہو گیا مگر تیرھویں صدی ہجری (انیسویں صدی عیسوی) میں پھر یہ فتنہ دوبارہ اٹھا۔ اس نے پہلا جنم عراق میں لیا تھا۔ جبکہ دوسرا جنم اس نے ہندوستان ییں لیا۔ یہاں اس کی ابتدا کرنے والے سر سید احمد خاں اور مولوی چراغ علی تھے۔ پھر مولوی عبداللہ چکڑالوی اس کے علمبردار بنے۔ اس کے بعد مولوی احمد الدین امرتسری نے اس کا بیڑا اٹھایا پھر مولانا اسلم جیراج پوری اسے لے کر آگے بڑھے۔ اور آخر کار اس کی ریاست چودھری غلام احمد پرویز کے حصے میں آئی جنہوں نے اس کو مضلالت کی انتہا تک پہنچا دیا ہے۔[2]

دوبارہ پیدائش کی وجوہات:

اس کی دوسری پیدائش کا سبب بھی وہی تھا جو دوسری صدی میں پہلی مرتبہ اس کی پیدائش کا سبب بنا تھا، یعنی بیرونی فلسفوں اور غیر اسلامی تہذیوں سے سابقہ پیش آنے پر ذہنی شکست خوردگی میں مبتلا ہو جانا، اور تنقید کے بغیر باہر کیان ساری

چیزوں کو سراسر تقاضائے عقل مان کر اسلام کو ان کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کرنا۔[3]

پہلے اور بعد میں پیدا ہونے ہونے والے فتنوں کے درمیان وجہ امتیاز یہ تھی اور ہے کہ پہلے مسلمان فاتح تھے جبکہ یہ فلسفے مفتوح قوموں کے تھے اسی طرح مسلمانوں کا سیاسی اور فوجی غلبہ تھا جبکہ اب اس کے برعکس ہے، اس وقت مسلمان ان کو مغلوب کر

---

[1] ۔ آئینہ پرویزیت: ۶۵

[2] ۔ سنت خیر الانام: ۹

[3] ۔ تدوین حدیث: ۷۰

رہے تھے جبکہ اب مسلمان ہر جگہ پٹ رہے ہیں جسکے نتیجے میں اب اس کا اثر بہت سخت ہو گی۔ [1]

نتیجہ بحث:

دوسری صدی کی بنسبت تیرھویں صدی کے حالات بہت مختلف تھے۔اس وقت مسلمان فاتح تھے،ان کو فوجی وسیاسی غلبہ حاصل تھا،اور جن فلسفوں سے انہیں سابقہ پیش آیا تھا وہ مفتوح و مغلوب قوموں کے فلسفے تھے۔اس وجہ سے ان کے ذہن پر ان فلسفوں کا حملہ بہت ہلکا ثابت ہوا اور بہت جلدی رد کر دیا گیا۔اس کے بر عکس تیرھویں صدی میں یہ حملہ ایسے وقت میں ہوا جبکہ مسلمان ہر میدان میں پٹ چکے تھے،ان کے اقتدار کی اینٹ سے اینٹ بجائی بجا چکی تھی،ان کے ملک پر دشمنوں کا قبضہ ہو چکا تھا،ان کو معاشی حیثیت سے بریطرح کچل ڈالا گیا تھا،ان کا نظام تعلیم درہم برہم کر دیا گیا تھا،اور ان پر فاتح قوم نے اپنی تعلیم،اپنی تہذیب،اپنی زبان،اپنے قوانین،اور اپنے اجتماعی وسیاسی اور معاشی اداروں کو پوری طرح مسلط کر دیا تھا۔ان حالات میں جب مسلمانوں کو فاتحوں کے فلسفے اور سائنس سے اور ان کے قوانین اور تہذیبی اصولوں سے سابقہپیش آیا تو قدیم زمانے کے معناہ کی بہ نسبت ہزار درجہ زیادہ پختہ مرغوب ذہن کھنے والے منزلہ ان کے اندر پیدا ہونے لگے ۔ انہوں نے سمجھ لیا کہ مغرب سے جو نظریات،جو افکار و خیالات،جو اصول تہذیب و تمدن اور جو قوانین حیات اسے ہیں وہ سراسر معقول ہیں،ان پر اسلام کے نقطہ نظر سے تنقید کر کے حق و باطل کا میلکر نا محض تاریک خیالی ہے۔زمانے کے ساتھ ملنے کی صورت میں یہ ہے کہ اسلامکو کسی نہ کسی طرح ان کے مطابق ڈھال دیا جائے۔

---

[1] ۔ایضاً:۷۵

فصل دوم

منتخب کتب حدیث میں مسئلہ انکارِ حدیث پر ابحاث

انکارِ حدیث اور اس کے ضمن میں منتخب کتب حدیث پر مختلف ابحاث موجود ہیں۔ جن میں انکارِ حدیث اور اس سے متعلقہ موضوعات اور اعتراضات کا علمی جائزہ لیا گیا ہے۔ ان منتخب کتب کے موضوعات مختلف اور متنوع ہیں۔ جن کا تعلق قرآن مجید، حدیث، اجماع اور قیاس کی روشنی میں تفہیم حدیث اور مسائل انسانی کے حل کے لیے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کیا گیا ہے۔

انکارِ حدیث کے ضمن میں منتخب کتب حدیث میں دلائل پائے جاتے ہیں۔ یہ دلائل مختلف ابحاث سے متعلقہ ہیں، جن کی وضاحت پیش کی جاتی ہے۔ ان میں پہلا موضوع قرآنی دلائل اور سنت رسول ﷺ کا ہے، جس کے مختلف احکام و مسائل کا منتخب کتب حدیث سے جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

2.1 قرآن اور سنت رسول ﷺ کے آپس میں تعلق کا علمی جائزہ

قرآن کریم اور سنت رسول ﷺ کا ایک دوسرے سے گہرا تعلق ہے۔ جس وجہ سے قرآن کریم میں بار بار جس چیز کا مطالبہ کیا گیا ہے اور جس عمل کی پیروی کی تاکید کی گئی ہے وہ سنت رسول ﷺ ہی ہے۔ قرآن کو سب سے زیادہ سمجھنے والے رسول اللہ ﷺ ہی ہیں اور رسول اللہ ﷺ کی رہنمائی خود اللہ تعالیٰ کرتے ہیں۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ قرآن کریم کو سو فیصد سمجھتے تھے اور اسی کے مطابق عمل کرتے تھے اور کر کے دکھاتے تھے تاکہ امت اسی سے رہنمائی حاصل کرے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرضِ منصبی بھی یہی تھا کہ صحابہ کرامؓ کو قرآن کی تعلیم حکمت سے سکھائیں، چنانچہ اسی تعلیمات کا صحابہؓ سے بھی مطالبہ کیا گیا تھا۔

- سنت خیر الانام میں مولانا مناظر احسن گیلانیؒ لکھتے ہیں کہ انہوں (صحابہؓ) نے جس قرآن کو خدا کی شریعت اور قدرت کا قانون یقین کر کے مانا تھا، اس میں بار بار مطالبہ کیا گیا تھا کہ تم میں سے ہر ایک کی زندگی کا نصب العین صرف یہی ہونا چاہیے کہ جو کچھ محمد ﷺ فرماتے ہیں اسے سنو، سن کر یاد رکھو اور اس پر ایمان لاؤ، یقین کرو۔ [1]

اس کے متعلق گیلانی صاحبؒ لکھتے ہیں کہ محمد ﷺ جو کچھ کرتے ہیں ان کی ہر ایک ادا پر نگاہ رکھو اور ٹھیک جس طرح

---

[1]۔ گیلانی، تدوین حدیث: 13

ان کو جو کچھ کرتے ہوئے دیکھتے ہو تم بھی اس کام کو اسی طرح کرنے کی کوشش کرو۔[1]

پیر کرم شاہ الازہریؒ لکھتے ہیں کہ اگر احکام قرآنی میں تھوڑا سا غور کیا جائے تو یقین ہو جاتا ہے کہ ان کو کماحقہ سمجھنے کے لئے صرف عربی زبان کی مہارت، عقل کی تیزی اور فکر کی سبک پروازی کافی نہیں۔ انسان کو عربی زبان میں کتنی ہی مہارت ہو اور کتنا ہی عقلمند و مفکر کیوں نہ ہو وہ قرآن کو سمجھنے میں نبی ﷺ کی رہنمائی کا محتاج ہے۔[2](ص57)

مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ لکھتے ہیں:

"محمد ﷺ جو کچھ کرتے ہیں ان کی ہر ایک ادا پر نگاہ رکھو اور ٹھیک جس طرح ان کو جو کچھ کرتے ہوئے دیکھتے ہو تم بھی اس کام کو اسی طرح کرنے کی کوشش کرو۔"[3]

یہ وہی مطالبہ ہے جو کہ صحابہؓ سے کیا گیا اور اسی مطالبہ کے ذریعے امت پر بھی رسول اللہ ﷺ کی اتباع لازم کر دی گئی۔ سب سے پہلے جس چیز کا مطالبہ تھا وہ سمع واطاعت کا مطالبہ تھا۔ اور اسی سمع واطاعت کا بنیادی اصول یہ بتایا کہ اہل ایمان کی اولین ترجیح رسول اللہ ﷺ کے فرمودات کو سننا ہے، پھر سننے کے بعد ان کو یاد بھی رکھنا ہے اور یقین بھی کرنا ہے کہ جو بھی رسول اللہ فرما رہے ہیں وہی درست ہے۔ اور اسی پر مسلمان کو ایمان لانا ہے۔ اسی سنت کو عملی جامہ پہنانے کے لیے مسلمانوں سے جو مطالبہ کیا گیا ہے۔ سمع واطاعت اور فرمانبرداری کے بجائے اگر کوئی رسول اللہ ﷺ کی بات کو رد کرتا ہے، اطاعت نہیں کرتا اور اطاعت نہ کرنا ہی نافرمانی کہلاتا ہے تو ایسے بندے کا انجام کیا ہو گا۔

پیر کرم شاہ الازہریؒ لکھتے ہیں کہ قرآن حکیم میں ایسی بے شمار آیتیں ہیں جن میں علیم و خبیر خدا نے اپنی مخلوق کو اپنے برگزیدہ بندے اور مقبول رسول ﷺ کی غیر مشروط اطاعت کا حکم دیا ہے اور بارہا تنبیہہ فرمائی ہے کہ جس نے اس کی فرمانبرداری سے انحراف کیا وہ اپنے پروردگار کا باغی ہے۔ اس کے انعامات سے محروم اور اور اس کے غضب و عذاب کا سزاوار ہے۔[4] رسول اللہ ﷺ کی اطاعت حکم الٰہی ہے اور اطاعت نہ کرنا بغاوت ہے اور اس کا بدلہ اللہ کے انعامات سے محرومی اور عذاب الٰہی ہے۔

1.1 حجیت حدیث:

---

[1] ۔ایضاً:13

[2] ۔ سنت خیر الانام، ص:57

[3] ۔ایضاً:13

[4] ۔ پیر کرم شاہ، **سنت خیر الانام**:34

حدیث شریعت اسلامیہ میں حجت ہے، اس کا نکار موجبِ عذاب الٰہی ہے، اب جبکہ ایک بندہ اپنے آپ کو مسلمان بھی کہتا ہے، اور قرآن کریم کو بھی مانتا ہے اور اپنی حد تک قرآن کریم سمجھ کر اس پر علم بھی کرتا ہے تو کیا یہ عمل اس کے لیے کافی ہو گا اور کیا یہ ٹھیک بھی ہو گا۔ یقیناً اس کا یہ عمل قابل قبول نہیں ہو گا کیونکہ قرآن ہی کہتا ہے کہ قرآن کو سمجھنا ہے تو پہلے میرے نبی ﷺ سے سمجھو اور اگر ایسا نہیں کرتے تو پھر نبی کے بھیجنے اور مبعوث کرنے کا مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے۔

اسی بات کو مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ نے اپنی کتاب "حجیت حدیث" میں لکھتے ہیں کہ معلوم ہوا کہ جس طرح کتب الٰہیہ اور ملائکۃ اللہ کی وحی حجت ہے اسی طرح انبیاء کرام کے ارشادات بھی قطعاً حجت ہیں جس شئ پر ایمان لانا فرض ولازم ہو گا وہ قطعاً حجت ہو گی۔ لہذا اگر نبی کے اقوال وافعال حجت نہ ہوتے تو پھر قرآن کریم میں نبی اور رسول پر ایمان لانے کا حکم نہ ہوتا بلکہ صرف کتاب اللہ پر ایمان لانا کافی ہوتا۔[1] اس سے معلوم ہوا کہ ایمان لانے میں کتاب اللہ، رسول اللہ پر ایمان لانا ضروری ہے جو کچھ کتاب اللہ میں ہے بر حق ہے اسی طرح جو کچھ رسول اللہ ﷺ کہتے، کرتے اور حکم دیتے ہیں بر حق اور واجب الاتباع ہیں۔

- اقرآن وحدیث کے باہمی تعلق اور دونوں کے واجب الاتباع اور دونوں کا ایک دوسرے کے بغیر ناقابل عمل ہونے کے سے معلوم ہوتا ہے کہ در حقیقت کتاب وسنت ایک ہی چیز کے دو پہلو ہیں۔ ایک میں اللہ کی طرف سے شریعت نازل ہونے کے اعتبار سے ربوبیت اور حاکمیت کا پہلو اجاگر ہوتا ہے تو دوسرے میں شریعت کی عملی تعبیر کے اطاعت اور نمونہ کا پہلو۔ گویا کتاب اللہ میں الفاظ کا پہلو غالب ہے اور سنت میں معنٰی کا پہلو۔[2] الفاظ اور معانی یعنی قرآن وحدیث دونوں ہی سے شریعت کی تکمیل ہوتی ہے، بغیر حدیث کے قرآن کو نہ سمجھا جا سکتا اور بغیر قرآن کے حدیث کو نہ و سمجھا جا سکتا۔ ورنہ پھر ایسا ہی ہو گا کہ کوئی بغیر معنی کے ہو یا کوئی معنی بغیر عبارت کے ہو جبکہ کوئی بھی عبارت الفاظ ومعانی ہی کے ذریعہ سمجھی جا سکتی ہے۔

2 تعلیمات محمدیہ ﷺ

رسول اللہ ﷺ نے قرآن مجید کی روشنی میں صحابہ کی تربیت کی۔ صحابہ نے رسول اللہ ﷺ کی تربیت سے بہت کچھ سیکھا، اپنی زندگی میں اپنایا، اور قرآن اسی کی روشنی میں قرآن مجید سمجھ کر دنیا میں انقلاب عظیم برپا کیا، مولانا مودودی صاحبؒ اپنی کتاب

"سنت کی آئینی حیثیت" میں لکھتے ہیں:

---

[1] ۔ کاندھلوی، حجیت حدیث: 33،34

[2] ۔ کیلانی،، آئینہ پرویزیت: 140

"یہی محمدی تعلیم وہ بالاتر قانون ہے جو حاکم اعلیٰ (یعنی اللہ تعالیٰ) کی مرضی کی نمائندگی کرتا ہے۔ یہ قانون محمد ﷺ سے ہم کو دو شکلوں میں ملا ہے۔ایک قرآن جو لفظ بلفظ خداوند عالم کے احکام وہدایات پر مشتمل ہے، دوسرے محمد ﷺ کا اسوہ، یا آپ کی سنت جو قرآن کے منشاء کی توضیح وتشریح کرتی ہے۔"[1]

جس وجہ سے محمد ﷺ خدا کے محض قاصد نہیں تھے کہ اس کی کتاب پہنچادینے کے سوا ان کا کوئی کام نہ ہوتا وہ اس کے مقرر کیے ہوئے رہنما، حاکم اور معلم بھی تھے۔ان کا کام یہ تھا کہ اپنے قول اور عمل سے قانون الٰہی کی تشریح کریں۔[2]

حدیث رسول آیات قرآنیہ کی روشنی میں:

منتخب کتب میں قرآن وسنت کے درمیان تعلق اور قرآن مجید ہی سے سنت رسول کی حجیت کے متعلق آیات قرآنیہ پیش کی ہیں ۔جن میں سے اکثر سب کتب میں متفق ہیں جو کہ درج ذیل ہیں:

1. ﴿وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا ﴾ [3]

رسول (ﷺ) نے جو کچھ دیا ہے اسے پکڑے رہو اور جس سے انہوں نے روکا ہے اسے رک جاؤ۔

2. ﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللَّهِ ﴾ [4]

ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا لیکن صرف اس لیے کہ اس کی پیروی اور اطاعت خدا کے حکم سے کی جائے۔

3. ﴿قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ﴾[5]

کہہ دو اگر تم اللہ کو چاہتے ہو تو میری پیروی کرو اللہ بھی تمہیں چاہنے لگے گا۔

4. ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ﴾ [6]

تحقیق تمہارے لیے رسول اللہ (کی ذات) میں بہترین نمونہ ہے۔

5. ﴿وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ ﴾ [7]

---

[1]۔ مولانا مودودی، **سنت کی آئینی حیثیت**:31

[2]۔ ایضاً:35

[3]۔ الحشر:7

[4]۔ النساء:64

[5]۔ آل عمران:31

[6]۔ الاحزاب:21

[7]۔ النحل:44

(اے پیغمبر!) ہم نے تم پر بھی یہ قرآن اس لیے نازل کیا ہے تاکہ تم لوگوں کے سامنے ان باتوں کی واضح تشریح کر دو جو ان کے لیے اتاری گئی ہیں، اور تاکہ وہ غور و فکر سے کام لیں۔

6. ﴿يَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ﴾ [1]

وہ ان کو نیک باتوں کا حکم فرماتے ہیں اور بری باتوں سے منع کرتے ہیں اور پاکیزہ چیزوں کو حلال کرتے ہیں اور گندی چیزوں کو ان پر حرام فرماتے ہیں اور ان لوگوں پر جو بوجھ اور طوق تھے ان کو دور کرتے ہیں۔

7. ﴿هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ﴾ [2]

وہی ہے جس نے امی لوگوں میں انہی میں سے ایک رسول بھیجا جو ان کے سامنے اس کی آیتوں کی تلاوت کریں اور ان کو پاکیزہ بنائیں، اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیں۔

8. ﴿وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلَى مَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَإِلَى الرَّسُولِ رَأَيْتَ الْمُنَافِقِينَ يَصُدُّونَ عَنْكَ صُدُودًا﴾ [3]

اور جب انہیں کہا جاتا ہے کہ جو چیز اللہ نے نازل کی ہے اس کی طرف آؤ اور رسول کی طرف آؤ تب تو منافقوں کو دیکھے گا کہ تجھ سے پہلو تہی کرتے ہیں۔

9. ﴿إِنَّا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرَاكَ اللَّهُ وَلَا تَكُنْ لِلْخَائِنِينَ خَصِيمًا﴾ [4]

بے شک ہم نے حق پر مشتمل کتاب تم پر اس لیے اتاری ہے تاکہ تم لوگوں کے درمیان اس طریقے کے مطابق فیصلہ کرو جو اللہ نے تم کو سمجھا دیا ہے اور تم خیانت کرنے والوں کے طرف دار نہ بنو۔

10. ﴿إِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِينَ إِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ أَنْ يَقُولُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾ [5]

مؤمنوں کی تو یہ بات ہوتی ہے کہ جب انہیں اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ رسول ان کے درمیان فیصلہ کریں تو وہ یہ کہتے ہیں کہ: ہم نے (حکم) سن لیا، اور مان لیا اور ایسے ہی لوگ ہیں جو فلاح پانے والے ہیں۔

---

[1]۔ الاعراف: 157 ص: 259

[2]۔ الجمعۃ: 2

[3]۔ النساء: 61

[4]۔ النساء: 105

[5]۔ النور: 51

11. ﴿وَمَنْ يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَخْشَ اللَّهَ وَيَتَّقْهِ فَأُولَئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ﴾ [1]

جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کریں، اللہ سے ڈریں، اور اس کی نافرمانی سے بچیں، تو وہی لوگ کامیاب ہیں۔

12. ﴿وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلَى مَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَإِلَى الرَّسُولِ رَأَيْتَ الْمُنَافِقِينَ يَصُدُّونَ عَنْكَ صُدُودًا﴾[2]

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اؤ اس حکم کی طرف جو اللہ نے اتارا ہے اور آؤ رسول کی طرف، تو تم ان منافقین کو دیکھو گے کہ وہ تم سے پوری طرح منہ موڑ بیٹھے ہیں۔

13. ﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ﴾ [3]

نہیں،(اے پیغمبر!) تمہارے پروردگار کی قسم! یہ لوگ اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے جب تک یہ اپنے باہمی جھگڑوں میں تمہیں فیصل نہ بنائیں، پھر تم جو کچھ فیصلہ کرو اس کے بارے میں اپنے دلوں میں کوئی تنگی محسوس کریں، اور اس کے آگے مکمل طور سر تسلیم خم کر دیں۔

مؤلفین کی پیش کردہ آیات کی روشنی قرآن وحدیث یا کتاب وسنت کے آپس میں ربط اور دونوں کے بغیر دین اور احکام دین کی تکمیل نہ ہونا بخوبی معلوم ہو سکتا ہے۔

2.2 احادیث رسول کی حیثیت شرح قرآن کی:

نماز

ارکان اسلام میں سے بنیادی رکن نماز ہے جس کا قرآن کریم میں بار بار حکم ہوا ہے، نماز کی ادائیگی کے لیے وضو کا حکم ہوا ہے، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ ﴾

---

[1] ۔النور:80

[2] ۔النساء:61

[3] ۔النساء:81

جب تم نماز کے لیے اٹھو تو اپنے منہ کو اور اپنے ہاتھوں کو کہنیوں سمیت دھو لو اور اپنے سروں کا مسح کرو اور اپنے پاؤں کو ٹخنوں سمیت دھو لو۔

اس آیت مبارکہ سے وضو کے چار فرائض معلوم ہوتے ہیں:

1. چہروں کو دھونا 2. ہاتھوں کو کہنیوں سمیت دھونا 3. سر کا مسح کرنا 4. پاؤں کو ٹخنوں سمیت دھونا

اس آیت میں کلی کرنے، ناک صاف کرنے، کان کا مسح کرنے، اگر پاؤں میں دھونے کے علاوہ کلی کرنا، ناک صاف کرنا، کان کا مسح کرنا، موزے پر مسح کرنا، کن حالات میں وضو ٹوٹ جاتا ہے اور کن حالات میں نہیں ٹوٹتا ان سب کا حکم قرآن کریم میں تو موجود نہیں، اس کا حکم ہمیں کہاں سے ملا اس بارے میں مولانا مودودیؒ لکھتے ہیں:

"نبی ﷺ نے بتایا منہ دھونے کے حکم میں کلی کرنا اور ناک صاف کرنا بھی شامل ہے۔ کان سر کا ایک حصہ ہیں اور سر کے ساتھ ان پر بھی مسح کرنا چاہئے۔ پاؤں میں موزے ہوں تو مسح کیا جائے اور موزے نہ ہوں تو دھونا چاہئے۔۔۔ کن حالات میں وضو ٹوٹ جاتا ہے اور کن حالات میں باقی رہتا ہے۔"[1]

بالکل اسی طرح دن میں کتنی مرتبہ نماز پڑھنی ہے، کتنی رکعات پڑھنی ہے، رکوع میں کیا پڑھنا ہے، سجود میں کیا پڑھنا ہے، التحیات میں کیا پڑھنا ہے۔ امام کس کو بنانا ہے، وغیرہ، اسی طرح وتر کی نماز، عیدین کی نماز، نماز جمعہ وغیرہ تو اگر حدیث کو شارح احکام خداوندی نہیں مانیں گے تو یقیناً نماز تو ہو گی مگر جسم بے روح کی طرح۔

زکوٰۃ:

نماز کے بعد عبادات میں دوسرا بڑا رکن زکوٰۃ ہے۔ جس کا قرآن کریم میں نماز کے ساتھ بھی اور تنہا بھی کئی مرتبہ تذکرہ اور حکم آیا ہے۔ زکوٰۃ، صدقات کا حکم تو قرآن کریم میں ہے مگر زکوٰۃ کی شرح کا تعین، زکوٰۃ کا مقصد، زکوٰۃ کے محاصل، مصارف زکوٰۃ اسی طرح صدقہ و خیرات کی تفصیلات قرآن کریم میں کہیں ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملیں گی۔ ان سب کی تفصیلات اور تشریح رسول نبی کریم ﷺ نے اپنی حدیث مبارکہ کے ذریعے امت مسلمہ کو بتائی۔ مگر فلسفہ زکوٰۃ سے ناواقفیت یا اپنی سمجھ کے مطابق قرآن کریم سمجھنے کی وجہ سے منکرین حدیث ٹیکس کو بھی زکوٰۃ میں شامل کر بیٹھے۔ اس بنیادی فلسفہ سے ناواقفیت کا نقصان یہ ہوا کہ وہ زکوٰۃ اور ٹیکس کو ایک ہی چیز سمجھنے لگے اور شرح زکوٰۃ کو گھٹانے اور بڑھانے لگے، چنانچہ ان کی اسی بنیادی نقطہ نظر کو پیش نظر رکھ کر پیر کرم شاہ الازہریؒ لکھتے ہیں:

---

[1]۔ مودودی، سنت کی آئینی حیثیت: 88

"شرح زکوۃ اب بھی ڈھائی فی صد ہو تو حکومت کا نظم و نسق نہیں ٹل سکتا موجودہ زمانے میں بقا۔۔ فوج، لاکھوں سپاہیوں۔۔ جدید اسلحہ۔۔ تعلیم، صحت عامہ، ذرائع رسل ورسائل۔۔۔۔ موجودہ حالات میں ڈھائی فیصد زکوۃ ان اخراجات کی کیسے ب کفیل ہو سکتی ہے۔۔۔ اپنی ضرورت کے پیش نظر اس شرح کو گھٹا بڑھا سکے۔"[1]

یہ تو منکرین حدیث کا نظریہ زکوۃ ہے، پھر مزید اس بنیاد پر دیوار قائم کر کے خلافت کے قیام میں مخل زکوۃ کی شرح اور زکوۃ کے نصاب کو بتاتے ہیں۔ جبکہ زکوۃ کس سے لی جائے اور کس کو دی جائے اور کتنی دی جائے یہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابن عباسؓ کو زکوۃ کے بارے میں فرمایا:

فَأَعْلِمْهُمْ أَنَّ اللَّهَ افْتَرَضَ عَلَيْهِمْ صَدَقَةً فِي أَمْوَالِهِمْ، تُؤْخَذُ مِنْ أَغْنِيَائِهِمْ وَتُرَدُّ عَلَى فقرائهم-[2]

ان کو بتاؤ کہ اللہ نے ان کے اموال پر صدقہ (زکوۃ) فرض کی ہے، ان کے امیروں سے لے لیے جائیں گے اور ان کے غریبوں کو دے دیئے جائے گے۔

اس حدیث مبارک سے سمجھ آگیا کہ زکوۃ کے وہ مصارف نہیں جو کہ منکرین حدیث سمجھ رہے ہیں بلکہ زکوٰۃ کے مصارف جو رسول اللہ ﷺ نے بتائے ہیں وہی ہیں۔ وہ امیروں (صاحبِ نصاب لوگوں) سے لیکر غریبوں کو دے دی جائے گی۔ جس میں کہیں بھی حکومتی انتظامات، دفاعی اخراجات، حکومت کی بقاء، خلافت کے قیام کے لیے دینے کا حکم نہیں اور اگر زکوۃ کو ان میں خرچ کیا جائے تو یہ زکوۃ کے حکم الہی کے خلاف ہوگا، اسی نظریہ کے خلاف میں پیر صاحبؒ لکھتے ہیں کہ ان حضرات نے حکومت کی ذمہ داریوں اور اس کے اخراجات کا جو اندازہ لگایا ہے وہ حرف بحرف درست ہے لیکن زکوۃ کا مفہوم سمجھنے میں ان کی عقل نے دھوکا کھایا ہے وہ زکوۃ کو ٹیکس کا مترادف سمجھ رہے ہیں اور اسی پر اپنا قصر استدلال تعمیر کیا ہے۔۔۔ ٹیکس کا مفہوم الگ ہے اور زکوۃ کا مفہوم الگ۔[3] زکوۃ اور ٹیکس کا مفہوم الگ، مصارف الگ، فلسفہ الگ اور نوعیت الگ، جب ان دونوں میں اتنا اخلاف ہے تو کس طرح کہا جا سکتا ہے کہ زکوۃ کو ٹیکس کی مد میں لیا جائے۔

اسی کے متعلق پیر صاحبؒ لکھتے ہیں کہ زکوۃ اور ٹیکس کا مفہوم الگ ہے، زکوۃ مال کا مخصوص تناسب امیروں سے لیکر غریبوں کو دیا جاتا ہے جبکہ ٹیکس اس معاوضے کو کہتے ہیں جو انسان حکومت وقت کو بحالی امن، حفاظت جان ومال اور اندرونی اور بیرونی جنگوں کی

---

[1] ۔

[2] ۔

[3] ۔ ایضاً:65

روک تھام کے لیے ادا کرتا ہے۔[1]

جس سے معلوم ہوا کہ زکوۃ کے مصارف الگ ہیں اور ٹیکس کے مصارف الگ ہیں، اسی لیے کسی حکومت کے لیے جائز نہیں کہ وہ زکوۃ کی رقوم اس کی مد کے علاوہ کسی اور مد میں خرچ کرے۔ جبکہ منکرین حدیث ایک عرصہ تک اسی کوشش میں لگے رہے کہ زکوۃ کا نظام ہی معطل کیا جائے۔قرآن کریم نے سونے اور چاندی کے جمع کرنے پر سخت وعید فرمائی ہے۔ سورہ توبہ کی آیت نمبر ۳۴ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ﴾ [2]

اور جو سونا چاندی جمع کر رکھتے ہیں اور اس کو اللہ کے راستے میں خرچ نہیں کرتے تو انہیں دردناک

عذاب کی خوشخبری سنایئے۔

اس کے عموم میں اتنی بھی گنجائش نظر نہیں آتی کہ ایک مسلمان روزمرہ کے خرچ سے زائد ایک پیسہ بھی اپنے پاس رکھ سکے یا خواتین کے پاس سونے چاندی کا ایک تار زیور کے طور پر رہ جائے یا رہ سکے۔ رسول اللہ ﷺ ہیں جنہوں نے بتایا کہ سونے اور چاندی کا نصاب کیا ہے اور بقدر نصاب یا اس سے زیادہ سونا چاندی رکھنے والا آدمی اگر اس ڈھائی فیصد کے حساب سے زکوۃ ادا کردے تو وہ قرآن مجید کی اس وعید کا مستحق نہیں۔

روزہ

ارکان اسلام میں سے تیسرا اہم رکن روزہ ہے، جس کی قرآن کریم میں تاکید فرمائی گئی ہے، احادیث مبارکہ میں بہت اہمیت حاصل ہے، اگر ہم روزہ کو قرآن کریم یا صرف عربی دانی سے بغیر حدیث کی تشریح کے سمجھنے کی کوشش کریں گے تو کبھی بھی نہ سمجھ سکیں گے اور نہ ہی عمل کر سکیں گے اور اگر عمل بھی کریں گے تو وہ خاطر خواہ اور کبھی بھی اس طرح نہیں کر سکیں جس طرح کا ہمیں قرآن کریم نے حکم دیا ہے اور رسول اللہ ﷺ نے بتایا ہے۔ جب سحری کی آیت مبارکہ نازل ہوئی، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

---

[1] ایضاً۔66

[2] ۔التوبہ:34

﴿وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ثُمَّ أَتِمُّوا الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ﴾[1]

اور کھاؤ اور پیو جب تک کہ تمہارے لیے سفید دھاری سیاہ دھاری سے فجر کے وقت صاف ظاہر ہو جائے، پھر روزوں کو رات تک پورا کرو۔

سیاہ دھاری اور سفید دھاری کا کیا مطلب ہے؟ حضرت عدی بن حاتم طائیؓ نے حقیقت میں دو سیاہ اور سفید دھاگے اپنے پاس رکھ لیے، رات کے آخر پہر میں مسلسل ان کو دیکھتے رہے یہاں تک کہ صبح کے وقت دونوں دھاگے صاف صاف دکھائی دیے تو روزہ رکھ لیا اور صبح کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر وضاحت طلب کی، عرب ہونے کے باوجود، عربی دان ہونے کے باوجود اور قرآن کریم کے پاس ہونے کے باوجود وہ اس کے معنیٰ اور مطلب نہ سمجھ سکے، رسول اللہ ﷺ سے تشریح اور وضاحت طلب کی تب جاکر ان کو سمجھ میں آیا اسی بات کو مولانا مودودیؒ رسول اللہ ﷺ کے شارح قرآن کے ضمن میں اپنی تصنیف سنت کی آئینی حیثیت میں درج کیا ہے۔[2] اس کے متعلق پیر کرم شاہ الازہری لکھتے ہیں کہ اب اس تحقیق سے ظاہر ہو گیا کہ قرآن کریم کے احکام کا صحیح مفہوم سمجھنے کے لیے صرف عربی زبان کی مہارت کافی نہیں بلکہ سنت نبوی کی اتباع کے بغیر کام نہیں چلتا۔[3] غرض حدیث کو حجت نہ ماننے کی وجہ سے ہم روزہ نہیں رکھ سکتے۔

حج

ارکان اسلام میں سے چوتھا اہم اور عظیم الشان رکن حج ہے، کون ایسا مسلمان ہو گا جو یہ دعا نہ کرتا ہو گا کہ اس کو اسباب میسر آجائیں تو وہ حج بیت اللہ کرے، حج کے بارے میں تو اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَلِلَّهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا﴾[4]
اللہ کے لیے لوگوں پر اس گھر کا حج فرض ہے جسے اس کی استطاعت ہو۔

آیت مبارکہ سے اتنا تو معلوم ہوا کہ بیت اللہ کا حج صاحب استطاعت لوگوں پر فرض ہے مگر اس کی وضاحت نہیں کہ صاحب استطاعت سے مراد کون لوگ ہیں، حج زندگی میں کتنی مرتبہ ادا کرنا ہے، حج کے ارکان کیا ہیں، تو اس کی وضاحت قرآن کریم

---

[1] ۔

[2] ۔ایضاً:89

[3] ۔پیر کرم شاہ۔ **سنت خیر الانام**:59

[4] ۔آل عمران:97

میں کہیں بلکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمائی ہے۔اب اگر کوئی مسلمان سنت رسول کو حجت مانے بغیر حج ادا کرے گا تو اس کا نتیجہ سوائے انتشار کے اور کیا ہو گا، پیر کرم شاہ الازہریؒ اسی نتیجہ کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اگر آپ حضور کریم ﷺ کے ارشادات کو واجب التسلیم نہ سمجھیں تو یہ فریضہ جس کی ایک بہت بڑی حکمت تمام دنیائے اسلام میں مرکزیت اور احساسِ اتحاد و یگانگت پیدا کرنا ہے تشتت وافتراق کی نذر ہو جائے گا۔"[1]

اسی آیت یا اس جیسی آیات کو لے کر اگر کوئی اعتراض کرے کہ اس کا یہ مطلب ہوا کہ قرآن کریم نامکمل ہے، ابہامات کا مجموعہ ہے، جس پر عمل کسی بھی صورت میں ممکن نہیں ہو سکتا۔اس کے جواب میں پیر صاحبؒ لکھتے ہیں کہ اس میں کسی قسم کا خفا نہیں، ہاں اگر اس کے سمجھنے میں دقت ہے اور کوئی حکم صریح طور پر ہم سمجھ نہیں سکتے تو یہ ہماری کوتاہی فہم کا نتیجہ ہے۔اس کمی کو پورا کرنے کے لیے تو اللہ نے رسول مبعوث فرمایا۔[2] مطلب کسی چیز کا ہماری سمجھ میں نہ آنا اس کے ناقابلِ عمل یا ناممکن ہونے کی ہر گز وجہ نہ بن سکتی۔

بغیر سنت کے فہم قرآن

جو لوگ سنت رسول اللہ ﷺ کے بغیر قرآن کریم سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں ان کو آگاہ کرنے کے لیے مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ لکھتے ہیں:

"حق تو یہ ہے کہ حدیث نبوی اور اقوال صحابہ کے بغیر قرآن کا مطلب سمجھنا ہے ممکن نہیں۔"[3]

اسی کے متعلق امام ابو حنیفہؒ کا ارشاد ہے:

لولا السنة مافهم احد منا القرآن.[4]

اگر حدیث نہیں ہوتی تو ہم میں سے کوئی بھی قرآن کو نہ سمجھتا۔

---

[1]۔ پیر کرم شاہ، **سنت خیر الانام**:60

[2]۔ ایضاً:61

[3]۔ محمد ادریس، **حجیت حدیث**۔:52

[4]، قاسمی، جمال الدین، **قواعد التحدیث من فنون مصطلح الحدیث** (دار الکتب العلمیہ۔بیروت):52

بغیر احادیث اور اقوال صحابہ کے نہ نماز، نہ روزہ، نہ حج، نہ زکوٰۃ، نہ خلع، نہ طلاق اور نہ ہی جہاد و قتال اور نہ اعداء اللہ سے صلح و جنگکسی شئ کی بھی حقیقت منکشف نہیں ہو سکتی۔[1] قرآن کریم براہ راست سرورِ عالم ﷺ پر نازل ہوا اور حق جل شانہ نے تمام احکام کی تعبیر، اخبار و حکایات کا پس منظر، اجمال کی تفصیل، اشارات و کنایات کی تفسیر، اصطلاحات کی تشریح، آیات بینات اور متشابہات کا مفہوم اور حروف مقطعات کا حل اپنے محبوب کریم کو واضح طور پر سمجھا دیا کیونکہ اگر قرآن کا کوئی گوشہ حضور ﷺ کے علم سے خفی رکھا جاتا تو پھر اس کے نازل کرنے کا فائدہ ہی کیا؟[2] غرض احادیث کا قرآن مجید سے تعلق اس حد زیادہ ہے کہ ان حادیث کے بغیر قرآن کریم کے احکام و مسائل پر کسی طرح بھی عمل پیرا نہیں ہوا جا سکتا۔

فہم قرآن رسول کے بغیر ناممکن ہے:

رسول اللہ ﷺ کے بغیر قرآن کریم سمجھنا ناممکن ہے، جس کے کئی دلائل نماز، روزہ، حج زکوٰۃ وغیرہ کے سلسلے میں پیش ہوئے، اب اگر عقلی طور پر بھی سوچا جائے کہ کیا کوئی کتاب بغیر استاد کے پڑھی جا سکتی ہے، اگر ہاں میں بھی جواب دیا جائے تو کیا وہ کتاب بغیر استاد اور اس کی تشریح کے کیا سمجھ میں بھی آسکتی ہے، اسی طرح کوئی استاد صرف لکھے ہوئے حروف پڑھا دے تو کیا وہ سمجھ میں آجائیں گے جب تک کہ وہ ان کی تشریح اور وضاحت نہ کرے، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے رسول ﷺ کو معلم انسانیت بنا کر بھیجا اور رسول اللہ ﷺ نے قرآن کی تعلیم دی اور تشریح بیان فرمائی۔ اسی منصب کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ﴾[3]

اور ہم نے تم پر ذکر نازل کیا ہے تاکہ جو کچھ لوگوں کے لئے نازل ہوا ہے اس کو کھول کر بیان کریں اور شاید کہ وہ غور و فکر کریں۔

وضاحت ہمیشہ اسی چیز کی جاتی ہے جو کہ سمجھ میں نہ آئے تو اللہ کو بھی علم تھا کہ ایک استاد اور معلم اور ہادی ہونا ضروری ہے، یہی وجہ ہے کہ کئی احکام کی اگر حضور ﷺ تشریح نہ فرماتے تو محض عربی دانی اور قابلیت سے سمجھے نہیں جا سکتے، بالکل اسی طرح جیسا کہ مولانا ادریس کاندھلوی لکھتے ہیں:

---

[1]۔ ایضاً:52

[2]۔ ص: پیر:76

[3]۔ النحل:44

"جس طرح محض زباں دان ہونے سے طب اور ڈاکٹر کی کتاب کا مطالعہ نہیں کر سکتا جب تک کہ طبیب اور ڈاکٹر اس کا مطلب نہیں سمجھائے، اسی طرح اس طب روحانی یعنی قرآن کریم کو بغیر طبیب روحانی یعنی نبی اکرم ﷺ کے بیان اور تفسیر کے نہیں سمجھ سکتا۔"[1]

یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔ بعض لوگ اکثر یہ دلیل دیتے ہیں کہ اللہ نے خود فرمایا ہے کہ ہم نے قرآن مجید کو آسان کیا ہے تو پھر بھی کسی تفسیر وغیرہ کی ضرورت ہی کیا ہے۔ قرآنی کریم کوئی معمولی کتاب نہیں اور اگر اس آیت کا مقصد وہی ہے جو یہ لوگ سمجھتے ہیں تو پھر رسول اللہ ﷺ کو بھیجنے اور قرآن کی تعلیم دینے اور وضاحت و تفسیر بیان کرنے کا مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے۔ اس آیت سے واضح معلوم ہوتا ہے کہ ذکر و نصیحت اور وعبرت کے لئے آسان ہے، اس کتاب کو پڑھو اور گذشتہ نافرمان اقوام اور ان کا کفر و طغیان اور انبیاء کو ایذاء کا جو انجام انہوں نے دیکھا تم بھی ان کے انجام سے سبق حاصل کرو اور فرمانبر دوروں پر جو انعامات ہوئے ان کے راستہ پر چل کر تم بھی ان انعامات کو حاصل کرو۔ اسی طرح اللہ کی مخلوقات، اپنی خلقت وغیرہ میں غور کر کے اس رب تک پہنچ جاؤ۔ باقی احکام و مسائل، حلال و حرام، شادی بیاہ اور معاشی و معاشرتی مسائل، عائلی مسائل وغیرہ جو قرآن مجید میں بیان ہوئے ہیں، ان کی وہ تفصیلات درست ہوں گی جو کہ رسول اللہ ﷺ کریں گے۔

دلیل

بخاری شریف کی روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے ایک بار کوفہ کی جامع مسجد میں درس دیتے ہوئے یہ فرمایا:

"جسم پر نام گدوانے والی، بال اکھاڑنے والی اور ریتی سے رگڑ کر دانت چھوٹے کرنے والی عورتوں پر اللہ تعالیٰ نے لعنت فرمائی ہے۔"[2]

یہ اس زمانے کا فیشن تھا جیسا کہ ہر دور میں عورتوں میں رواج ہوتا ہے کہ وہ خود کو سنوارتی ہیں، آرائش وزیبائش اختیار کرتی ہیں اور پھر ان کی یہ خواہش بھی ہوتی ہے کہ انہیں دیکھا جائے۔ یہ سن کر کوفہ کی ایک خاتون ام یعقوبؓ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے درس میں آئی اور پوچھا کہ آپ نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے، کیا یہ قرآن کریم میں ہے؟ خاتون کا مطلب یہ تھا کہ اگر اللہ تعالیٰ نے لعنت کی ہے تو اس کا ذکر قرآن کریم میں ہونا چاہیے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود نے جواب دیا کہ ہاں یہ قرآن کریم میں ہے۔ ام یعقوبؓ نے

---

[1]۔ محمد ادریس، مولانا، **حجیت حدیث**:70

[2]۔ بخاری، **صحیح**:2219/5، کتاب اللباس، باب المستوشمة۔ ح:5604

کہا کہ قرآن کریم تو میں نے بھی سارا پڑھا ہے اس میں کہیں یہ مسئلہ مذکور نہیں ہے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ نے سورہ حشر کی یہ تلاوت فرمائی:

﴿وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا﴾[1]

اور رسول تمہیں جو دیں وہ لے لو اور جس سے روکیں اس سے رک جاؤ۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ایسا فیشن کرنے والی عورتوں پر اللہ تعالیٰ نے لعنت کی ہے اس لیے آپؐ کا یہ ارشاد بھی قرآنی تعلیمات ہی کا حصہ ہے۔[2]

دلیل:

حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ ہی کا ایک اور ارشاد اسی آیت کے ضمن میں تفسیر قرطبیؒ میں بھی مذکور ہے کہ ایک دفعہ بیت اللہ کا طواف کرتے ہوئے حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ نے ایک مرد کو دیکھا کہ وہ احرام کی دو چادروں کے ساتھ کوئی سلا ہوا کپڑا بھی پہنے ہوئے تھا۔ انہوں نے اسے روک کر بتایا کہ مرد کے لیے احرام کی حالت میں سلا ہوا کپڑا پہننا منع ہے۔ اس نے جھٹ سے سوال کر دیا کہ کیا یہ قرآن کریم میں ہے؟ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ ہاں قرآن کریم میں ہے اور پھر مذکورہ آیت پڑھ کر یہی استدلال کیا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میرا نبیؐ جس کام کا حکم دے وہ کرو اور جس سے روکے اس سے رک جاؤ، اور جناب نبی اکرمؐ نے فرمایا ہے کہ مرد کے لیے حالت احرام میں سلا ہوا کپڑا پہننا درست نہیں ہے۔[3] حدیث رسول اور اقوال صحابہ کے بغیر قرآن کی تفسیر ناممکن ہے۔ اگر کوئی دعویٰ کرتا ہے تو مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ نے اس کا امتحان لینے کا ایک طریقہ بتایا ہے:

> "کسی عبادت، معاملہ یا سیاست ملکیہ و مدنیہ کے متعلق آیات قرآنیہ سے چند سوالات مرتب کیے جائیں اور منکر حدیث کو فقط قرآن کریم دے کر ایک بند کمرہ میں بٹھلا دیا جائے کہ اس سوال کا جواب فقط قرآن سے دو۔ کسی حدیث اور صحابی کے قول کا اس میں شائبہ بھی نہ آنے پائے۔"[4]

---

[1]۔ الحشر: 7

[2]۔ عبد الرحمن کیلانی، **آئینہ پرویزیت**: 235

[3]۔ قرطبیؒ، ابو عبد اللہ، محمد بن احمد، **الجامع لأحکام القرآن**، (دار الکتب المصریہ۔ قاہرہ 1384ھ۔1964ء): 17/18

[4]۔ محمد ادریس کاندھلوی، **حجیت حدیث**: 53، 54

جس کے مقابلے میں دوسرا شخص اسی سوال کا جواب حدیث رسول اور اقوال صحابہ کی روشنی میں لکھے پھر دونوں جوابوں کا موازنہ کیا جائے انشاءاللہ اس وقت منکرین حدیث کی قرآن دانی اور قرآن فہمی کی حقیقت واضح ہو جائے گی۔

نتیجہ بحث:

اس پوری بحث میں منتخب کتب متفق ہیں جن میں قرآن کریم اور رسول اللہ ﷺ کی ذات کا آپس میں تعلق، تشریحات، عقلی اور نقلی طور پر رسول اللہ ﷺ کی حیثیات بھی شامل ہیں۔

2.3 حجیت سنت اور ماخذ قانون شریعہ

رسول اللہ ﷺ عطائے نبوت کے بعد تیئیس سال تک امت میں رہے۔ اللہ کا کلام رسول اللہ ﷺ پر اس دورانیہ میں نازل ہوتا رہا۔ جس کی تشریح اور جس کا عملی نمونہ اللہ نے رسول اللہ ہی کو بنایا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے قرآن کریم امت تک پہنچایا۔ آپ ﷺ نے ہمہ گیر تحریک کی رہنمائی بھی کی جس کے نتیجے میں ایک سوسائٹی وجود میں آئی، ایک نیا نظام تہذیب و تمدن وجود میں آیا اور ایک ریاست قائم ہوئی۔ اسی بات کو علامہ مودودی لکھتے ہیں:

> "تیئیس سالہ پیغمبرانہ زندگی میں حضور ﷺ نے جو کچھ کیا وہ سنت ہے جو قرآن کے ساتھ مل کر حاکم اعلیٰ کے قانون برتر کی تشکیل و تکمیل کرتی ہے۔"[1]

2.1 حلت و حرمت کے احکام:

جس طرح سنت رسول کے ذریعے قرآن کریم کے احکام کی تشریح ہوتی ہے بالکل اسی طرح سنت رسول ﷺ بہت سی چیزوں کو حلال و حرام بھی کرتی ہے اور بہت سے دیگر احکام بھی دیتی ہے جن کا تذکرہ قرآن کریم میں نہیں ہے۔ اس لیے ہم رسول اللہ ﷺ کو شارع بھی کہتے ہیں یہ منصب خود رسول اللہ ﷺ نے نہیں بنالیا کہ معترضین و مستشرقین کو کسی قسم کا اعتراض ہو بلکہ یہ مقام اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو دیا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ﴾[2]

---

[1]۔ مودودی، ابوالاعلیٰ، مولانا، **سنت کی آئینی حیثیت**: 64

2

جو نیکی کا حکم کرتا ہے اور برائیوں سے روکتا ہے اور ان کے لیے پاکیزہ چیزوں کو حلال کرتا ہے اور گندی چیزوں کو حرام کرتا ہے۔

جس سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ امر و نہی اور حلال و حرام صرف وہی نہیں جو کہ قرآن مجید میں ہیں بلکہ رسول اللہ ﷺ کو بھی اللہ نے حلت اور حرمت کے اختیارات دیئے ہیں۔ جس کے متعلق مولانا مودودیؒ لکھتے ہیں:

"اللہ نے تو یہاں امر و نہی اور تحلیل و تحریم کو رسول کا فعل قرار دیا ہے نہ کہ قرآن کا۔ پھر کیا کوئی شخص اللہ سے یہ کہنا چاہتا ہے کہ آپ سے غلط بیانی ہو گئی، بھولے سے قرآن کے بجائے رسول کا نام لے گئے۔[1]

یہ در حقیقت مولانا مودودیؒ نے ان منکرین کا رد کیا ہے جو مختلف بہانوں سے رسول اللہ ﷺ کی حیثیت کو کم کرنے اور آپ ﷺ کو عام لوگوں کی صف میں لا کھڑا کرنے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں، یہی وجہ ہے کہ مرکز ملت کی اصطلاح، حکمران وقت کو گویا زندہ رسول کہنا اور رسول اللہ ﷺ کو قرآن پہنچانے والے کے ساتھ محمد رسول اللہؐ کے بجائے محمد بن عبداللہ کی حیثیت میں رکھنا اس کا واضح ثبوت ہیں، پیر کرم شاہ الازہریؒ اس آیت کے تحت لکھتے ہیں:

''قرآن کی اصطلاح میں بھی منافق ہے جو حضور ﷺ کے ارشاد گرامی کو ماننے سے انکار کرتا ہے۔ یعنی کوئی مسلمان تو سنت سے انحراف کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ سنت سے انحراف تو منافقین کا شیوہ ہے۔''[2]

رسول اللہ کا فیصلہ ماننا ضروری ہے اس سے رو گردانی اور خلاف ورزی کرنا گناہ، نافرمانی اور عذاب الٰہی کو دعوت دینا ہے۔ جانوروں میں سے حلال و حرام کون سے جانور ہیں تو قرآن کریم میں تو صرف چار کے بارے میں فرمایا ہے کہ یہ حرام ہیں، جو کہ درجِ ذیل ہیں:

1۔ مردار 2۔ خون 3۔ خنزیر 4۔ وہ جانور جسے غیر خدا کا نام لے کر ذبح کیا جائے۔

ان چار کے علاوہ کئی جانور حرام ہیں مگر ان کا تذکرہ قرآن کریم میں کہیں نہیں، مگر سنت رسول نے انہیں حرام قرار دیا ہے جن کے متعلق پیر صاحبؒ لکھتے ہیں کہان کے علاوہ سینکڑوں چیزی حرام ہیں؛ مثلاً کوا، گدھ، گدھا، سانپ وغیرہ۔ ان کو حضور ﷺ نے حرام

---

[1]۔ مودودی۔ ابوالاعلیٰ، **سنت کی آئینی حیثیت**:80

[2]۔ ازہری۔ کرم شاہ، **سنت خیر الانام**: ۴۲

فرمایا کیاان کو آپ حلال کر دیں گے، کتاب اللہ نے خبائث کو حرام کیااور حکمت نے ان کی خباثت کی تفصیل بیان کر دی۔[1] جس سے پتہ چلا کہ بقیہ جانور مثلاً کوا، گدھا، سانپ، بچھو غرض خباث جن کی تفصیلات رسول اللہ ﷺ سے معلوم ہوئیں وہ سب حرام ہیں۔

میراث

اسی طرح میراث کے احکام میں بہن کو ایک بھائی کا نصف ملے گا یعنی دو بہنوں اور ایک بھائی کا حصہ برابر ہے۔ اسی طرح صرف دو سے زیادہ لڑکیاں ہونے کی صورت میں دو تہائی ترکہ ملے گا۔ اگر صرف دو لڑکیاں ہوں اور کوئی لڑکا نہ ہو تو اس بارے میں قرآن مجید خاموش ہے حدیث اس کی وضاحت کرتی ہے۔ جس کے متعلق مولانا مودودیؒ صاحب لکھتے ہیں کہ اس میں یہ بات واضح نہ تھی کہ اگر لڑکیاں ہوں اور کوئی بھائی بھی نہ ہو تو وہ کتنا حصہ پائیں گی، نبی ﷺ نے توضیح فرمادی کہ دو لڑکیوں کا بھی اتنا ہی حصہ ہوگا جتنا دو سے زیادہ لڑکیوں کا مقرر کیا گیا ہے۔[2] یہ وہ مثالیں تھیں جو کہ مولانا مودودیؒ نے اپنی کتاب میں حدیث اور قرآن میں تعلق کے سلسلے میں حدیث کی تشریعی حیثیت کے بارے میں لکھی ہیں۔

رجم

اسی طرح آئینہ پرویزیت میں مولانا عبدالرحمٰن کیلانیؒ نے قرآن کی تشریح کے سلسلے میں حدیث کی حجیت کے لیے نقلی اور عقلی دلائل پیش کیے ہیں جن میں سے ایک نقلی دلیل درجِ ذیل ہے:

نقلی دلیل:

ایک لڑکے نے شادی شدہ عورت سے زنا کی، اس لڑکے کا والد اور عورت کا شوہر دونوں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش ہوئے اور عرض کی کہ ان کے درمیان کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ فرمائیں۔ آپ ﷺ نے لڑکے کو غیر شادی شدہ ہونے کی وجہ سے سو کوڑے اور سال کی جلاوطنی کا حکم دیا جبکہ اس عورت کے اعتراف زنا کی وجہ سے اس کو رجم کا حکم دیا۔ حالانکہ رجم کی سزا معروف کتاب اللہ یعنی قرآن کریم میں موجود نہیں۔ یہی نتیجہ علامہ کیلانی نے بھی بیان کیا ہے لکھتے ہیں:

"رجم کی سزا کتاب اللہ کے مطابق ہے حالانکہ قرآن مجید میں مذکور نہیں۔"[3]

---

[1]۔ ایضاً:76

[2]: ایضاً:77

[3]۔ آئینہ پرویزیت:142

رسول اللہ ﷺ کا فیصلہ سو فیصد کتب اللہ کے مطابق ہوتا ہے۔احادیث متواترہ اور سنت ثابتہ سے بھی احکام فرضیت اور وجوب ثابت ہوتا ہے اور اسی پر تعامل امت بھی رہا ہے جبکہ منکرین حدیث کا مسلک اس سے بالکل الگ اور مختلف ہے۔ان کے نزدیک صرف قرآن ہی دین ہے اور قرآن کے علاوہ دین کے کوئی احکام نہیں۔یہ منکرین حدیث کا مسلک تو ہو سکتا ہے مگر امت مسلمہ کا یہ مسلک نہیں۔

ذی رحم محرم کو نکاح میں جمع کرنا

قرآن کریم میں دو بہنوں کو بیک وقت نکاح میں جمع کرنے سے منع کیا گیا ہے نبی ﷺ نے بتایا کہ پھوپھی، بھتیجی، خالہ بھانجی کو جمع کرنا بھی اسی حکم میں داخل ہے۔

تعدد ازدواج کی حد

قرآن کریم دو دو، تین تین اور چار چار نکاح کی اجازت دیتا ہے مگر اس کی وضاحت نہیں کرتا کہ بیک وقت ایک مرد کے نکاح میں کتنی عورتیں ہو سکتی ہیں،اس کی وضاحت رسول اللہ ﷺ نے فرمائی ہے۔

نتیجہ بحث:

احکام شریعت میں بھی حدیث حجیت ہے۔پیغمبر اعظم ﷺ نے اللہ کے اعلیٰ قانون کی تشکیل دی، جس میں قرآن کریم کو قانون کی کتاب اور آئین انسایت قرار دیا۔اس کی آیات کی تشریح کی اور تعلیم دی۔لیکن ساتھ ہی ساتھ بہت سے ایسے احکام و مسائل بھی ہیں جن کا تذکرہ یا حکم قرآن کریم میں کہیں نہیں مگر رسول اللہ ﷺ نے حکم بھی دیا ہے اور وہ واجب العمل بھی ہیں جن میں سے میراث، کھانے پینے کی حلال و حرام اشیاء، نکاح محارم وغیرہ بطور مثال کے پیش کی گئی ہیں ورنہ لاتعداد مسائل ایسے ہیں جو کہ احادیث رسول کے بغیر قابل عمل نہیں ہو سکتے۔

2.4 حیثیت رسول:

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قرآن کریم پہنچا دینے کے بعد یہ کام کس حیثیت سے کیا۔پیغمبر کی حیثیت سے یا ایک عام آدمی کی حیثیت سے ؟ پہلی حیثیت ماننے کی صورت میں رسول اللہ ﷺ کی سنت کو حجت ماننا لازمی ہو گا کہ رسول اللہ

ﷺ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کیے ہوئے نبی ، رسول ، حاکم ،ہادی ،رہبر ،راہنما اور معلم تھے ۔ان کی اطاعت اور پیروی مسلمانوں پر لازم تھی اور ہے۔اسی طرح حضور ﷺ کی زندگی تمام اہل ایمان کے لیے اسوہ حسنہ تھی اور ہے۔

دلیل اول:

جہاں تک عقل کا تعلق ہے تو وہ یہ ماننے سے انکار کرتی ہے کہ ایک نبی صرف خدا کا کلام پڑھ کر سنانے کی حد تک تو نبی ہو اور اس کے بعد محض ایک عام آدمی ہو۔ کیونکہ اگر اسی طرح ہی کسی عام آدمی پر وحی نازل کرنی تھی تو نبی ہی کا انتخاب کیوں ضروری ٹھہرا ؟لوگوں میں سے برگزیدہ بندوں کو نبوۃ سے کیوں سرفراز کیا گیا اور ساتھ ہی ساتھ ان کو اعلیٰ اخلاق ، کردار اور معصوم بنانے کی ضرورت ہی کیوں پیش آئی۔ عقل بھی اس حقیقت کو ماننے سے انکار کرتی ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے :

﴿قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلَا يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ﴾[1]

جو لوگ اللہ پر اور روزِ آخرت پر ایمان نہیں لاتے اور نہ ہی ان چیزوں کو حرام سمجھتے ہیں جن کو اللہ اور اس کے رسول نے حرام کیا ہے۔ان سے جنگ کرو۔

جس کا نتیجہ اللہ یا اس کے رسول کی حرام کردہ اشیاء کو حرام نہ سمجھنے والا کافر ہے۔رسول اللہ ﷺ کے احکام بھی ایسے واجب الاتباع ہیں جیسے اللہ تعالیٰ کے۔ بالفاظ دیگر سنت رسول شریعت کا مستقل حصہ اور فقہ واجتہاد کا مستقل ماخذ ہے۔[2]حیرت کی بات ہے کہ منکرین حدیث رسول اللہ کی شارع کی حیثیت سے انکار بھی کرتے ہیں۔ مگر اپنی عملی زندگی میں اسے اپنائے بھی جاتے ہیں۔ وہ مچھلی اور انڈے بڑے شوق سے کھاتے ہیں اور انہیں کبھی یہ خیال نہیں آتا کہ قرآن کی رو سے یہ دونوں چیزیں میتہ کے ضمن میں آتی ہیں اور حرام ہیں۔یہی صورت جگر اور تلی کے گوشت کی بھی ہے۔[3]جس سے واضح ہوتا ہے کہ میتہ کے ضمن میں بھی آنے کے باوجود جو رسول اللہ ﷺ حلال قرار دیں تو وہ حلال ہی ہوں گی۔

دلیل دوم:

جہاں تک عام مسلمانوں کا تعلق ہے وہ آغاز اسلام سے آج تک بالاتفاق ہر زمانے میں اور تمام دنیا میں محمد ﷺ کو نمونہ واجب الاطاعت مانتے رہے ہیں حتی کہ کوئی غیر مسلم عالم بھی اس امر واقعی سے انکار نہیں کر سکتا کہ مسلمانوں نے ہمیشہ آنحضرت

---

[1]۔التوبۃ:29

[2]۔عبدالرحمن کیلانی، **آئینہ پرویزیت**:235

[3]۔ایضاً:235

ﷺ کی یہی حیثیت مانی ہے۔اسی بناء پر اسلام کے قانونی نظام میں سنت رسول ﷺ کو قرآن کے ساتھ دوسرا ماخذ قانون تسلیم کیا گیا ہے۔

منصف یا جج کا مقام:

اہل ایمان سے اللہ مطالبہ کرتا ہے کہ میرے رسول کی بات پر لبیک کرو۔اسی میں تمہاری کامیابی ہے اور اسی طرح ایمان بھی یہی تقاضہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کے فیصلہ کے سامنے اہل ایمان اپنا سر تسلیم خم کیا جائے چنانچہ اسی تقاضہ ایمانی کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّمَاكَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِينَ إِذَادُعُواإِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ أَنْ يَقُولُوا سَمِعْنَاوَأَطَعْنَاوَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾[1]

ایمان والوں کا کام تو یہ ہے کہ جب وہ بلائے جائیں اللہ اور اس کے رسول کی طرف تاکہ رسول ان کے درمیان فیصلہ کرے تو وہ کہیں کہ ہم نے سنا اور مان لیا۔

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

﴿وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلَى مَاأَنْزَلَ اللَّهُ وَإِلَى الرَّسُولِ رَأَيْتَ الْمُنَافِقِينَ يَصُدُّونَ عَنْكَ صُدُودًا﴾[2]

اور جب انہیں کہا جاتا ہے کہ جو چیز اللہ نے نازل کی ہے اس کی طرف آؤ اور رسول کی طرف آؤ تب تو منافقوں کو دیکھے گا کہ تجھ سے پہلو تہی کرتے ہیں۔

سمع واطاعت ، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکامات کو ماننا ایمان کا شیوہ ہے۔ان کے احکام سے روگردانی کرنا اور دوسروں کو بھی ان احکامات پر عمل پیرا ہونے سے روکنے کا سبب بننا اہل ایمان کا کام نہیں بلکہ منافقین کا کام ہے۔کامیابی کا دارومدار اور کامیابی کے حصول کا منبع ومرکز انہی کے فیصلے سامنے سر تسلیم خم کرنا ہے۔یہ قرآن مجید محولہ بالا آیت مبارکہ میں بتارہا ہے۔اور ان آیات نے اس بات کو بھی واضح کردیا کہ اپنے معاملات میں صرف قرآن کا فیصلہ نہیں بلکہ قرآن وسنت کا فیصلہ ضروری ہے اور

---

[1]۔النور:51

[2]۔النساء:61

یہی ہمارے پاکستان کے قانون کے بنیادی ستون بھی ہیں۔ مولانا مودودیؒ بھی ان آیات کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ فیصلہ حاصل کرنے کے لیے دو مستقل مرجع ہیں، ایک قرآن قانون کی حیثیت سے، دوسرے رسول ﷺ جج کی حیثیت سے۔ اور ان دونوں سے منہ موڑنا منافق کا کام ہے نہ کہ مومن کا۔[1]

اسلامی قانون کے یہی دو بنیادی ارکان ہیں اور اصل الاصول ہیں اور ماخذ شرع ہیں جن کی تمام فیصلوں میں سب سے پہلے پیروی کی جاتی ہے، جن کی روشنی میں اصول، قواعد وکلیات بنائی جاتی ہیں۔ اب ان سے کوئی مسلمان تو منہ موڑ نہیں سکتا، ہاں ان سے وہی شخص منہ موڑ سکتا ہے جو کہ بظاہر مسلمان کہلاتا ہو مگر اس کا عمل خلاف ایمان ہو۔

رسول کا فیصلہ حتمی ہوتا ہے:

انسان جہاں کہیں رہتا ہے، اسے یقیناً مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے، اس طرح کبھی کسی مسئلہ میں اختلاف بھی ہو سکتا ہے، لڑائی جھگڑا بھی ہو جاتا ہے، اسی طرح رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں بھی صحابہ کے درمیان اختلافات بھی ہوئے مگر عمل صرف اور صرف رسول اللہ ﷺ کے حکم کیا مطابق کیا گیا ہے۔ اللہ نے بھی مسلمانوں کو اس کا پابند کیا ہے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُبِينًا ﴾[2]

کسی مؤمن مرد اور عورت کو اللہ اور اس کے رسول کے فیصلہ کے بعد اپنے معاملہ اختیار نہیں اور جس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی تو وہ صریح طور پر گمراہ ہوا۔

اس آیت مبارکہ کا شان نزول تو ایک رسول اللہ ﷺ کا فیصلہ ہے کہ آپ ﷺ نے ایک عورت کا رشتہ کسی صحابی سے کرادیا جس کی تفصیلات ابن کثیر بیان کی ہیں[3]، مگر مختصر یہ کہ ان کے رشتہ دار کسی بنا پر راضی نہیں ہو رہے تھے، غالباً رسول ﷺ بھی یہ چاہتے تھے کہ اچھے رشتوں کو محض خاندانی یا مالی فوقیت کی وجہ سے رد کرنے کے رجحان کی حوصلہ شکنی کرنا چاہتے تھے، اگرچہ ہم پلہ ہونے کا فی الجملہ تو اعتبار ہو مگر کوئی اور وجہ ترجیح موجود ہو تو پھر رشتہ رد نہیں کرنا چاہیے۔

---

[1] ۔ مودودی، ابوالاعلیٰ، مولانا، **سنت کی آئینی حیثیت**: 81

[2] ۔ الاحزاب: 36

[3] ۔ ابو الفداء ابن کثیر، اسماعیل بن عمر، **تفسیر القرآن العظیم** (دار الطیبۃ: 1999ء): 421/6

غرض اس آیت کا تو ایک پس منظر ہے مگر اس کے الفاظ عام ہیں جو کہ شریعت کا اصول واضح کرتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسول کے حکم کے بعد کسی کو اپنی رائے چلانے کا اختیار نہیں۔ مولانا ادریس کاندھلویؒ لکھتے ہیں کہ اس آیت میں مؤمن اور مؤمنہ کے لیے دو فیصلوں کو ماننا لازم ایمان قرار دیا گیا ہے ایک اللہ کا فیصلہ۔اور ایک رسول کا فیصلہ۔ پس اگر رسول کا قول و فعل ہی حجت نہیں تو اس کا فیصلہ ہی کیسے حجت، واجب التسلیم اور لازم ایمان ہوگا۔ معلوم ہوا کہ قضاء رسول قرآن کریم کے علاوہ ایک مستقل حجت ہے جس کو ماننا مدار ایمان ہے۔[1] اسی طرح دوسرا ارشاد مبارک ہے:

﴿لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَمِنْهَاجًا﴾[2]

ہر ایک کو ہم نے ایک شریعت اور ایک طریق دیا ہے۔

ابن عباس وغیرھم کی روایت کے مطابق منہاج سے مراد سنت رسول ﷺ ہے۔[3] منہاج اور شریعت صرف نبی کے اقوال و افعال اور اس کے تکلم اور سکوت کے مجموعہ کا نام ہے جس کے مطابق عمل کرنا قرآن کریم نے فرض و لازم قرار دیا ہے۔[4] قرآن کریم اور سنت رسول کا فیصلہ ہو تو اپنے اختیارات اپنے پاس رکھ کر اسی فیصلہ پر لبیک کرنا اور عمل پیرا ہونا ضروری ہوتا ہے۔

نتیجہ بحث

رسول اللہ ﷺ کی حیثیت صرف ایک انسان کی نہیں بلکہ مقرب الی اللہ، حاکم، قاضی، شارح قرآن اور تا قیامت آپ کی اتباع کا حکم دیا گیا ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین اور سنت رسول ﷺ

رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد بھی سنت رسول ﷺ ہمیشہ واجب الاتباع رہی جس کے کئی دلائل اور بین ثبوت موجود ہیں جن میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

خلافت راشدہ کے زمانے میں خلیفہ اول سیدنا ابو بکر صدیقؓ نے حلف لیتے ہوئے فرمایا:

---

[1] ۔کاندھلوی، محمد ادریس، مولانا، **حجیت حدیث**:36

[2] .المائدۃ:48

[3] ۔قرطبی، محمد بن احمد انصاری، **تفسیر قرطبی**(دار الکتب المصریۃ قاہرہ:1964):211/6

[4] ۔کاندھلوی، محمد ادریس، مولانا، **حجیت حدیث**:45

أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ وَلِيتُ أَمْرَكُمْ وَلَسْتُ بِخَيْرِكُمْ وَلَكِنْ نَزَلَ الْقُرْآنُ وَسَنَّ النَّبِيُّ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - السُّنَنَ فَعَلَّمَنَا وَعَلِمْنَا. أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّمَا أَنَا مُتَّبِعٌ وَلَسْتُ بِمُبْتَدِعٍ. فَإِنْ أَحْسَنْتُ فَأَعِينُونِي وَإِنْ زُغْتُ فَقَوِّمُونِي۔[1]

اے لوگو! میں تمہارا والی بنادیا گیا ہوں مگر میں تم سے بہتر نہیں لیکن خوب سمجھ لو کہ ہم میں قرآن اترا اور نبی ﷺ نے ہم کو سنتیں اور طریقے سکھائے، جو ہم نے جانے اور سیکھے۔(لہٰذا خیر اور بھلائی کتاب وسنت ہی کی اتباع میں ہے۔)اے لوگو! میں تو صرف ہی صرف کتاب وسنت کا اتباع کروں گا اور دین میں کوئی نئی بات نہیں نکالوں گا۔اگر میں حضور ﷺ کے طریقے پر ٹھیک چلوں تو میری اتباع کرو اور اگر ذرہ برابر اس سے انحراف کروں تو میری اصلاح کرنا۔

مولانا مناظر احسن گیلانیؒ اپنی کتاب تدوینِ حدیث میں لکھتے ہیں حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو فاروق اعظمؓ نے کوفہ کا والی بنا کر بھیجا تو حضرت ابو موسیٰ نے تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ مجھے عمر نے تمہارے اس لیے بھیجا ہے کہ تمہیں رب کی کتاب سکھاؤں اور تمہارے رسول ﷺ کی سنت کی تعلیم دوں۔[2]

حضرت عمران بن حصینؓ ایک دن کوئی مسئلہ بیان فرمارہے تھے تو ایک شخص نے کہا کہ ہمارے سامنے صرف اور صرف قرآن کریم بیان کرو۔آپؓ نے پوچھا کہ تم بتا سکتے ہو اگر تمہیں اور تمہارے ساتھیوں کے حوالے قرآن مجید کیا جائے کیا تم اس میں ظہر کی چار رکعتیں، عصر کی چار رکعتیں اور مغرب کی تین رکعتیں پاؤگے ؟۔اور کیا تم بتا سکتے ہو اگر تمہیں اور تمہارے ساتھیوں کے حوالے قرآن مجید کیا جائے کیا تم بیت اللہ کا سات مرتبہ طواف اور صفا و مروہ کا طواف پاؤگے ؟۔اسی طرح وقوف عرفہ، رمی جمار، چور کے ہاتھ کو کس جگہ سے کاٹا جائے وغیرہ۔یہ سارے احکام سنت رسول ﷺ کے بغیر کبھی بھی سمجھ میں نہیں آسکتے۔[3] اگر قرآن میں ہر چیز کی تفصیل ہے تو بتائیں کہ مرغی حلال ہے یا حرام؟ کتا اور گدھا حلال ہیں یا حرام؟ میت کو غسل کیسے دیا جائے؟ تجہیز و تکفین کا کیا طریقہ ہے؟ نماز جنازہ کیسے پڑھی جائے؟ یہ اور اس طرح کے دیگر سوالات ناقابل حل ہیں جب تک کہ احادیث سے ان قرآنی احکام کی تشریح یا دوسری وضاحت نہ ہو۔

نتیجہ بحث:

---

[1]۔ایضاً:147

[2]۔گیلانی، مناظر احسن، مولانا، **تدوین حدیث**:353

[3]۔ایضاً:353

قرآن مجید میں جو جو مقام رسول اللہ ﷺ کو ملا ہے وہ رسول کی رسالت کے ساتھ ساتھ ہے، اس لیے کسی عام مسلمان کو اس غلط فہمی میں نہیں رہنا چاہیے کہ حضور قرآن کریم پڑھ کر سنانے کی حد تک تو رسول تھے اور اس کے بعد آپ ﷺ کی حیثیت ایک عام مسلمان کی سی نہیں بلکہ وہ تمام حیثیات ہیں جو کہ رسول اللہ ﷺ کو اللہ نے دی ہیں۔ منتخب کتب اس پر متفق ہیں۔

2.5 کتابت وتدوین حدیث پر اعتراضات کا علمی جائزہ

قرآن کریم اپنے نزول کے روز اول ہی سے لکھا جاتا رہا، جب کوئی وحی نازل ہوتی تو رسول اللہ ﷺ کسی صحابی کو بلوا کر وہ وحی لکھوالیا کرتے تھے، مگر احادیث کا معاملہ اس قدر اہتمام کا نہ رہا، جس کی کئی وجوہات میں سے ایک بڑی وجہ مسلمانوں کی اول ترجیح قرآن کریم کو حرفالفظا محفوظ کرانا اور ہو حفاظت قرآن کریم تھا اور عام حالات میں حدیث کو قرآن کریم کے ساتھ لکھوانے سے قرآن کی آیات اور حدیث کا آپس میں خلط ملط ہونا بھی تھا، اس وجہ سے منکرین حدیث یہ اعتراض کرتے ہیں کہ حدیث کی جمع وتدوین دو تین سو سال بعد ہوئی چنانچہ پیر کرم شاہ الازہری لکھتے ہیں:

> "ان حضرات کا یہ خیال ہے کہ احادیث کو جمع اور مرتب کرنے کا کام عہد رسالت سے دو تین سو سال بعد شروع ہوا اور محدثین نے لوگوں سے یوں ہی سنی سنائی باتیں بغیر کسی تحقیق کے اپنی کتابوں میں جمع کر دیں اور پھر انہیں دین بنادیا۔"[1] (اصل حوالہ؟)

یہ ایک شبہ ہے، حالانکہ احادیث رسول ﷺ لکھنے کا کام بھی روز اول سے شروع ہوا تھا مگر فرق صرف یہ تھا کہ قرآن کریم لکھنے اور لکھانے کا باقاعدہ اہتمام کیا گیا مگر احادیث کا اس لیے اس قدر اہتمام نہیں کیا گیا کہ مبادیٰ وہ قرآن مجید کے ساتھ خلط ملط نہ ہو جائیں، اس لیے شروع میں رسول اللہ ﷺ نے احادیث لکھنے سے بھی منع فرمایا تھا ساتھ ہی کچھ حضرات کو اجازت بھی عنایت فرمائی، لیکن احادیث کا مذاکرہ اور تعلیم معتبر ذرائع کے مطابق جاری رہی۔ لوگوں میں عام طور پر مشہور ہے کہ احادیث کی تدوین دو سو برس بعد ہوئی ہے جبکہ حقیقت حال اس کے خلاف ہے چنانچہ مولانا مناظر احسن گیلانی اپنی کتاب تدوین حدیث میں بھی لکھتے ہیں:

> "تاریخ حدیث کے بیان کرنے والوں سے اس طرف بہت کم توجہ دی کہ حدیث کی کتابی تدوین کا آغاز کب ہوا۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ جو نہیں مانتے انہیں اس بات کا باور کرایا جاتا ہے کہ احادیث دو سو برس کے بعد مدون

---

[1] ۔ پیر کرم شاہ، سنت خیر الانام: 95

ہوئیں۔اسی طرح بہت سارے ناواقفین بھی اس غلط فہمی میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ حدیث کے مدون اول ابن شہاب زہریؒ ہیں۔"[1]

یہ ایک ایسی غلط فہمی ہے جو کہ خلاف اصل اور خلافِ حقیقت ہے۔ منکرین حدیث اور مستشرقین حدیثِ رسول ﷺ کو ناقابل عمل اور ناقابل اعتبار بنانے کے لیے طرح طرح کے اعتراضات پیش کرتے رہتے ہیں۔ خاص طور پر یہ اعتراض کہ احادیث رسول ﷺ کی تدوین دو سو سال / تین سو سال بعد ہوئی، پیش کر کے احادیث پر عدم اعتماد کی فضا قائم کرنے کی کوشش کرتے رہے ہیں۔ علماء نے ان اعتراضات کے جوابات دیئے ہیں مگر جو انہوں نے دلائل پیش کیے ہیں وہ بہت کمزور اور انہی کے خلاف بھی دلیل بن سکتے ہیں، مولانا مناظر احسن گیلانیؒ اس خلا کو سامنے رکھتے ہوئے منکرین کو جواب دیا ہے چنانچہ لکھتے ہیں:

1. وہ عرب جو قرآن کے نزول کا ماحول ہے وہاں پر تحریر کے ساز و سامان کی اس قدر افلاس کا کس طرح یقین کیا جا سکتا ہے۔
2. جس کتاب کا نام ہی قرآن (بار بار پڑھی جانے والی کتاب) ہو فاتحہ کے بعد پہلی سورہ کی پہلی آیت کا دوسرا لفظ کتاب ہو۔
3. مسلسل کتاب، زبر، اسفار، قراطیس، لوح کا ذکر تقریباً ہر سورت میں بار بار آتا ہو، قلم، دوات، روشنائی، سفرہ، کاتبین، سجل کا ذکر جس کتاب میں پایا جاتا ہو۔

ان سب کے باوجود یہ خیال کیسے کیا جاتا ہے کہ یہ کتاب ایسے لوگوں کے بیچ میں اتری ہو جو کہ لکھنے پڑھنے سے ایسے عاری ہوں جیسے کہ گنوار، بھیل اور جنگلی لوگ عام طور پر ہوتے ہیں۔[2] درجِ ذیل طریقوں سے ہم تک حدیث پہنچی ہے:

1. جو روایات ہم تک پہنچی ہی عملی تواتر اور روایات کے علاوہ حدیث کا زیادہ تر ذخیرہ خود اس کے عینی شاہدوں کے زمانے میں ان ہی کے ہاتھوں قید تحریر آیا ہے۔[3]
2. اپنے زمانے سے مسلسل روایت کے متابعاتی اور شواہدی طریقوں کے علاوہ چشم دید گواہوں نے قید تحریر لایا اور مسلسل باقی رکھا ہے۔[4]

یہ تو ہم تک احادیث پہنچنے کا تسلسل ہے۔ اگر حضور ﷺ نے قرآن محض لکھوا کر چھوڑ دیا ہوتا اور ہزاروں لوگوں نے اسے یاد کر کے بعد کی نسلوں تک نہ پہنچایا ہوتا تو کیا اس بات کا قطعی ثبوت ہو سکتا تھا کہ یہ وہی قرآن ہے جو کہ حضور ﷺ نے لکھوایا

---

[1]۔ مناظر احسن گیلانی، **تدوین حدیث**:50

[2]۔ ایضاً:52

[3]۔ ایضاً:52

[4]۔ ایضاً:52

تھا۔؟[1] تحریر کے معتبر ہونے کا دار ومدار نہیں بلکہ وہ اسی وقت معتبر ہوتی ہے جبکہ زندہ انسان اس کے شاہد ہوں۔[2] کیا پھر بھی احادیث کی حجیت کے انکار کی گنجائش ہو سکتی ہے!۔

مراحل تدوین و کتابت:

تدوین حدیث کے بنیادی طور پر تین مراحل ہیں:

1.عہد رسالت ﷺ 2.عہد صحابہؓ 3.عہد تابعینؒ 4.عہد تبع تابعینؒ

2.2 عہد رسالت میں حدیث:

رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ میں بھی حادیث کا اہتمام کیا جاتا تھا جس کے متعلق صراحتہ صحیح روایات موجود ہیں چنانچہ پیر کرم شاہ الازہریؒ لکھتے ہیں کہ عصر رسالتمآب میں اگرچہ احادیث نبوی حفاظت کا دار ومدار اکثر قوتِ یاد و حفظ پر تھا لیکن اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا بھی قطعاغلط ہے کہ اس زمانے میں حضور ﷺ کے ارشادات بالکل قلم بند کئے ہی نہیں گئے۔[3]

ایسی کئی شہادتیں ملتی ہیں کہ بارہا رسول اللہ ﷺ نے خود کئی مسائل کو اپنی نگرانی میں لکھوایا اور کئی صحابہ جن کو لکھنے کی پوری مہارت تھی انہیں احادیث ضبط کرنے کی اجازت بھی مرحمت فرمائی:

1. ایک گرامی نامہ زکوٰۃ کے متعلق تھا جو خلیفہ اول حضرت ابو بکرؓ کے پاس محفوظ تھا۔اس کو حضور کے حکم سے حضرت ابو بکر نے حضرت انس بن مالکؓ کے لئے لکھا تھا جب انہیں بحرین کی طرف روانہ کیا۔اور آج جمہور علماء جا عمل اسی خط کے مطابق ہے۔
2. ایک گرامی نامہ اہل یمن کی طرف ارسال کیا۔۔اس میں فقہ کے کثیر التعداد مسائل درج ہیں۔زکوٰۃ،دیت اور احکام کے علاوہ کبیرہ گناہوں، طلاق، غلاموں کی آزادی، ایک کپڑے میں نماز پڑھنے ایک ہی کپڑا اوڑھنے، مصحف کو چھونے وغیرہ کے مسائل مذکور ہیں۔
3. ایک گرامی نامہ وہ جو کہ بنی زہیر کو بھیجا گیا۔
4. ایک وہ جو خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروقؓ کے پاس تھا۔اس میں زکوٰۃ کے نصاب اور دوسرے امور کے متعلق احکام تھے۔

---

[1]۔ایضاً:159

[2]۔ایضاً:159

[3]۔پیر کرم شاہ، سنت خیر الانام:106

.5 عہد رسالت میں جو حضرات احادیث طیبہ کو قلم بند کیا کرتے تھے ان میں حضرت عبد اللہ بن عمرؓ اور عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔[1]

.6 پندرہ سو صحابہ کے نام ایک رجسٹر میں

.7 مکتوبات گرامی جو حضور ﷺ نے سلاطین و امراء کے نام لکھے۔[2]

.8 حضرت عبد اللہ بن عمروؓ کے متعلق تو تصریح ملتی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے آپ کو اپنے ارشادات تحریر کرنے کی صرف اجازت ہی نہیں بخشی بلکہ حوصلہ افزائی بھی فرمائی۔ عبد اللہ بن عمروؓ نے احادیث لکھنے کی وجہ یہ بتائی کہ اس ارادے سے کہ اسے یاد کیا کروں۔ جس کے متعلق پیر صاحب لکھتے ہیں:

"جس سے واضح ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین احادیث نبویہ کو یاد رکھنے کا ولولہ رکھتے تھے اور اس کے لیے وہ اپنی طرف سے ہر ممکن کوشش کرتے تھے اور دوسرا ان کو نبی اکرم ﷺ کا صریح حکم 'اکتب' کہ ضرور لکھا کرو اور ساتھ ہی اس حکم کی وجہ بھی بیان فرمادی 'ماخرج منی الا الاحق' کہ میری زبان سے حق کے بغیر کچھ نہیں نکلتا۔"[3]

8.1.1 لکھنے سے منع کرنے کے مخاطب:

رسول اللہ ﷺ نے احادیث لکھنے سے منع بھی فرمایا تھا، مگر کیا سب کو منع فرمایا تھا یا کچھ کو یا کچھ کو اجازت بھی عنایت فرمائی تھی۔ جس کے متعلق پیر کرم شاہ الازہریؒ لکھتے ہیں:

"جن احادیث میں قرآن کے بغیر کچھ اور لکھنے سے منع کیا گیا ہے اس کے مخاطب عام لوگ ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ عرب عام طور پر لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے۔"

احادیث لکھنے اجازت نہ دینا اس ڈر سے تھا کہ کہیں نو آموزی کے باعث آیات قرآنی کے ساتھ احادیث کا اختلاط نہ ہو جائے۔ اس خطرہ کے انسداد کے لئے عوام الناس کو روکا گیا لیکن جو اس فن میں مہارت اور کمال حاصل کر چکے تھے انہیں صرف اجازت ہی نہیں بلکہ حکم دیا گیا:

" اكْتُبْ فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ مَا خَرَجَ مِنِّي إِلَّا حَقٌّ "[4]

---

[1] ۔ایضاً:107،108

[2] ۔عبد الرحمٰن کیلانی، آئینہ پرویزیت:488

[3] ۔پیر کرم شاہ، سنت خیر الانام:109

[4] ۔

ضرور لکھو، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، میرے منہ سے حق کے علاوہ کوئی بات نہیں نکلتی۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعینؓ قرآن کے الفاظ کے ساتھ ہی رسول اللہ ﷺ کے تشریحی اقوال بھی لکھا کرتے تھے در آں حالیکہ ابھی صحابہ کو پورا نازل شدہ قرآن بھی یاد نہ ہوتا تھا۔لوگ احادیث میں منہمک ہو کر قرآن مجید کو پس پشت نہ ڈال دیں۔[1] اگر حضور نے محض قرآن مجید محض لکھوا کر چھوڑ دیا ہوتا اور ہزاروں آدمیوں نے اسے یاد کر کے بعد کی نسلوں کو زبانی نہ پہنچایا ہوتا تو کیا محض وہ لکھی ہوئی دستاویز بعد کے لوگوں کے لیے اس بات کا قطعی ثبوت ہو سکتی تھی کہ یہ وہی قرآن ہے جو کہ حضور ﷺ نے لکھوایا تھا۔

دلیل:

تحریر کے معتبر ہونے کا دار و مدار تب ہی ہے جب کوئی زندہ شخص شاہد ہو۔اب اگر بالفرض کسی معاملے کے متعلق تحریر موجود نہیں مگر زندہ انسان اس کے شاہد موجود ہیں تو کسی قانون دان سے پوچھ لینا چاہیے کیا زندہ انسانوں کی شہادت ساقط الاعتبار ہو گی جبکہ تائید میں ایک دستاویز بھی پیش نہ کی جائے؟ شاید ایک بھی قانون کا علم رکھنے والا ایسا نہ ملے جو اس سوال کا جواب اثبات میں دے۔آج نبی ﷺ کا لکھوایا ہوا قرآن مجید دنیا میں کہیں موجود نہیں مگر اس قرآن مجید کے معتبر اور مستند ہونے پر ذرہ برابر بھی کوئی اثر نہیں پڑتا کیونکہ متواتر و مسلسل زبانی روایات سے اس کا معتبر ہونا ثابت ہے خود یہ بات کہ حضور ﷺ نے قرآن مجید لکھوایا تھا اس کا ثبوت کہیں نہیں، ہاں! روایات کی بناء پر یہ بات تسلیم کی جاتی ہے کہ جو قرآن مجید رسول اللہ ﷺ نے لکھوایا تھا یہ وہی ہے ورنہ اصل دستاویز اس دعویٰ کے ثبوت میں پیش نہیں کی جاسکتی اور اگر کہیں مل بھی جائے تو یہ ثابت نہیں کیا جاسکتا کہ یہ وہی صحیفے ہیں جو کہ حضور ﷺ نے لکھوائے تھے۔لہٰذا تحریر پر جتنا زور دیا جاتا ہے وہ غلط ہے۔[2]

3 عہد صحابہؓ میں حدیث:

قرآن کریم کی باقاعدہ ایک مصحف میں تدوین سیدنا صدیق اکبرؓ کے دور خلافت میں ہوئی اسی طرح احادیث کے بارے میں پیر صاحب لکھتے ہیں کہ اسی طرح احادیث کے متعلق بھی خلافت راشدہ میں سخت اہتمام تھا کہ کوئی منافق اپنی فطری بد باطنی یا کوئی نو مسلم اپنی کم علمی اور ناواقفی کے باعث غلط بات حضور کی طرف منسوب نہ کر دے۔احتیاط کا یہ عالم تھا کہ بسا اوقات کبار صحابہ کرام

---

[1] ۔ایضاً:95

[2] ۔مولانا مودودی، سنت کی آئینی حیثیت:95

رضی اللہ عنہم اجمعین سے بھی سختی سے احادیث کے متعلق باز پرس کی جاتی۔[1] صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو احادیث محفوظ تھیں جن کی روشنی میں وہ مسائل حل کیا کرتے تھے۔

حضرت ابو بکر ہی کے دور خلافت سے احادیث کے لیے گواہ لانے کا بھی رواج ہو گیا تاکہ توثیق ہو جائے اور کسی کو حدیث گھڑنے اور بنانے کی جرات نہ ہو۔ چنانچہ دادی کی میراث کے مسئلہ میں حضرت مغیرہ بن شعبہؓ نے حضرت عمر کو حدیث بتائی:

1. دادی کی میراث کے مسئلہ میں ابو بکر کے پاس قرآن وحدیث کی کوئی دلیل نہ تھی، صحابہ سے پوچھا تو مغیرہ نے عرض کی کہ حضور دادی کو چھٹا حصہ دیا کرتے۔ آپ نے دریافت کیا کوئی ہے اور بھی ہے جس نے حضور ﷺ سے ایسا سنا ہو۔ حضرت محمد بن مسلمہ اٹھے اور حضرت مغیرہ کی تصدیق کی۔[2]

2. ایک مرتبہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے فاروق اعظم کا تین مرتبہ دروازہ کھٹکایا جواب نہ ملنے پر واپس چلے گئے پھر حضرت عمر نے واپسی کی وجہ پوچھی تو فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ تین مرتبہ دروازہ کھٹکاؤ، جواب نہ ملے تو چلے جاؤ، عمر نے گواہ مانگا حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے تصدیق کی۔ حضرت عمرؓ نے گواہی طلب کی چنانچہ ایک شخص نے تصدیق کی۔[3]

یہ اور اس طرح کی دیگر مثالیں اس لیے تھیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعینؓ احادیث کے سلسلے میں بہت زیادہ محتاط تھے۔

اگر واقعی احادیث مبارکہ لکھی ہوئی نہیں تھیں تو صحابہ کون سی سنت کی تعلیم دیتے تھے، یہی وجہ ہے کہ عمرؓ نے اپنے دور خلافت میں میں مختلف صحابہ کو تعلیم دین کے لیے روانہ فرمایا:

"قرآن وسنت کی تعلیم کے لیے حضرت فاروق اعظمؓ نے ابن مسعود کو ایک جماعت کے ساتھ کوفہ، مقفل بن یسار، عبداللہ بن مغفل اور عمران بن حصینؓ کو بصرہ، عبادہ بن صامتؓ اور ابو درداءؓ کو شام بھیجا۔ سخت تاکیدی حکم لکھا کہ یہ حضرات جو احادیث بیان کریں ان سے ہر گز تجاوز نہ کیا جائے۔[4]

یہ کس چیز کا اہتمام تھا، سب کچھ اگر قرآن میں لکھا ہوا تھا تو پھر عمر کو کیا ضرورت پڑی صحابہ کو مختلف ممالک اور جگہوں میں کتاب وسنت کے درس وتدریس کے لیے بھیجتے رہے۔ ابو موسیٰ اشعریؓ کو بصرہ کی امارت کے لیے بھیجا تو ان کو آنے کی غرض بتائی:

بعثنی عمر لاعلمکم کتاب ربکم وسنت نبیکم.[5]

---

[1] ۔ پیر کرم شاہ، سنت خیر الانام:112

[2] ۔ ایضاً:112

[3] ۔ پیر کرم شاہ، سنت خیر الانام:113

[4] ۔ ایضاً:115

[5] ۔ ایضاً:116

عمرؓ نے بھیجا ہے کہ میں تمہیں تمہاری رب کی کتاب اور تمہارے رسول کی سنت کی تمہیں تعلیم دوں۔

اس حدیث میں بھی واضح ہو گیا ہو گا کہ سنت رسول کا اہتمام دو صدی بعد نہیں بلکہ خلافت راشدہ میں بھی تھا اور اس کی تعلیم و تعلم کا انتظام خود خلفائے راشدینؓ کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے شریح کو قاضی لگایا تو انہیں ہدایت کی:

اذا اتاک امر فاقض بما فی کتاب اللہ فان اتاک مالیس فی کتاب اللہ فاقض بما سن فیہ رسول اللہ ﷺ[1]

جب کوئی مسئلہ پیش آئے تو کتاب اللہ سے اس کا فیصلہ کرو، اور اگر کوئی ایسا مسئلہ آئے جو کہ کتاب اللہ میں موجود نہ ہو تو پھر سنت رسول ﷺ کے مطابق فیصلہ کرو۔

مختلف اطراف سلطنت میں تعلیم حدیث کے لیے اصحاب رسول ﷺ کو بھیجنے کا مطلب یہی ہے کہ کتاب و سنت کی تعلیم صرف آپ ﷺ یا صحابہؓ کے زمانے تک نہیں ہے کہ تا قیامت لوگوں کے لیے مشعل راہ ہے۔ جس کے متعلق پیر صاحب لکھتے ہیں:

"کم از کم اس سے یہ حقیقت ہویدا ہو جاتی ہے کہ حضرت عمرؓ کو یقین تھا کہ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت امت پر قیامت تک فرض ہے اور اسی میں ان کی ترقی، عزت اور ہیبت کا راز پنہاں ہے۔ اسی لیے آپؓ نے ملک کے گوشہ گوشہ میں جلیل القدر صحابہ کو بھیجا کہ وہ لوگوں کو ان کے رسول کی سنت کی تعلیم دیں اور حکام کو بار بار اتباعِ سنت کے لئے مکتوبات روانہ کئے۔"[2]

سب سے زیادہ اعتراضات حدیث نہ لکھنے، لکھوانے اور سختی وغیرہ کی وجہ سے حضرت عمرؓ پر کیے جاتے ہیں کیونکہ وہ حدیث رسول بیان کرنے میں بہت زیادہ احتیاط کرتے تھے اور کوشش کرتے تھے کہ ہر ایک کو حدیث بیان کرنے کی جرات نہ ہو جائے ورنہ پھر کبھی بھی کوئی جھوٹی بات رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کر سکتا ہے۔ اب جبکہ حدیث رسول ﷺ کے سلسلے میں حضرت عمر کا یہ حال ہے تو دیگر صحابہ کا کیا حال ہو گا، اس سے خوب اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ حضرت ابو ایوب انصاریؓ نے مدینہ منورہ

---

[1]۔ ایضاً: 117

[2]۔ ایضاً: 118

سے مصر کا پر صعوبت سفر صرف ایک حدیث کے لیے کیا جو کہ حضرت عقبہ بن عامر نے رسول اللہ ﷺ سے سن رکھی تھی۔[1] حضرت جابر کو پتہ چلا کہ ایک شخص کے پاس رسول اللہ ﷺ کی ایک حدیث ہے اور وہ شام میں ہے تو آپؓ مدینہ سے شام ایک حدیث کی روایت کرنے کے لیے گئے۔[2] یہی حال حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا ہے۔[3]

3.1 صحابہؓ کے تحریری مجموعے:

1. صحیفہ صادقہ: عبداللہ بن عمروؓ نے مرتب کیا تھا۔ یہ صحیفہ ایک ہزار احادیث پر مشتمل تھا۔
2. صحیفہ عمر بن الخطابؓ: یہ صحیفہ عمر بن خطابؓ کے خاندان سے ملا اس میں صدقات وزکوۃ کے احکام درج ہیں۔
3. صحیفہ عثمانؓ:
4. صحیفہ حضرت علیؓ
5. صحیفہ حضرت انس بن مالکؓ
6. مسند ابوہریرہؓ
7. صحیفہ ہمام بن منبہ
8. صحیفہ بشیر بن نہیک
9. صحیفہ حضرت جابر بن عبداللہؓ
10. عروہ بن زبیرؓ جو سیدہ عائشہ صدیقہؓ کے شاگرد ہیں ان کا صحیفہ
11. مرویات ابن عباسؓ
12. صحیفہ عمرو بن حزمؓ
13. رسالہ سمرہ بن جندبؓ
14. صحیفہ عبداللہ بن مسعودؓ
15. رسالہ سعد بن عبادہؓ

حضور ﷺ کی احادیث محفوظ ہیں مگر اس حفاظت کی وجہ کیا ہے اس کے متعلق پیر صاحب لکھتے ہیں کہ احادیث نبوی کے محفوظ رہنے کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ حضور ﷺ کے ارشادات صحابہ کے لئے فقط متبرک جملے نہ تھے جنہیں صرف تبرک کے

---

[1] ۔ایضاً:121

[2] ۔ایضاً:122

[3] ۔ایضاً:123

لئے یاد کیا جاتا بلکہ ان کی زندگی کا ہر پہلو انہیں ارشادات کے سانچے ڈھلا ہوا تھا۔[1] اسی طرح دوسری جگہ پر لکھتے ہیں کہ اس سے یہ حقیقت بھی بخوبی واضح ہوگئی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا یہ ایمان تھا کہ حضور کے بعد بھی حضور کا ہر فرمان حجت ہے اور واجب التسلیم۔[2]

احادیث کے محفوظ ہونے کی بڑی وجہ ہی یہی ہے کہ صحابہ رسول اللہ ﷺ سے ٹوٹ کر محبت کرتے تھے اور رسول اللہ ﷺ کی احادیث کو حجت شرعیہ اور تمام مسائل میں اپنے لیے فیصل مانتے تھے۔

4 عہد تابعین میں حدیث:

مختلف ممالک اور جگہوں پر صحابہ کے شاگرد حضرات تابعینؒ نے بھی قرآن وسنت اور حدیث نبوی کی تعلیم باقاعدہ دینی شروع کی جن میں سے چند درجِ ذیل ہیں:

1. مدینہ منورہ میں: (1. حضرت سعید بن المسیبؒ، 2. عروہ بن زبیر بن العوام قرشی اسدیؒ، 3. سالم بن عبد اللہ بن امیر المؤمنین سیدنا عمر فاروقؓ)
2. کوفہ میں (1. امام علقمہ بن قیس بن عبداللہؒ، 2. مسروق بن الاجدعؒ 3. امام باعمرو النخعیؒ)
3. بصرہ (عراق) میں: (ا. 1 بوالعالیہ الریاحیؒ، 2. ابوعثمان النہدی البصری، 3. ابوجاء عمران بن ملحان البصریؒ)
4. شام: (1. عبدالرحمٰن بن غنم الاشعریؒ، 2. کثیر بن مرہ الحمصیؒ۔ 3. جبیر بن نفیرؒ. 4. عائذ اللہ بن عبداللہ دمشقیؒ، 5. عبداللہ بن محیریز بن جنادہؒ)

صحابہ کے شاگردوں نے ہی قرآن وحدیث کے درس وتدریس کا کام شروع کر دیا تھا۔ اور انہی کے زمانے میں ہی تدوین حدیث کا باقاعدہ آغاز ہوا۔ باقاعدہ تدوین حدیث کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ اسلامی حکومت کی حدود بہت زیادہ وسیع ہوگئیں تھیں۔ مشرق میں ملتان، جنوب میں مصر اور شمالی افریقہ، مغرب میں اندلس، شمال میں چینی ترکستان اور آرمینیا تک پرچم لہرانے لگا، جس کا نتیجہ لازماً یہ نکلا کہ جب متضاد تہذیب وتمدن کے مالک مختلف زبان بولنے والی متعدد قومیں اور بے شمار ملک زیر نگین ہوئے، علمائے تابعین کی تعداد میں آہستہ آہستہ کمی ہونے لگی۔۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے تدوین حدیث کی ضرورت کا احساس کیا۔[3]

---

[1] ۔ ایضاً: 124

[2] ۔ ایضاً: 124

[3] ۔ پیر، کرم شاہ، **سنت خیر الانام**: 140

تدوین حدیث کے آغاز کی بنیادی وجہ یہ تھی۔ دوسری بات یہ کہ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حدیث کی تدوین باقاعدہ فن کی حیثیت سے حضرت عمر بن عبد العزیز زمانہ حکومت سن 100 ہجری میں شروع ہوا جو کہ زیادہ دور نہیں بلکہ حضرات تابعینؒ کا زمانہ تھا۔

5 جامعین حدیث:

احادیث محفوظ صحابہ اور تابعین کے زمانے میں بھی تھیں مگر جیسے جیسے رسول اللہ کے زمانے سے بعد ہوتا گیا ویسے ویسے جھوٹے اور کاذبین بھی پیدا ہوتے رہے جو حدیثیں گھڑ کر رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کرنے لگے، انہی حالات کے پیش نظر حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے تابعین اور تبع تابعین کو باقاعدہ احادیث مدون کرنے اور جمع کرنے کا حکم دیا تاکہ ایسے جھوٹوں کے فریب سے احادیث محفوظ رہ سکیں۔ جن حضرات نے اس عظیم الشان خدمت میں حصہ لیا ان کا تذکرہ پیر کرم شاہ الازہری نے یوں کیا ہے:

> "مکہ مکرمہ میں سب سے پہلے ابن جریجؒ نے، مدینہ طیبہ میں ابن اسحاق اور امام مالک، کوفہ میں حضرت سفیان ثوری، بصرہ میں مختلف اقوال کے مطابق ربیع بن صبیح یا سعید بن ابی عروبہ یا حماد بن سلمہ، واسط میں ہیثم، یمن میں معمر، رے میں جریر بن عبد الحمید، خراسان میں عبد اللہ بن مبارکؒ نے احادیث کے مجموعے لکھے۔[1]۔ تدوین و ترتیبِ احادیث کا یہ دور ۱۰۰ھ سے لے کر ۲۰۰ھ تک تقریباً جاری رہا ہے۔ اپنے اپنے مرکزوں میں محدثین احادیث نبوی کو منضبط کرتے رہے۔"[2]

اب جب حقیقت حال بالکل واضح ہوگئی کہ احادیث صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعینؓ کے زمانہ میں معمول بہا تھیں، تابعین کے زمانے میں بھی محفوظ تھیں، جب بدخواہوں کا ڈر ہوا تو باقاعدہ ان کی ترتیب و تہذیب اور جمع و تدوین کا کام حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے زمانے میں شروع ہوا۔ تو اب بھی اگر کوئی یہ بات کہتا ہے کہ احادیث کی جمع اور ترتیب کا کام عہد رسالت سے دو تین سو سال بعد شروع ہوا اور محدثین نے لوگوں سے یوں سنی سنائی باتیں بغیر تحقیق کے اپنی کتابوں میں جمع کر دیں اور پھر انہیں دین بنا دیا۔[3] تو یہ بات سراسر ناانصافی اور حقیقت کے خلاف ہے۔

اگر سنی سنائی اور من گھڑت باتیں ہی دین بنانی تھیں اور حدیث کا نام دے کر انہیں دین میں شامل کرنا ہی تھا تو یہ تدوین

---

[1]۔ ایضاً: 141

[2]۔ ایضاً: 162

[3]۔ ایضاً: 95

حدیث، یہ نقد و جرح، یہ مجاہدے اور یہ قربانیاں آخر کس چیز پر دی جا رہی تھیں۔ اسی الزام کو دہراتے ہیں کہ صحابہ اور تابعین کے زمانے میں احادیث کی طرف کوئی توجہ نہیں دی گئی۔ اس عرصہ میں بے شمار جھوٹی حدیثیں لوگوں نے اپنی طرف سے حضور ﷺ کی طرف منسوب کر دیں اور پھر فرماتے ہیں کہ بھلا جو چیز اتنی مدت دراز کے بعد مدون کی گئی ہو اس پر ہم کس طرح اعتماد کر سکتے ہیں۔[1] ان علوم اور صحابہ و تابعین کی حفاظت حدیث کے سلسلے میں خدمات کے سامنے ان کا یہ الزام بے کار نظر آتا ہے۔

نتیجہ بحث

خلاصہ یہ منتخب کتب تاریخ و تدوین حدیث میں متفق ہیں۔ ان کے مطالعہ کی روشنی میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ منکرین نے یہ طریقہ اختیار کیا ہے کہ جب احادیث کو ماننا ہی نہیں تو مختلف طریقوں سے احادیث کے متعلق شکوک و شبہات پیدا کر کے اس کی حجیت کو مشکوک بنایا جائے ورنہ رسول اللہ ﷺ کی حیات مبارکہ سے لے کر آج تک احادیث قابل حجت بھی رہی ہیں اور قابل عمل بھی رہی ہیں۔ اس دورانیہ میں کوئی ایک دن بھی ایسا نہیں آیا کہ امت کے درمیان احادیث معطل اور ناقابل عمل رہی ہوں۔

---

[1] ۔ ایضاً: 95

6 حجیت حدیث میں اتفاقات واختلافات پر اعتراضات کا علمی جائزہ

حجیت حدیث کے سلسلے میں منکرین حدیث کے دیگر اعتراضات کے ساتھ ایک اعتراض احادیث کے سلسلے میں بھی کیا جاتا ہے کہ یہ احادیث مختلف اور آپس ایک دوسرے کے مخالف و متعارض ہیں۔ متعارض چیز کیسے حجت بن سکتی ہے۔ عربی کا قاعدہ بھی ہے کہ اِذَا تَعَارَضَا تَسَاقَطَا (جو دو چیزیں ایک دوسرے سے مختلف پیش آئیں توان پر اعتبار و بھروسہ ختم ہو جاتاہے) جس کے جواب میں مولانا ادریس کاندھلوی لکھتے ہیں کہ یہ تعارض اور اختلاف تاریخی واقعات میں بھی ہے اور بہت ہے،۔۔۔۔۔اگر اختلاف کی وجہ سے حدیث کو چھوڑنا ہے تو پہلے تاریخ کو چھوڑنا چاہیے۔[1]

یہ حقیقت ہے کہ اختلاف کس نوعیت کا ہے اور کس قدر ہے،اس کے بعد ہی کوئی فیصلہ کیا جاسکتا ہے، جبکہ بعض اوقات بظاہر اختلاف معلوم ہوتا ہے یا حسب منشاء شارع کبھی ایک حکم اور کبھی دوسرا حکم دیتا ہے جو کہ ایک اختلاف کی صورت محسوس ہوتی ہے۔ یہ اور اس طرح کا اختلاف تو قرآنی آیات میں بھی موجود ہے، کسی خاص مسئلے میں جس چیز کے سنت ثابتہ ہونے کا دعویٰ کیا گیا ہو وہ فی الواقعہ سنت ثابتہ ہے یا نہیں، تو ایسا ہی اختلاف قرآن کی آیات کا مفہوم و منشا متعین کرنے میں بھی واقع ہوتا ہے۔[2] اسی کی مزید وضاحت کرتے ہوئے مولانا مودودیؒ لکھتے ہیں:

> "بلاشبہ سنت کی تحقیق اور اس کی تعیین میں بہت سارے اختلافات ہوئے ہیں اور ہو سکتے ہیں۔ لیکن ایسے ہی اختلافات قرآن کے بہت سے احکام وارشادات کے معنٰی متعین کرنے میں ہوئے ہیں اور ہو سکتے ہیں۔ ایسے اختلافات اگر قرآن کو چھوڑ دینے کے لیے دلیل نہیں بن سکتے تو سنت کو چھوڑنے کے لیے انہیں کیسے دلیل بنایا جاسکتا ہے۔"[3]

احادیث کے اختلافات اور اتفاقات کا آپس میں موازنہ کیا جائے تو ان اختلافات کی شرح بہت ہی کم ہے جبکہ اتفاقات بہت زیادہ ہیں، چنانچہ مولانا مودودیؒ لکھتے ہیں:

"یہ ایک ایسا دعویٰ ہے جو سرسری طور پر چند مختلف احادیث پر ایک نگاہ ڈال کر تو کیا جاسکتا ہے۔ لیکن اگر تفصیل کے ساتھ کتب احادیث کا متقابل مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کے درمیان اتفاق بہت زیادہ اور اختلاف بہت کم ہے۔"[4]

---

[1]۔ کاندھلوی، **حجیت حدیث**:99

[2]۔ مودودی، **سنت کی آئینی حیثیت**:48

[3]۔ ایضاً:44

[4]۔ ایضاً:369

ان معمولی اختلافات کو اچھالنا اور ایک بڑی تعداد میں اتفاقات کی ہے ان کو بیان ہی نہ کرنا ایک قسم کی زیادتی اور ناانصافی کا پہلو تو ہو سکتا ہے مگر حق پرستی نہیں ہو سکتی۔ مذکورہ بالا عبارات سے ان اختلافات کی حقیقت واضح ہو چکی ہو گی۔

1) اختلافات کی نوعیت:

احادیث کی حجیت پر جو اعتراض ہوا کہ اختلاف کی وجہ سے احادیث قابل اعتبار نہیں ہیں، ان احادیث میں اختلاف زیادہ تر درجِ ذیل چار نوعیتوں میں سے کسی ایک نوعیت کا ہوتا ہے:

1. مختلف راویوں نے ایک ہی بات یا واقعہ کو مختلف الفاظ میں بیان کیا ہے اور ان کے درمیان معانی میں کوئی اہم اختلاف نہیں ہے یا مختلف راویوں نے ایک ہی واقعہ یا تقریر کے مختلف اجزاء نقل کیے ہیں۔
2. خود حضور ﷺ نے ایک مضمون کو مختلف الفاظ میں بیان فرمایا ہو۔
3. حضور ﷺ نے مختلف مواقع پر مختلف طریقوں سے عمل فرمایا ہے۔
4. ایک حدیث پہلے کی ہے اور دوسری حدیث بعد کی اور اس نے پہلی کو منسوخ کر دیا ہے۔

ان چار قسم کی احادیث کو چھوڑ کر جن احادیث میں باہمی اختلاف رفع کرنے میں واقعی مشکل پیش آتی ہے ان کی تعداد پورے ذخیرہ احادیث میں ایک فیصد سے بھی کم ہے۔[1] احادیث میں اختلاف بہت ہی کم ہے جن کے متعلق مولانا ادریس کاندھلویؒ لکھتے ہیں :

> "احادیث صفات ۔۔، احادیث معجزات ۔۔، احادیث اخلاق ورقاق ۔۔، احوال جنت و جہنم ۔۔، ان میں تعارض نہیں ۔۔ البتہ بعض احادیث احکام متعارض ہیں وہ اس قدر قلیل ہیں کہ ان کو غیر متعارض احادیث سے وہ نسبت بھی نہیں جو ایک کو ہزار سے ہو۔"[2]

جس سے معلوم ہوا کہ اس قدر قلیل تعداد میں جو احادیث ایک دوسرے کے متعارض ہیں ان کی وجہ سے سارے مجموعہ احادیث کو غیر معتبر قرار دینا دانائی کی بات نہیں۔ اسی طرح حضرات محدثینؒ کے درمیان اختلاف قبولیت و عدم قبولیت سند کی وجہ سے بھی ہوتا ہے۔ محدثین کے درمیان اختلاف کی ایک صورت یہ ہے کہ کسی روایت کی سند کو ایک محدث اپنی تنقید کے اعتبار سے صحیح سمجھتا ہے اور دوسرا محدث اسے کمزور قرار دیتا ہے۔ یہ رائے اور تحقیق کا اختلاف ہے جس سے پریشان ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ کیا عدالتوں میں کسی شہادت کو قبول کرنے اور نہ کرنے پر اختلاف کبھی نہیں ہوتا۔[3]

---

[1] ایضاً:370

[2] ۔کاندھلوی، حجیت حدیث:99

[3] ۔مودودی، سنت کی آئینی حیثیت:371،370

احادیث متعارضہ کا وہی حکم ہے جو آیات قرآنی کے تعارض کا ہے کہ اگر تاریخ کا تقدم و تاخر معلوم ہو جائے تو ناسخ و منسوخ کہیں گے ورنہ کسی ایک کو ترجیح دیں گے۔اور پھر وہ تعارض بھی فقط ظاہر نظر میں ہوتا ہے۔ غور و فکر کرنے سے بسا اوقات حل ہو جاتا ہے۔ علاوہ ازیں بہت سے اعمال وافعال کی تشریح دفعۃً نہیں ہوئی بلکہ بتدریج ہوئی۔

مثلاً

نماز ابتداء میں دو رکعت فرض ہوئی بعد میں چار ہوئی نیز ابتداء اسلام میں دو ہی وقت کی نماز فرض تھی صبح اور عصر بعد میں پانچ نمازیں فرض ہوئی اس قسم کے اختلافات کو تعارض اور تناقص کہنا غلطی ہے۔ یہ اس علم اور عبادت کی تکمیل کے مراحل اور مدارج ہیں جیسے درخت کو کسی نے پودہ کی حالت میں دیکھا اور کسی نے پھلو سے لدا ہوا دیکھا وغیرہ ذلک۔اور اس قسم کا اختلاف احکام قرآنیہ میں بھی موجود ہے مثلاً شراب اور میراث کے احکام جو بتدریج مشروع ہوئے۔[1] احادیث میں حقیقی تعارض نہیں ہوتا۔ بفرض تسلیم قرآن مجید میں بھی ظاہری تعارض ہوتا ہے۔ تو جو جواب اس کا ہوگا، وہی تعارض احادیث کا جواب ہوگا۔ تو ثابت ہوا کہ ظاہری تعارض سے شئے کا حجت نہ ہونا لازم نہیں آتا۔ ورنہ قرآن بھی حجت نہیں رہے گا۔ مولانا مودودیؒ احادیث کی تحقیق اور تعیین وغیرہ کے متعلق لکھتے ہیں:

> "بلاشبہ سنت کی تحقیق و تعین میں بہت سے اختلافات ہوئے ہیں، آئندہ بھی ہو سکتے ہیں لیکن ایسے اختلافات قرآن کے بہت سارے احکام و ارشادات کے معنی متعین کرنے میں بھی ہوئے ہیں اور ہو سکتے ہیں ایسے اختلافات اگر قرآن کو چھوڑ دینے کے دلیل نہیں بن سکتے تو سنت کو چھوڑنے کے لیے انہیں کیسے دلیل بنایا جا سکتا ہے؟؟"[2]

سنتوں کا معتدبہ حصہ فقہاء و محدثین کے درمیان متفق علیہ ہے، اور ایک حصے میں اختلافات ہیں بعض لوگوں نے کسی چیز کو سنت مانا ہے اور بعض نے اسے نہیں مانا مگر اس طرح کے تمام اختلافات میں صدیوں اہل علم کے درمیان بحثیں جاری رہی ہیں اور نہایت تفصیل کے ساتھ ہر نقطہ نظر کا استدلال اور وہ بنیادی مواد جس پر یہ استدلال مبنی ہے فقہ و حدیث کی کتب میں موجود ہے۔

i. احادیث قولی و فعلی کے درمیان اختلاف:

احادیث فعلی اور قولی میں سے بہت سی ایسی ہیں جن کو تواتر کا درجہ حاصل ہونا چاہیے تھا۔ جس وجہ سے ان میں کسی بھی قسم کا اختلاف نہ ہوتا۔ مثلاً احادیث فعلی میں سے کیفیت وہیئت نماز کے متعلق عقل چاہتی ہے کہ مطلقاً کسی قسم کا اختلاف نہ ہو۔ خصوصاً جبکہ ارشاد نبوی تھا کہ صَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُوْنِي أُصَلِّي کم از کم حرمین شریفین میں دن رات پانچ مرتبہ ایک گروہ کثیر ہر زمانے میں تواتر

---

[1] ۔کاندھلوی، **حجیت حدیث**:100

[2] ۔ایضا:46

کے ساتھ اس عمل کا مشاہدہ کرتا رہا ہے مگر ابتدائے زمانہ ہی میں ائمہ مجتہدین کا اختلاف جو بصورت رفع یدین، ارسال یدین، وضع یدین اور آمین بالجہر وغیرہا ظاہر ہوا، اس تواتر فعلی کی اہمیت کو کم کر دیتا ہے اور تواتر قولی کی حیثیت اور بھی گر جاتی ہے۔ خبر احاد کا کیا کہنا۔

دلیل نمبر ا

بادی النظر میں یہ بات بالکل صحیح معلوم ہوتی ہے کہ ایسی فعلی اور قولی احادیث کو تواتر کا درجہ حاصل ہونا چاہیے جن کو دیکھنے اور سننے والے بکثرت ہوں' ان میں اختلاف نہ پایا جانا چاہیے۔ لیکن ہر شخص تھوڑا غور و فکر کر کے یہ سمجھ سکتا ہے کہ جس واقعہ کو لوگوں کی ایک بڑی تعداد نے دیکھا ہو یا جس تقریر کو بہت سے لوگوں نے سنا ہو اس کو نقل کرنے یا اس کے مطابق عمل کرنے میں سب لوگ اس قدر متفق نہیں ہو سکتے کہ ان کے درمیان یک ذرا برابر بھی اختلاف نہ پایا جائے۔ اس واقعہ یا اس تقریر کے اہم اجزا میں تو سب کے درمیان ضرور اتفاق ہو گا مگر فرعی امور میں بہت کچھ اختلاف بھی پایا جائے گا اور یہ اختلاف ہر گز اس بات کی دلیل نہ ہو گا کہ وہ واقعہ سرے سے پیش ہی نہیں آیا۔

دلیل نمبر ۲

کسی نے تقریر کی اور کئی ہزار لوگوں نے اس کو سنا۔ جلسہ ختم ہوئے مہینوں اور برسوں بعد نہیں بلکہ چند ہی گھنٹے بعد، لوگوں سے پوچھا جائے مقرر نے کیا کہا؟ تو یقیناً تقریر کا مضمون نقل کرنے میں سب کا بیان ایک جیسا نہ ہو گا۔ کوئی کسی حصے کو بیان کرے گا کوئی کسی حصے کو، کوئی کسی جملے کو ہو بہو نقل کرے گا، کوئی اس مفہوم کو جو اس کی سمجھ میں آیا ہے اپنے الفاظ میں بیان کر دے گا، کوئی زیادہ فہیم آدمی ہو گا اور تقریر کو ٹھیک ٹھیک سمجھ کر اس کا صحیح خلاصہ بیان کر دے گا۔ کسی کی سمجھ زیادہ اچھی نہ ہو گی اور وہ مطلب کو اپنے الفاظ میں اچھی طرح ادا نہ کر سکے گا۔ کسی کا حافظہ اچھا ہو گا اور وہ تقریر کے اکثر حصے لفظ بلفظ نقل کر دے گا۔ کسی کی یاد اچھی نہ ہو گی اور وہ نقل و روایت میں غلطیاں کرے گا۔

اب اگر کوئی شخص اس تقریر ہی کا سرے سے انکار کرے یا یہ کہے کہ یہ تقریر سراسر غلط نقل کی گئی تو یہ صحیح نہ ہو گا۔ بخلاف اس کے اگر تقریر کے متعلق تمام اخبار آحاد کو جمع کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ اس امر میں سب کے درمیان اتفاق ہے کہ میں نے تقریر کی، فلاں جگہ کی، فلاں وقت کی، بہت سے آدمی موجود تھے، اور تقریر کا موضوع یہ تھا۔ پھر تقریر کے جن جن حصوں کے متعلق زیادہ سے زیادہ اتفاق لفظاً یا معناً پایا جائے گا، وہ زیادہ مستند سمجھے جائیں گے اور ان سب کو ملا کر تقریر کا ایک مستند مجموعہ تیار کر لیا جائے گا۔ اور جن حصوں کے بیان کرنے میں ہر راوی منفرد ہو گا وہ نسبتاً کم معتبر ہوں گے مگر ان کو موضوع اور غلط کہنا جائز نہ ہو گا۔

دلیل نمبر ۳:

یہی حال احادیث فعلی کا بھی ہے۔ نماز کے متعلق تواتر قولی و عملی سے یہ بات متفقہ طور پر ثابت ہے کہ حضور ﷺ پانچ

وقت کی نماز فرض ادا فرماتے تھے، جس میں جماعت، قبلہ رخ ہونا، قراءت، تکبیر تحریمہ، قیام، رکوع، سجود اور قعود، ارکان اور ہیئات غرض نماز کے جتنے اہم اجزائے ترکیبی ہیں ان سب میں تمام زبانی روایات متفق ہیں اور عہد رسالت سے آج تک ان کے مطابق عمل بھی ہو رہا ہے۔

نتیجہ بحث

اب رہے جزئیات مثلاً رفع یدین اور وضع یدین وغیرہ تو ان کے اختلاف کا یہ مطلب نہیں کہ نماز کی متعلق تمام روایات غلط ہیں بلکہ دراصل اس اختلاف سے تو معلوم ہوتا ہے کہ مختلف لوگوں نے مختلف اوقات میں حضور ﷺ کا عمل مختلف دیکھا۔ جس نے آپ کو جیسا فعل کرتے دیکھا اسی کی پیروی کی اور اس کی پیروی کے لیے لوگوں سے کہا۔ بعد کے ائمہ نے روایات کی چھان بین کر کے ہر جزئیہ کے متعلق یہ معلوم کرنے کی کوشش کی کہ زیادہ صحیح اور مستند روایات کون سی ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس تحقیق کے نتائج میں اختلاف ہونا ممکن تھا، اور وہ ہوا۔ کسی نے کسی روایت کو زیادہ مستند سمجھا، اور کسی کو اس کے خلاف روایت پر اطمینان حاصل ہوا۔ مگر یہ اختلاف کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ اور یہ ہرگز اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ حضور ﷺ کے طریقۂ ادائے نماز کے متعلق سرے سے کوئی قولی و فعلی تواتر ہی نہیں پایا جاتا۔

2.6 ظن اور انکارِ حدیث پر اعتراضات کا علمی جائزہ

اکثر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ حدیث ظنی ہے۔ جو چیز ظنی ہو، وہ حجت نہیں ہو سکتی۔ اس لیے کہ یقینی چیز کو تو دین بنایا سا سکتا ہے مگر صرف وہم اور خیال و گمان والی چیز کو دین نہیں بنایا جا سکتا چنانچہ طلوع اسلام میں اسلم صاحب جیراجپوری لکھتے ہیں:

> "دین کے متعلق ایک چیز سے متعلق تو یقیناً آپ متفق ہوں گے۔ یعنی یہ کہ دین وہی ہو سکتا ہے جو یقینی ہو۔ ظنی اور قیاسی نہ ہو۔"[1]

یہ اعتراض ایک غلط فہمی پر مبنی ہے وہ غلط فہمی لفظ ظن کے معنٰی سے متعلق ہے، کہ آیا ظن کے عربی زبان میں بھی صرف وہی معنٰی ہیں جو کہ اردو یا پنجابی میں وہم و گمان کے ہوتے ہیں یا عربی والا ظن اردو والے ظن سے مفہوم میں کچھ مختلف ہے۔ سب سے پہلے عربی لغت میں ظن کی معنٰی کے متعلق مولانا عبدالرحمٰن کیلانی لکھتے ہیں:

---

[1] ۔جیراج پوری، محمد اسلم، مولانا، **مقام حدیث** (طلوع اسلام ٹرسٹ، گلبرگ لاہور 2001ء): ص:4

"الظن کسی چیز کی علامت سے جو نتیجہ حاصل ہوتا ہے اسے ظن کہتے ہیں جب یہ علامات قوی ہو تو ان سے علم کا درجہ حاصل ہوتا ہے مگر جب بہت کمزور ہوں تو نتیجہ وہم کی حد سے آگے تجاوز نہیں کرتا۔"[1]

اس لغوی معنی بنیادی طور پر ظن کے دو معنی معلوم ہوئیں (1) وہم، (2) ظن غالب، لغت عرب سے معلوم ہوا کہ اردو اور عربی والے ظن کے معنی مختلف ہیں۔اردو میں ظن صرف وہم کی حد تک کے معنی میں استعمال ہوتا ہے جبکہ عربی میں ظن وہم اور ایسا غالب گمان جو کہ یقین کے قریب قریب ہو، ان دونوں معنوں میں مستعمل ہے۔

1) ظن کے استعمالات قرآن کریم میں:

قرآ کریم میں لفظ ظن کئی معنوں میں استعمال ہوا ہے، جن میں سے پانچ میں کے متعلق آیات لکھی جاتی ہیں وہ پانچ یہ ہیں:

1. ظن بمعنٰی یقین، 2. ظن بمعنٰی ظن غالب، 3. ظن بمعنٰی شک، 4. ظن بمعنٰی جھوٹ اور 5. ظن بمعنٰی سوئے ظن۔ لفظ ظن جن مختلف معانی میں استعمال ہوا ہے، ان کے متعلق آیات قرآنیہ درجِ ذیل ہیں:

1. ظن بمعنٰی یقین۔ چنانچہ سورہ بقرہ میں ارشاد باری تعالی ہے:

﴿الَّذِينَ يَظُنُّونَ أَنَّهُمْ مُلَاقُو رَبِّهِمْ وَأَنَّهُمْ إِلَيْهِ رَاجِعُونَ﴾[2]

جنہیں یقین ہے کہ انہیں اپنے رب سے ملنا ہے اور اسی کی طرف پھرنا۔

اس آیت مبارکہ میں ظن بمعنٰی یقین استعمال ہوا ہے۔

2. ظن بمعنٰی ظن غالب ہے۔

﴿ فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ يَتَرَاجَعَا إِنْ ظَنَّا أَنْ يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ وَتِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ﴾[3]

---

[1]۔ عبدالرحمٰن کیلانی، **آئینہ پرویزیت**: 623

[2]۔ البقرۃ: 46

[3]۔ البقرۃ: 230

ہاں اگر وہ اسے طلاق دیدے تو ان دونوں پر کوئی گناہ نہیں کہ وہ ایک دوسرے کے پاس (نیا نکاح کر کے) دوبارہ واپس آجائیں، بشرطیکہ انہیں غالب گمان ہو کہ اب وہ اللہ کی حدود قائم رکھیں گے۔

اس آیت مبارکہ میں ظن بمعنیٰ غالب گمان کے استعمال ہوا ہے۔

3. ظن بمعنیٰ شک ہوتا ہے جو یقین کے مقابلہ میں ہوتا ہے، جیسے کافر کہتے ہیں:

﴿إِنْ نَظُنُّ إِلَّا ظَنًّا وَمَا نَحْنُ بِمُسْتَيْقِنِينَ﴾[1]

بس ایک گمان سا ہوتا ہے، اور ہمیں یقین بالکل نہیں ہے۔

اس آیت مبارکہ میں ظن کے معنیٰ وہم کی ہیں۔

4. ظن بمعنیٰ جھوٹ بولنا ہوتا ہے۔ جیسے:

﴿وَمِنْهُمْ أُمِّيُّونَ لَا يَعْلَمُونَ الْكِتَابَ إِلَّا أَمَانِيَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَظُنُّونَ﴾[2]

اور ان میں سے کچھ لوگ ان پڑھ ہیں جو کتاب (تورات) کا علم رکھتے نہیں، البتہ کچھ آرزوئیں پکائے بیٹھے ہیں۔

اس آیت مبا کہ میں یَظُنُّونَ" کا معنیٰ ہے کہ وہ جھوٹ بولتے ہیں۔
دوسری جگہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:
﴿وَمَا لَهُمْ بِذَلِكَ مِنْ عِلْمٍ إِنْ هُمْ إِلَّا يَظُنُّونَ﴾[3]
اور انہیں اس (حقیقت) کا کچھ علم نہیں ہے، وہ صرف خیال و گمان سے کام لے رہے ہیں۔
5. ظن بمعنیٰ سوئے ظن ہوتا ہے۔ جیسے سورۃ الحجرات، آیت:12 میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:
﴿اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ﴾[4]
اے ایمان والو! بہت سی بدگمانیوں سے بچو، یقین مانو کہ بعض بدگمانیاں گناہ ہیں۔

---

[1] ۔الجاثیۃ:32

[2] ۔البقرۃ:78

[3] ۔الجاثیۃ:24

[4] ۔الحجرات:12

یہاں ظن کا معنٰی سوئے ظن، بدگمانی ہے۔

2) ظن کی اصطلاحی معنی

ظن کی لغوی معنٰی کے بعد اصلاحی معنٰی مولانا ادریس کاندھلویؒ لکھتے ہیں:

"گمان غالب جو کہ کسی دلیل عقلی یا نقلی کی بناء پر پیدا ہو مگر قطعی نہ ہو اصطلاح میں اس کو دلیل ظنی کہتے ہیں۔ جو عام عقلاء کے نزدیک حجت ہے۔"[1]

ظن کے دوسرے معنی:

"اٹکل اور تخمین کے ہیں۔ یعنی محض اپنے خیالات اور نفسانی خواہش سے بے دلیل اور بے تحقیق بات کا پیدا ہونا۔"

قرآن کریم میں اسی ظن کی اتباع کی ممانعت کی گئی ہے۔ اصطلاحاً بھی ظن کے وہی دو معنی ہیں: 1. وہم 2. غالب گمان جو کہ یقین سے کم درجہ کا ہوتا ہے مگر یقین کے دریب قریب ہوتا ہے۔ آج اکثر معاملات اسی غالب گمان کے پر چل رہے ہیں۔

ظن کے متعلق غلط فہمی:

ظن باطل ہے اور اس کے مقابلہ میں یقین اور قطعی عمل درست ہے۔ مگر کیا ہر ظن باطل ہے۔ ایسا نہیں ہے بلکہ وہ ظن باطل ہے جو کہ وہم کی حد تک ہو اور اگر غالب گمان ہو تو وہ ظن باطل نہیں ہوتا بلکہ دنیا کا اکثر کاروبار اسی ظن غالب کی بنیاد پر ہوتا ہے ۔اس لیے عربی اور اردو میں لفظ ظن کے ہر وقت ایک جیسے معنی نہیں ہوتے، جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ غیر علمی زبانوں پر متعارف اصطلاحات غیر اصطلاحی معانی میں استعمال ہو کر بعض سادہ لوح حضرات کے لیے لغزش کا موجب ہو رہی ہیں۔ حدیث کے متعلق یہ شبہ بھی پیدا کیا گیا ہے کہ یہ ظنی ہے۔[2] غلطی کی اصل وجہ ظن کا پنجابی زبان میں استعمال اور ان حضرات کا عربی زبان اور اس کے محاورات سے ناواقفیت ہونا ہے۔[3] اتنی بات تو سب جانتے ہیں کہ ہر زبان میں بعض الفاظ ایسے ہوتے ہیں جن کے اصل معنی کچھ اور ہوتے ہیں لیکن ان کا استعمال ایک خاص معنٰی میں ہوتا ہے۔

---

[1] ۔کاندھلوی، **حجیت حدیث**:78

[2] ۔ایضاً:29

[3] ۔ایضاً:33

مثال:

ظن کے معنی عربی میں غالب گمان کے ہوتے ہیں۔اسی غالب گمان سے اکثر کاروبار زندگی چل رہے ہوتے ہیں۔اسی طرح کسی کو پتہ چلا کہ ارشد پاس ہو گیا تو اگر واقعی ایسے ذرائع سے یہ خبر ملی ہو جو کہ یقینی ہوں اور یہ بھی پتہ ہو کہ ارشد امتحان میں بیٹھا تھا تو اس سے اس کے پاس ہونے کا غالب گمان اور یقین کا درجہ حاصل ہو گا۔اور اگر ارشد امتحان ہی میں نہیں بیٹھا تو پھر یہ خبر جھوٹی ہے اور اگر یہ بھی پتہ ہو کہ وہ پڑھنے میں نالائق اور محنت کرنے والا نہیں تھا تو اس وقت نہ تو اس بات کی قطعی کوئی تصدیق اور نہ ہی تکذیب کی جاسکتی ہے۔اور اگر اس کے برعکس ہو تو یقین اگر نہ سہی پر غالب گمان اس کے پاس ہونے کا ہوتا ہے۔بس یہی درجہ ظن کا بھی ہے۔

نتیجہ بحث:

منتخب کتب میں لفظ ظن کے متعلق بحث ہوئی ہے کہ احادیث احادیث ظنی ہیں۔ جس کے جواب میں علماء کرام لکھتے ہیں کہ اردو اور عربی کے لفظ ظن میں بہت زیادہ فرق ہے اور دونوں کے معانی بہت زیادہ مختلف ہیں۔اس لیے یہ اعتراض بنتا ہی نہیں۔

2.7 عقل اور انکارِ حدیث پر اعتراضات کا علمی جائزہ

کہا جاتا ہے کہ حدیث عقل کے خلاف ہے،اس لیے حجت نہیں ہو سکتی، کیونکہ عقل نقل پر مقدم ہوتی ہے۔بنیادی طور پر اللہ تعالیٰ نے ذرائع علم میں سے حواس خمسہ (آنکھ، ناک، کان، زبان، ہاتھ) کے بعد عقل انسانی کو علم کا بڑا ذریعہ بنایا ہے۔ مگر جہاں تک عقل کی رسائی نہ ہو یا عقل اس کا ادراک نہ کر سکتی ہو اس سے پہلے پہلے تک عقل کی حد ہے اس کے بعد سے وحی الٰہی کا آغاز ہوتا ہے اور وحی الٰہی ہمیں رہنمائی کرتی ہے۔وحی عقل سے بالاتر چیز ہے وہ وحی الٰہی ہے۔ جس کے متعلق عبدالرحمٰن کیلانیؒ لکھتے ہیں:

> "اسے عقل وشعور کا وافر حصہ عطا کیا گیا جس کے ذریعے وہ چند معلوم اور دیکھی ہوئی اشیاء سے مزید نتائج و سراغ لگانے کی اہلیت رکھتا ہے۔۔۔اس عقل و شعور کے باوجود یہ حقیقت اپنی جگہ پر مسلم ہے انسان محض اپنی عقل و دانش کے بل بوتے پر یہ عقدہ حل کرنے میں ناکام ہی رہا ہے۔"[1]

---

[1] ۔ کیلانی، عبدالرحمٰن، مولانا، **آئینہ پرویزیت**:42

عقل کی صلاحیت محدود ہے اس سے اوپر تک پہنچنے سے لا محالہ قاصر ہو گی جبکہ کائنات لا محدود ہے، تو لا محدود چیز ایک محدود چیز کے اندر کیسے سما سکتی ہے۔ دنیا کی ہر چیز کا یہ تو بنیادی اصول ہے کہ اپنی صلاحیت سے زیادہ وہ کوئی چیز برداشت نہیں کر سکتی یا پھر اضافی چیز اس سے نکل جائے گی۔

مثال:

جگ ایک محدود چیز ہے اس کی نسبت کوئی ٹپ، دریا یا نہر لا محدود ہے۔ ایک عام جگ میں پورے ٹپ کا پانی بھر نہیں سکتے کیونکہ اس کی صلاحیت ہی اتنی نہیں۔

6.1 حدیث اور عقل

احادیث مبارکہ بھی وحی کی ایک قسم ہیں جنہیں ہم وحی خفی کہتے ہیں اور حدیث میں آئی کوئی کسی بات کی کنہہ اور اصل تک نہ پہنچنے کی وجہ سے اگر ہم حدیث ہی کا انکار کریں یا بظاہر وہ حدیث ہماری عقل کے خلاف معلوم ہو تو ہم حدیث ہی کا انکار کریں جب تک کہ وہ حدیث قرآن کریم یا دوسری حدیث متواتر کے مخالف نہ ہو تو یہ حدیث اگرچہ بظاہر ہماری عقل کے مخالف ہو مگر وہ حدیث اپنی جگہ ٹھیک ہو گی، یا ہماری عقل کی کمی بھی ہو سکتی ہے اور وحی کی حقیقت تک پہنچنا سوائے اللہ تعالیٰ یا رسول اللہ ﷺ کے کسی صریح حکم کے بغیر ناممکن ہو گا۔ اس لیے کہ حدیث اور رسول کی اتباع کا حکم بھی اللہ ہی دیتا ہے، اگر ہم خلاف عقل سمجھ کر حدیث کا انکار کرتے ہیں تو پھر یہ اللہ کے حکم کی خلاف ورزی ہو گی، چنانچہ مولانا ادریس کاندھلوی لکھتے ہیں:

> "قرآن حکیم ایک طرف عقل سلیم کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیتا ہے اور دوسری طرف اپنے رسول ﷺ کی بے چوں و چرا اطاعت کو فرض، لازم اور جزء ایمان قرار دیتا ہے۔ معلوم ہوا کہ رسول کا کوئی قول، کوئی فعل اور کوئی حکم خلاف عقل نہیں ورنہ لازم آئے گا کہ قرآن دو متضاد چیزوں کے قبول کرنے کا حکم دیتا ہے، اس لیے جب حدیث خلاف عقل ہو گی تو لا محالہ ایک کے قبول کرنے سے دوسرے سے ضرور سرتابی کرنی پڑے گی۔"[1]

ایک یہ اہم وضاحت ہو گئی کہ قرآن کریم کبھی بھی دو متضاد حکم بیک وقت عمل کے لیے نہیں دے سکتا۔ اس لیے حدیث کو اپنی ناقص عقل پر پرکھنے کے بجائے واجب الاطاعت مانا جائے۔ کسی کی بات تب خلاف عقل ہوتی ہے جب اس کے اندر کوئی نقص

---

[1]۔ کاندھلوی، محمد ادریس، مولانا، **حجیت حدیث**: 122

یا بیماری اور سقم ہو یا اس کی عقلی کیفیت ٹھیک نہ جب رسول اللہ ﷺ کے بارے میں تو ایسا کوئی تصور تک بھی نہیں کر سکتا، اس لیے مولانا محمد ادریس کاندھلوی لکھتے ہیں:

"براہین عقلیہ اور قطعیہ سے آنحضرت ﷺ کی عقل مبارک کا سلیم اور کامل الصحت ہونا ثابت ہے، لہٰذا کسی کی سقیم العقل اور مریض الفہم بلکہ مختل العقل کی بکواس کی وجہ سے مسلم سلیم العقل کے حدیث اور قول کو رد کرنا خود خلاف عقل ہے۔"[1]

احادیث کا انکار نتیجہ کے طور پر قرآن کے انکار کو بھی لازم ہو جاتا ہے۔ جب سرسری مطالعہ کر کے یہ کہا جاتا ہے کہ احادیث خلاف عقل ہیں۔ لا محالہ بظاہر دیکھنے سے بہت سی آیات مبارکہ بھی خلاف عقل معلوم ہوتی ہیں۔ جس کے متعلق مولانا ادریس کاندھلوی لکھتے ہیں:

"اگر احادیث کا انکار اس لیے کیا جا رہا ہے کہ بہت سی حدیثیں آپ کے نزدیک خلاف عقل ہیں تو بہت سے لوگ کچھ ایسے مزاج کے بھی ہیں کہ قرآن کریم کی بہت سی آیات کو خلاف عقل بتاتے ہیں۔"[2]

قرآن مجید کی بھی کچھ آیات عقل کے خلاف ہیں، پھر تو قرآن مجید بھی حجت نہیں ہونا چاہیے۔ مثلاً: ہدہد کا گفتگو کرنا (سورۃ النمل: 22تا26) اور چونٹیوں کا بولنا (سورۃ النمل: 18) عقل کے خلاف ہے بلکہ جتنے معجزات ہوئے ہیں، وہ سب عقل کے خلاف ہیں۔ منکرین حدیث آیات معجزات کی تاویل کر لیتے ہیں، اسی طرح وہ چاہتے ہیں کہ احادیث میں بھی تاویل کر لینی چاہیے۔ احادیث کو اس طرح حجت نہ ماننا کوئی درست طریقہ نہیں۔ اگر احادیث کا انکار اس لیے کیا جا رہا ہے کہ بہت سی احادیث ان کے نزدیک خلاف عقل ہیں تو بہت سے ایسے مزاج کے لوگ بھی ہیں کہ قرآن کریم کی بہت سی آیات کو خلاف عقل بتلاتے ہیں۔ اس لیے صرف اپنی عقل پر پرکھ کر کسی حدیث کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔

6.2 وحی عقل کے ترازو میں:

اگر عقل پر وحی کو پرکھیں گے تو احادیث کیا قرآن کریم ہی کا انکار کر بیٹھیں گے۔ یہی وجہ سے عقل کی وحی الٰہی میں ناجائز مداخلت کی وجہ سے لوگوں نے بہت سے احکام سے انکار کیا یا ان میں تاویلات کیں، جن میں سے چند ایک یہ ہیں:

1۔ آگ کا ٹھنڈا ہونا 2۔ اصحاب الفیل 3۔ عصائے موسیٰ اور ید بیضاء 4۔ بارہ چشمے نکلنا 5۔ انشقاق قمر

---

[1] ۔ ایضاً: 123

[2] ۔ ایضاً: 125

6۔واقعہ اسراء 7۔فرشتوں پر ایمان 8۔جنت و جہنم کا تصور 9۔ابلیس یا شیطان 10۔عذاب قبر

یہ دس اور ان کے علاوہ بھی بہت سارے شرعی احکامات و قرآنی معجزات میں تاویلات پیش کی گئی ہیں۔

نتیجہ بحث:

قرآن کریم میں بے شمار آیات وارد ہوئی ہیں جن میں عقل انسانی سے اپیل کی گئی ہے جو کائنات میں بکھری ہوئی لاتعداد نشانیوں میں غور و فکر کرے۔ جس وجہ سے ان کے خواص و تاثیرات معلوم کر کے ان سے فائدہ اٹھائے، جب انسان اشیائے کائنات کا تحقیق و تدقیق سے مطالعہ کرتا ہے اور ان میں غرق ہو کر ان کے پوشیدہ اسرار و رموز اور حکمتوں سے آگاہی حاصل کرتا تو یہ باتیں اسے خود خالق کائنات کے وجود اور اس کے محیر العقول علم و حکمت کی طرف واضح نشاندہی کرتی ہیں اور بے اختیار اس کے منہ سے یہ الفاظ نکلتے ہیں: ﴿رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَذَا بَاطِلًا ﴾ اگر انسان وحی الہی کے تابع ہو کر چلے تو یہ خالق کائنات پر بے پناہ ایمان و یقین کا سبب بنتی ہے۔ اگر عقل وحی سے بے نیاز ہو کر چلے تو بسا اوقات ضلالت و گمراہی کی انتہائی پنہائیوں میں جا گراتی ہے۔

7 تصور مرکز ملت اور انکارِ حدیث کا علمی جائزہ

منکرین حدیث نے جس طرح حجیت حدیث کا انکار کیا اسی طرح انہوں نے رسول اللہ کی مختلف حیثیات بنا کر آپ ﷺ کی ذات بابرکات کو بھی نا قابل اتباع بنانے کی کوشش کی، اور حضور کو ایسا شخص پیش کرنے کی کوشش کی جس کا کام محض ایک ڈاکیہ یا ہرکارہ کا سا ہو۔ بس قرآن مجید پہنچا دیا تو رسول کا کام مکمل ہو گیا، اب وہ اور مرکز ملت مل کر خود ہی قرآن مجید کو سمجھ لیں گے۔ "مرکز ملت" کا نظریہ سب سے پہلے حافظ اسلم جیراج پوری نے پیش کیا۔

- **آئینہ پرویزیت:**

سب سے پہلے یہ نظریہ کس نے پیش کیا، چنانچہ مولانا عبد الرحمٰن کیلانی اپنی کتاب آئینہ پرویزیت میں لکھتے ہیں کہ سب سے پہلے حافظ اسلم صاحب جیراج پوری نے اس "امت" کے سامنے مرکز ملت کا نظریہ پیش کیا۔[1] آخر اس نظریہ کے پیش کرنے کی ضرورت ہی کیوں پیش آئی؟ تو مولانا کیلانی اس کی وجہ یہ لکھتے ہیں کہ منکرین حدیث نے حدیث کا تو انکار کیا مگر اب قرآن

[1]. کیلانی، عبد الرحمٰن، مولانا، آئینہ پرویزیت: 240

کے احکام کی تعمیل کے طریق کار کا مسئلہ ان کے لیے سوہان روح بنا ہوا تھا۔[1] جس کے نتیجہ میں ان حضرات نے مرکز ملت کی اصطلاح قائم کی۔

یہ مرکز ملت کا یہ نظریہ کچھ لوگوں کا پیش کردہ ہے تو انہوں نے اس کی تعیین اور اس کے کام بھی خود ہی متعین کیے، چنانچہ اب سوال یہ ہے کہ مرکز ملت کون ہوگا اور کس کو ہونا چاہیے تو اس کی وضاحت کرتے ہوئے جناب اسلم جیراج پوری صاحب کے نزدیک تو یہ امامتِ کبریٰ ہے جو کہ آپ ﷺ کی ذات سے بنی نوع انسان کی اصلاح و فلاح کے لئے قائم ہوئی تھی اور تا قیامت تک مستمرہ رہے گی جو آپ کے زندہ جانشینوں کے ذریعہ ہمیشہ رہنی چاہیے۔[2]

- **سنت کی آئینی حیثیت:**

اسی بات کو جناب عبد الودود صاحب لکھتے ہیں کہ چونکہ دین کا تقاضا یہ تھا کہ کتاب پر عمل اجتماعی شکل میں ہو، اور یہ ہو نہیں سکتا کہ ایک شخص قرآن پر اپنی سمجھ کے مطابق عمل کرے اور دوسرا اپنی سمجھ کے مطابق، اس لیے نظام کو قائم رکھنے کے لیے زندہ شخص کی ضرورت ہے۔[3]

جس کا لازمی نتیجہ اس کی مزید وضاحت کے ساتھ یہ نکلتا ہے کہ حضور ﷺ مرکز ملت بھی تھے اور سنت رسول پر عمل یہ ہے کہ حضور کی مرکزیت کو بھی اسی طرح قائم رکھا جائے۔[4] جس سے اس امر کی وضاحت ہوگئی کہ مرکز ملت حکمران وقت ہوگا اور وہی قرآن کریم کی روشنی میں اپنی سمجھ کے مطابق احکامات دے گا۔ جبکہ ہمارے ہاں تو مرکز ملت کا تصور ہی نہیں جو کہ صریح قرآن وحدیث کے خلاف ہے۔

یہ بھی ان کا دعویٰ واضح ہوگیا کہ رسول اللہ ﷺ محض اجتماعی نظام قائم کرنے کی خاطر اپنے زمانے میں رسول کے علاوہ مرکز ملت بھی بنائے گئے تھے۔ آپ کی رسول ہونے کی حیثیت تو دائمی تھی، مگر ''مرکز ملت'' ہونے کی حیثیت صرف اس وقت تک تھی جب تک آپ کی زندہ شخصیت نظام جماعت چلا رہی تھی۔ پھر جب آپ کی وفات ہوگئی تو آپکے بعد جس زندہ شخصیت کو نظام قائم رکھنے کے لیے سربراہ بنایا گیا اور اب بنایا جائے وہ اپنے زمانے کے لیے ویسا ہی ''مرکز ملت'' تھا اور ہوگا جیسے حضور اپنے زمانے کے لیے تھے۔ اب سنت رسول ﷺ کی پیروی بس یہی ہے کہ ہم نظام قائم رکھنے کے لیے یکے بعد دیگرے تسلسل کے ساتھ مرکز

---

[1] ایضاً:240

[2] ۔ایضاً:240

[3] ایضاً:241

[4] ۔مودودی، ابوالاعلیٰ، مولانا، **سنت کی آئینی حیثیت**:96

ملت قائم کرتے رہیں۔ اس معاملہ میں بعد کے مرکز ان ملت پر اگر حضور ﷺ کو کوئی فوقیت ہے تو صرف یہ کہ قرآن پہنچانے والے کی حیثیت سے آپ کا مقام بہت آگے ہے۔ چنانچہ بزم طلوع اسلام کے ایک معزز رکن ڈاکٹر عبدالودود صاحب طلوع اسلام کنونشن کو خطاب فرماتے ہیں۔ عنوان ہے "طلوع اسلام نے کیا دیا؟":

> "عملی انتظام کی سہولت کے لیے امت اپنے میں سے بہترین افراد کو اپنا نمائندہ بنا کر "فیکم رسول" کے سلسلہ کو قائم رکھتی ہے اور یہ کہ رسول کی زندگی کے بعد "فیکم رسول" سے مراد **ملت کی مرکزی اتھارٹی** ہے جو رسول کا فریضہ یعنی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ادا کرتی ہے۔ اور یہ کہ رسول کے بعد صرف "مرکز ملت" کو یہ حق حاصل ہے کہ دینی امور میں فیصلہ دے۔"[1]

یہ تو ان حضرات کی رسول اللہ ﷺ کے بارے میں رائے ہے کہ رسول کے اختیارات مرکز ملت کو ملیں گے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تا قیامت یہ رسول اللہ ﷺ کے اختیارات اور حیثیات برقرار رکھی ہیں۔ اب اگر دیکھا جائے تو قرآن کریم میں رسول اللہ ﷺ کے جو مناصب اور ذمہ داریاں یہ ہیں کہ آپ اللہ کی کتاب پہنچانے والے ہیں۔ اس کتاب کی تشریح و توضیح کرنے والے ہیں۔ اس کے مطابق کام کرنے کی حکمت سکھانے والے ہیں۔ افراد کا تزکیہ کرنے والے ہیں۔ مسلمانوں کے لیے نمونہ تقلید ہیں۔ وہ رہنما ہیں۔ آپ ﷺ کی پیروی خدا کے حکم سے واجب ہے۔ امر و نواہی اور تحلیل تحریم کے اختیارات رکھنے والے شارع ہیں۔ قاضی ہیں، اور حاکم اور مطاع ہیں۔ قرآن مجید بتاتا ہے کہ یہ تمام مناصب حضورؐ کو رسول ہونے کیحیثیت سے حاصل تھے اور منصب رسالت پر آپ کے مامور ہونے کا مطلب ہی یہ تھا کہ آپ ان سب مناصب پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے مامور کیے گئے۔

مرکز ملت کی اصطلاح

مرکز ملت کی اصطلاح چونکہ قرآن کی نہیں ہے۔ اس لئے "مرکز ملت" کی اصطلاح بذات خود قابل غور ہے کہ اگر اس اصطلاح کو مان لیا جاتا ہے تو یقیناً ایک ایسی اصطلاح اور ایسی حکومت کا ماننا ضروری بنتا ہے جو کہ محمد ﷺ کو رسول اللہ ماننے کے ساتھ کسی اور کو بھی وہ اعلیٰ وارفع مقام دینا ہے جو کہ تقاضائے ایمان اور احکام قرآن کے صراصر منافی ہے۔ اور اس سے منصب رسالت کی تنقیص کی لازم آتی ہے۔ اگر مرکز ملت کو مان لیا جائے تو کئی اہم ترین سوالات میں سے ایک اہم سوال یہ ہے کہ "مرکز ملت" کا تقرر کیسے ہو؟ حدیث کی حجیت کے سلسلے میں اسلم صاحب جیراجپوری کی وضاحت کے مطابق بیسیوں آیتوں میں اللہ

---

[1] ۔ طلوع اسلام 9 جون 1959ء

تعالٰی نے اطاعت رسول کا حکم دیا ہے۔ اگر حدیثیں حجت نہ ہوں تو یہ اطاعت کس طرح ہو گی ؟ دراصل یہی سب سے بڑی غلط فہمی ہے جو حدیثوں کو دین بنانے کا موجب ہوئی ہے [1]۔۔۔میں نے اس مبحث پر ایک مفصل مقالہ ''اسلامی نظام" کے نام سے شائع کیا ہے۔ جس کو انہوں نے دو لفظوں میں اس طرح لکھا ہے:

"پیغمبری یعنی پیغامات کو بلا کم و کاست لوگوں کے پاس پہنچا دینا۔ اس حیثیت سے آپ ﷺ کی تصدیق کرنا اور آپ پر ایمان لانا فرض کیا گیا۔ یہ پیغمبری آپ کی ذات پر ختم ہو گئی۔ امامت یعنی امت کا انتظام اس کو قرآن کے مطابق چلانا اس کی شیرازہ بندی ان کے باہمی قضایا کے فیصلے تدبیر مہمات اور جنگ و صلح جیسے اجتماعی امور میں ان کی قیادت اور قائم مقامی وغیرہ، اس حیثیت سے آپ ﷺ کی اطاعت اور فرمانبرداری لازم قرار دی گئی۔ اس صورت میں آپ کی اطاعت کرنا [2] اور آپ ﷺ پر ایمان لانا فرض کیا گیا۔ یہ پیغمبری آپ کی ذات پر ختم ہو گئی۔"

مرکز ملت میں کیا خصوصیات ہونی چاہیے، کیا طریقہ ہو اور اس کے کیا کام ہوں گے۔ چنانچہ حافظ اسلم جیراج پوری لکھتے ہیں:

1. زندہ جانشینوں سے امامت کبریٰ قیامت تک مستمر رہے گی۔ بعد میں اس کی بھی وضاحت کریں گے کہ زندہ جانشین سے کیا مراد ہے۔

2. قرآن کریم میں اطاعت رسول سے مراد رسول کی ذات تک کی اطاعت نہیں بلکہ منصب امامت کے لیے آنے والے خلفاء بھی اس میں شامل ہیں۔

3. قرآن کریم میں جہاں رسول کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے اس سے مراد امام وقت یعنی مرکز ملت کی اطاعت ہے۔

4. دین کی ضروریات قرآن کی اتباع اور امامت وقت کی اطاعت سے پوری ہوتی ہیں؟

---

[1]

[2] ۔م۔ح، ص:130

5. امام کے ساتھ منتخب افراد ہوں گے جن کی مشاورت سے وہ حسب اقتضاء زمانہ قرآن کے مطابق حکومت چلائے گا اور اس میں وحدت مرکزی قائم رکھے گا۔[1]

مرکز ملت اور اسلامی حکومت کے متعلق جو نظریات ان کے ہیں اور جن امور پر روشنی پڑتی ہے وہ درج ذیل ہیں:

1. رسول اللہ ﷺ ﷺ کی صرف دو حیثیتیں تھیں ایک بحیثیت رسول دوسرے بحیثیت حاکم حالانکہ ہمقرآن سے آپ کی بارہ میں پیش کر چکے ہیں۔

2. پیغمبری والی حیثیت ختم ہو گئی ہے۔ حاکمیت والی باقی ہے بعد میں آنے والا ہر حاکم چونکہ رسول کا قائم مقام ہے لہذا اس کی اطاعت رسول کی اطاعت اور رسول کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے گویا اس بعد میں آنے والے حاکم یا مرکز ملت کی اطاعت اللہ اور رسول دونوں کی اطاعت ہے۔

3. یہ مرکز ملت قرآن کو سامنے رکھ کر حسب اقتضات زمانہ شریعت سازی کرے گا۔

4. اور اس مرکز ملت کا دوسرا فائدہ یہ ہو گا کہ یہ وحدت مرکزی کو بھی قائم رکھے گا۔[2]

15.2 مرکز ملت کی اطاعت اور رسول کی اطاعت:

نتائج اور حقائق پر غور کرنے سے جو بات سمجھ میں آتی وہ یہ ہے کہ مرکز ملت کی اطاعت کو اگر رسول ہی کی اطاعت مانا جائے اور اس کے احکام و قضایا کو رسول ہی کی طرح مانا جائے تو یہ کئی وجوہ کی بناء پر سراسر غلط ہے، جن میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

1. رسول مامور من اللہ ہوتا ہے۔ جب کہ دوسرے کسی کو یہ مقام حاصل نہیں۔ مرکز ملت یا تو منتخبشدہ ہو گا۔ یا بزور بازو بر سر اقتدار آئے گا۔ ان دونوں صورتوں میں غلطی کا امکان ہے۔

2. رسول تمام امت کے لئے اسوہ ہوتا ہے اور اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ اگر اس کی سیر تو کردار میں کوئی جھول رہ جائے تو بذریعہ وحی اس کی اصلاح کر دی جاتی ہے۔ مگر مرکز ملت کے لئے اصلاحکی یہ صورت ممکن نہیں۔

---

[1] ۔م،ح: ص130

[2] ۔عبدالرحمن کیلانی، آئینہ پرویزیت: 241

3. قرآن اور نبی کی سیرت و کردار میں دو چیزیں مل کر شریعت بنتی ہے اور یہ دوسری چیز بھی یا تو منزل من اللہ ہوتی ہے یا منشائے الٰہی کے مطابق ہوتی ہے۔ گویا جہاں کتاب اللہ تعالیٰ کی طرف سے آتی ہے وہاں پوری شریعت بھی منزل من اللہ ہوتی ہے۔ ارشاد باری ہے:

﴿لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنكُمْ شِرْعَةً وَمِنْهَاجًا﴾[1]

تم میں سے ہر امت (یعنی یہود و نصاریٰ اور مسلمانوں) کے لئے ہم نے شریعت اور طریقہ مقرر کیا۔

﴿ثُمَّ جَعَلْنَاكَ عَلَى شَرِيعَةٍ مِنَ الْأَمْرِ فَاتَّبِعْهَا﴾[2]

پھر ہم نے آپ کو امر (اقامت دین میں ایک شریعت پر قائم کیا سو اس کی اتباع کرو۔[3]

گویا قرآن کی رو سے اللہ کی کتاب اور نبی کے ارشادات و افعال مل کر شریعت بنتے ہیں۔ لیکن غیر نبی کے اقوال و ارشادات جن پر خدا کی وحی کی مہر نہ ہو وہ کیسے شریعت بن سکتے ہیں؟

قرآن مجید کی ترتیب نزول:

قرآن کریم ایک مرتب کتاب قانون اور کتاب آئین کے طور پر نازل نہیں ہوا بلکہ یہ تیئیس سالہ عرصہ میں بتدریج موقعہ بموقعہ نازل ہوا۔ جس کے پڑھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک عظیم انسان پر نازل ہوتا رہا جو کہ اسلامی تحریک کے لیے مبعوث ہوا اور وحی الٰہی قدم قدم پر اس کی رہنمائی کرتی ہے۔ مخالفین کے اعتراضات کا جواب آسمان سے نازل ہو رہا ہے، طرح طرح کی مزاحمتوں سے نمٹنے کی تدابیر آسمان سے اتر رہی ہیں، پیروؤں کو طرح طرح کی مشکلات کا حل اللہ تعالیٰ بتا رہا ہے۔ یہ تحریک ترقی کرتے ہوئے ایک ریاست کے مرحلے میں داخل ہوگئی تو جدید معاشرے کی تشکیل اور ریاست کی تعمیر کے مسائل سے لے کر منافقین اور یہود اور کفار سے کشمکش کے جتنے معاملات ہوئے معاشی، معاشرتی، سیاسی، سماجی سب مسائل کے حل کے لیے قرآنی آیات نازل ہوتی رہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ اگر ہم مرکز ملت ہی کو قرآن کے ساتھ تمام اختیارات بغیر حدیث کے دیتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا:

---

[1] ۔المائدۃ:48/5

[2] ۔الجاثیۃ:45/18

[3] ۔عبدالرحمٰن کیلانی، آئینہ پرویزیت:241

"اس نقطہ نظر کے لیے تو اللہ تعالیٰ کے لیے صحیح یہ تھا کہ نبی کے تقرر کی پہلی تاریخ کو ایک مکمل کتاب آئین آپ کے ہاتھ میں دے دی جاتی جس میں اللہ تعالیٰ انسانی زندگی کے تمام مسائل کے متعلق اپنی تمام ہدایات بیک وقت آپ کو دے دیتا، پھر ختم نبوت کا اعلان کر کے فوراً ہی حضور کی اپنی نبوت بھی ختم کر دی جاتی۔"[1]

- **تدوین حدیث:**

تدوین حدیث میں اس سلسلے میں کوئی روایت موجود نہیں۔

- **سنت خیر الانام**

قرآن میں بار بار اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول (اللہ اور رسول کی اطاعت کرو) کا حکم مذکور ہے مگر منکرین حدیث نے نہایت بے باکی سے آیات قرآنی کے معانی میں تحریف کر دی۔ جھٹ کہہ دیا کہ اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول سے مراد خدا اور رسول کی اطاعت نہیں بلکہ حکومت وقت کی اطاعت ہے۔[2](79)

اگر ان کا یہ مفروضہ ایک لمحہ کے لیے بھی تسلیم کیا جائے تو حضور ﷺ کی اطاعت حضور کی ظاہری مدت زیست تک فرض بھی تو قرآن کریم نے کیوں ایک آیت میں اس کی تصریح نہ کر دی کہ حضور کے انتقال فرمانے کے بعد تم پر اطاعت رسول فرض نہیں بلکہ اس وقت تم اپنے خلیفہ کو اپنا مطاع بناؤ۔ اطاعت رسول پر تو اتنا زور دیا کہ سینکڑوں آیتیں اس سبق کو ذہن نشین کرانے کے لئے وقف کر دیں اور اس امر کا اشارۃً بھی ذکر نہ کیا کہ رسول کے بعد اطاعتِ رسول سے کیا مراد حاکم وقت ہے۔[3](80) اس کے متعلق صراحۃً نہ سہی کنایۃً بھی یہ لوگ نہیں دکھا سکتے۔

نتیجہ بحث:

رسول اللہ ﷺ کی اتباع تا قیامت ضروری ہے۔ رسول یا نبی کو احکام الٰہی کا عملی نمونہ پیش کرنا ہوتا ہے۔ اگر اس میں کوئی جھول رہ جائے تو اس کی زد تمام امت پر پڑتی ہے یہ عملی نمونہ جب تک پیش نہ کیا جائے تو احکام الٰہی کے سارے گوشے بے نقاب نہیں

---

[1]. مودودی، **سنت کی آئینی حیثیت**:108،109

2

3

ہو سکتے ،اور جب تک کسی کو یہ یقین نہ ہو جو عملی نموہ پیش کیا جارہا ہے وہ فی الوقع احکام الہی کی صحیح تعبیر ہے اس وقت تک اسے روحانی اطمینان نہیں ہو سکتا جو کہ ایمان کی روح رواں ہے۔[1]

15.3 رسول کی حیثیت

نبی کے رسول ہونے کی حیثیت کو تو وقتی حیثیت مانا جاتا ہے جبکہ محمد بن عبد اللہ کی حیثیت کو دائمی مانا جاتا ہے۔ رسول کے احکامات آپ کی حیات میں تو قابل عمل تھے مگر بعد میں قابل عمل نہیں منکرین حدیث کے نزدیک نبی کی یہی حیثیت ہے چنانچہ ڈاکٹر عبد الودود صاحب لکھتے ہیں:

> "رسول اللہ محض اجتماعی نظام قائم کرنے کی خاطر اپنے زمانے میں رسول کے علاوہ "مرکز ملت" بھی بنائے گئے تھے۔ آپ کے رسول ہونے کی حیثیت تو دائمی ہے مگر مرکز ملت ہونے کی حیثیت صرف اس وقت تک تھی جب آپ کی زندہ شخصیت کو نظام قائم رکھنے کے لئے سربراہ بنایا گیا اور اب جو بھی بنایا جائے وہ اپنے زمانے ویسا ہی مرکز ملت تھا اور ہوگا جیسے کہ حضور اپنے زمانے کے لئے تھے۔"[2]

اس کے بعد دائمی عمل حکمران وقت کی اپنی بنائی ہوئی شریعت کی پیروی کرنا ہے، چنانچہ مولانا اسلم جیراج پوری لکھتے ہیں:

> "اب سنت کی پیروی بس یہی ہے کہ ہم نظام قائم رکھنے کے لیے یکے بعد دیگرے مرکز ملت قائم کرتے رہیں۔ بعد کے مرکزان ملت پر اگر حضور کوئی فوقیت ہے تو صرف یہ کہ قرآن پہنچانے والے کی حیثیت سے آپ کا مقام بہت آگے ہے۔"[3]

مطلب صرف اور صرف حضور کی جو اضافی اہمیت و فوقیت ہے وہ محض قرآن پہنچانے والی حیثیت سے ہے، اس کے علاوہ اور کوئی فوقیت حضور ﷺ کو حاصل نہیں۔

رسول ﷺ اور عام آدمی

---

[1]. عبد الرحمٰن کیلانی، **آئینہ پرویزیت**: 237،238

[2]. مودودی، ابوالاعلیٰ، مولانا، **سنت کی آئینی حیثیت**: 112

[3]. جیراج پوری، محمد اسلم، مولانا، **مقام حدیث**: ص:56

منکرین حدیث کہتے ہیں کہ رسول ﷺ بھی عام آدمیوں کی طرف ایک انسان تھے، یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے غلطیاں بھی سرزد ہوتی رہتی تھیں۔ جس کی دلیل میں چار اجتہادی غلطیاں وہ پیش کرتے ہیں۔ان کا دعویٰ اس حد تک توٹھیک ہے کہ حضور سے اجتہادی غلطیاں ہوئیں ہیں مگر بعد میں اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے آپ علیہ السلام کی اصلاح فرمادی:

1. ﴿يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ﴾

اے نبی! جو چیزیں اللہ نے تمہارے لیا حلال کیں ہیں انہیں حرام کیوں کرتے ہو؟

2. ﴿عَبَسَ وَتَوَلَّى ، أَنْ جَاءَهُ الْأَعْمَى﴾

تیوری چڑھائی اور منہ پھیرا۔اس لیے کہ اس کے پاس وہ نابینا حاضر ہو۔

3. ﴿عَفَا اللَّهُ عَنْكَ لِمَ أَذِنْتَ لَهُمْ حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِينَ صَدَقُوا وَتَعْلَمَ الْكَاذِبِينَ﴾

(اے پیغمبر!) اللہ نے تمہیں معاف کردیا ہے (مگر) تم نے ان کو اجازت اس سے پہلے کیوں دے دی کہ تم پر یہ بات کھل جاتی کہ کون ہیں جنہوں نے سچ بولا ہے، اور تم جھوٹوں کو بھی اچھی طرح جان لیتے۔

4. ﴿قُلْ إِنْ ضَلَلْتُ فَإِنَّمَاأَضِلُّ عَلَى نَفْسِي وَإِنِ اهْتَدَيْتُ فَبِمَايُوحِي إِلَيَّ رَبِّي إِنَّهُ سَمِيعٌ قَرِيبٌ﴾

کہہ دو میں راستے سے بھٹک جاؤں تو میرے بھٹکنے کا نقصان مجھی کو ہوگا، اور اگر میں نے سیدھا راستہ پالیا ہے تو اس وحی کی بدولت ہے جو میرا رب مجھ پر نازل کررہا ہے۔ وہ یقیناً سب کچھ سننے والا، ہر ایک سے قریب ہے۔

قرآنی آیات سے واضح ہے کہ حضور نظام ملکت کی سرانجام دہی میں ایک بشر کی حیثیت رکھتے تھے اور کبھی کبھی اجتہادی غلطیاں بھی ہو جاتیں تھیں[1]

نتیجہ بحث:

1. اس سے معلوم ہوا کہ حضور سے اپنی پوری پیغمبرانہ زندگی میں بس وہی چند لغزشیں ہوئیں جن کی اللہ تعالیٰ نے فوراً اصلاح

---

[1]. مودودی، سنت کی آئینی حیثیت: ص102

فرمادی۔اب ہم پورے اطمینان کے ساتھ اس پوری سنت کی پیروی کر سکتے ہیں جو آپ ﷺ سے ثابت ہے۔[1] کیونکہ اس کے علاوہ بھی اگر کوئی لغزش ہو جاتی تو اللہ تعالیٰ اس کی اصلاح فرمادیتے جس طرح پہلی لغزشوں کی اصلاح فرمادی۔

2. کیا وہ مرکز ملت حضور ﷺ کے برابر ہو سکتا ہے جس کی ساری زندگی لغزشوں کے نظر ہو گئی ہو جبکہ کوئی آسمانی رہنمائی بھی اس کے پاس نہ ہو۔

3. رسول اللہ ﷺ کو اللہ نے حلت و حرمت کے اختیارات دے رکھے تھے تو اس مرکز ملت کو وہ اختیارات مل سکتے ہیں۔

4. یہ کام رسول ﷺ نے نبی کی حیثیت سے کئے بشر کی حیثیت سے نہیں کیے جس کا واضح مطلب:

i. حضور کے بعد اس کام کو غیر ممکن تصور کیا جاتا اور لوگ سمجھتے کہ یہ نظام جو حضور نے قائم کیا اور چلایا۔عام انسانوں کے بس کی بات نہیں۔

ii. اس کام کو چلانے کے لیے لوگ حضور کے بعد اور نبیوں کے آنے کی ضرورت محسوس کرتے۔

iii. تبلیغ قرآن کے ماسوا حضور کے باقی پورے کارنامہ زندگی کو رسول کا نہیں بلکہ غیر نبی انسان محمد بن عبد اللہ کا کارنامہ مانا جائے۔

یہ نظریہ مرکز ملت ہے جو بنائے فاسد علی الفاسد کے سوا اور کچھ نہیں ورنہ ایک عام معمولی پڑھا لکھا مسلمان بھی اس طرح کا نہ عقیدہ رکھتا ہے اور نہ ہی وہ اس طرح سوچ بھی سکتا ہے۔یہ ایسا عقیدہ اور تصور ہے کہ اس کی زد براہِ راست اسلتمآب ﷺ کی ذات بابرکات پر پڑتی ہے اور جس کا نتیجہ گمراہی اور بے دینی اور بے راہ روی نکلتا ہے۔اور ایسے نظریہ کی آخر ضرورت ہی کیا ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات اس قدر کافی اور شافی ہیں کی ان میں ہر دور اور ہر طبقہ کے لوگوں کے لیے قابل عمل بنایا جاسکتا ہے۔

---

[1] ایضاً:105

فصل سوم

منتخب کتب حدیث کے فکری وسماجی اثرات

ایک مذہب اسلام بھی ہے جس کے ماننے والے مسلمان کہلاتے ہیں۔ایک مسلمان کس طرح زندگی گذارے اور زندگی گذارنے کا کیا طریقہ ہو۔اس کا نظریہ حیات اور مقصد زندگی کیا ہونی چاہئے۔اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے پر کیا ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔اس کے عقائد واعمال میں کیا چیز شامل ہے۔بڑے بڑے شعبے جن میں عبادات، معاملات، معاشرت، معیشت، اخلاقیات، حقوق اللہ اور حقوق العباد وغیرہ شامل ہیں، ان میں قرآن وسنت کی کیا ہدایات موجود ہیں اور پھر ان کے بتائے ہوئے اصولوں کی روشنی میں فقہاء و محدثین امت رحمہم اللہ کی کیا رہنمائی ملتی ہے۔یہ بنیادی ترین سوالات ہیں جو انسان اور ایک مسلمان کو ذمہ دار بناتے ہیں کہ وہ اپنی زندگی اور اپنی فکر کو اس امر اور عمل کے مطابق بنائے جس کا اسلام اس سے مطالبہ کرتا ہے۔ اسلام صرف عبادات تک محدود ہو بلکہ ساری زندگی اور ہر شعبہ زندگی کے لیے راہنمائی اور لائحہ عمل اسلام میں موجود ہے۔رہنمائی کا سلسلہ ابتداء اسلام اور ابتداء نزول وحی سے لے کر آج تک جاری وساری ہے۔جس میں کسی طرح کا بھی کوئی انقطاع نہیں آیا۔دین اسلام کے اصل الاصول دو چیزیں ہیں:

1. کتاب اللہ
2. سنت رسول اللہ ﷺ

قرآن کریم قطعی الدلالۃ اور قطعی الثبوت ہے جبکہ حدیث ظنی الدلالۃ اور قطعی الثبوت ہے۔ظن کے متعلق تفصیل گزر چکی ہے، جس کا استعمال اردو اور عربی میں ہمیشہ ایک جیسا نہیں ہوتا۔اسی وجہ سے ظنی سے اردو والا ظن، وہم یا گمان وغیرہ ہرگز مراد نہیں لیا جاسکتا۔ایک مسلمان کی فکر وسوچ کا محور دنیا میں اللہ کی رضامندی اور آخروی کامیابی ہوتی۔جس کی وجہ سے وہ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی طرف سے اپنے اوپر عائد کردہ ذمہ داریوں اور پابندیوں کو قبول کرتا ہے اور ان کے بتائے ہوئے طریقہ پر زندگی گذارتا ہے۔اس راستے میں عام طور پر تین چیزیں بڑی رکاوٹ ہوتی ہیں:

1. دین سے دوری
2. خواہش نفس کی پیروی

3. بے دین اور ملحدین کے نظریات سے متاثر ہونا۔[1]

جس طرح یہ تین چیزیں مہلک ترین ہیں اسی طرح ان کے مقابل سنت رسول ﷺ کی حیثیت تریاق کی ہے جو کہ ان تینوں کے سامنے مضبوط بند باندھتی ہے۔

نظام زندگی میں صرف قرآن ہو تو اس کے حقیقی مفہوم کو حدیث کی رہنمائی کے بغیر نہیں سمجھا جا سکتا کیونکہ قرآں کریم کی صحیح تعبیر اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ ہی کو سکھائی ہے۔ اس لیے شرعی قانون میں اور مسلمان اپنی زندگی میں قرآن کی طرح حدیث مبارک کو بھی بہت اہمیت دیتا ہے بلکہ قرآن و حدیث پر دین کی عمارت کو قائم سمجھتا ہے۔ ان دونوں میں سے کسی ایک کو نکال دیا جائے تو دین کی تکمیل اور تعمیل ناممکن ہو جاتی ہے۔ اسلام کے خلاف روز اول ہی سے منافقین اور یہود و نصاریٰ مختلف طریقوں سے سازشیں کرتے آئے ہیں۔ ان سازشوں میں حدیث کا انکار کرنا اور حدیث مبارکہ کی اہمیت کو کم کرنا بھی شامل رہا ہے۔ مختلف لبادے اوڑھ کر مسلمانوں کا حدیث سے جو تعلق ہے اس کو ختم کرنے کی کوشش کرتے رہے ہیں۔ جب سے یہ ناکام کوشش شروع ہوئی اس وقت سے علماء کرامؒ حجیت حدیث پر کام کرنے لگے۔ جس کے متعلق عقلی اور نقلی جوابات لکھے گئے جو کہ اب تک جاری ہے۔

1. حجیت حدیث اور اصلاحِ افکار

حضرت محمد ﷺ اللہ کے آخری نبی اور امت کے لیے مثالی کردار ہیں، جن کے رنگ میں رنگ جانا، جن کے امر و نہی پر لبیک کرنا، جن کی زندگی کو اپنانا، جن کی پیروی کو دنیا و آخرت کی فلاح و بہبود کا ذریعہ بنانا ایک ایمان والے کا ایمانی تقاضہ ہے۔ یہ تصور رکھنا کہ اتنی بڑی دنیا ہے جس میں پھل پھول، رنگ و بو، بر و بحر، خشکی و تری، افلاک اور زمینیں، پہاڑ، دریا، سمندر، نباتات، جمادات وغیرہ کی صورت میں لاتعداد مخلوقات ہیں۔ یہ ایسے ہی وجود میں یقیناً نہیں آئی بلکہ کوئی ذات ہے جو کہ اس کی موجِد ہے۔ جس کا تصور صرف اسلام ہی میں نہیں تقریباً ہر مذہب میں موجود ہے[2]۔ وہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، جس نے ساری دنیا کو انسانوں کے لیے پیدا کیا اور انسانوں کو اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔[3] اب ہمیں یہ کیسے معلوم ہو گا کہ کس وقت اللہ ہم سے کس بات کا مطالبہ کرتا ہے؟ ہمارے رب نے ہمارے لیے احکام بھیجے ہیں؟ وہ کن کاموں سے راضی ہوتا ہے؟ اور کن کاموں سے ناراض ہوتا ہے؟ یہ اللہ نے قرآن میں جبکہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی احادیث میں ہمیں بتلایا۔ انسانوں ہی میں سے انبیاء و رسول علیہم السلام مبعوث فرمائے جن کا

---

[1]۔ عثمانی، محمد فہیم، مولانا، **حفاظت و حجیت حدیث**: 27

[2]۔ ذاکر نائک، عبدالکریم، ذاکر، **مذاہب عالم میں تصور خدا** (دار النور، الحمد مارکیٹ، غزنی اسٹریٹ، اردو بازار لاہور 2006): 26

[3]۔ الذاریات: 56

کام نیکی کی طرف بلانا، بدی سے روکنا، اللہ کی زمین میں اللہ کے احکام کی تبلیغ اور اللہ کی نافرمانی سے منع کرنا تھا۔[1] یہ سلسلہ چلتا رہا یہاں تک کہ آخری بنی خاتم الرسل سید ولد آدم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ مبعوث ہوئے اور آپ ﷺ تیئیس سال تک دنیا میں اللہ کی دین کی دعوت دی۔ رسول اللہ ﷺ پر قرآن نازل فرمایا جس کی وضاحت کے لیے رسول اللہ کو پابند فرمایا اور امت پر رسول کی پیروی کو لازم قرار دیا۔

1.1 مقاصد شریعت:

اگر احکام شرعیہ کا گہرائی سے مطالعہ کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ شریعت نے کچھ چیزوں کے نشو و نما اور حفاظت پر سعادت دارین کا دارو مدار ہے اور انہیں کے متعلق رحمت ربانی نے اپنے محبوب اکرم ﷺ کے ذریعہ ہماری رہنمائی فرمائی ہے۔ وہ پانچ چیزیں ہیں جو کہ درجِ ذیل ہیں:

1. دین
2. نفس (جان)
3. عقل
4. نسل
5. مال

یہی وہ چیزیں ہیں جن کی حفاظت بھی بہت اہم اور ضروری ہے اور حفاظت کے ساتھ ان کا نشو و نما بھی کرنا ہے۔[2] ان کی ترتیب وار کچھ وضاحت درجِ ذیل ہے:

دین

دین بندے کا رشتہ اپنے خالق و مالک سے قائم اور مضبوط کرتا ہے، س کے لئے توحید و رسالت و قیامت وغیرہ پر ایمان لانے کا حکم دیتا ہے۔ عبادات کو فرض کرتا ہے اور شرک و کفر اور ان کے لوازمات سے روکتا ہے۔

---

[1] ۔ النحل: 36

[2] ۔ شاطبیؒ، ابو اسحاق۔ **الموافقات لابی اسحاق الشاطبیؒ**: 10/2

نفس

اللہ نے انسان کو جسم وروح سے مرکب بنایا ہے۔ کوئی جسم بغیر روح اور جان کے نہیں رہ سکتا۔ بالکل اسی طرح کوئی روح بغیر جسم کے نہیں رہ سکتی۔ جسم وجان مل کر حیات ظاہری کا سبب بنتے ہیں۔ مہلت کے جو اوقات اللہ نے بندے کو دیئے ہیں۔ اس لیے دیئے ہیں وہ اپنی زندگی کو قیمتی بنا سکے۔ وہ اپنے رب کے دیئے ہوئے قوائے عقلی، فکری، حسی اور بدنی کو اس کے رسول ﷺ کے بتائے ہوئے طریق کار کے مطابق استعمال کرے تاکہ اپنے رب سے بندگی کا رشتہ قائم رہ سکے۔ اللہ تعالیٰ بھی نفس کی ضلالت سے اس کی حفاظت کے لئے حکم فرماتا ہے اور جو شخص اسے یا اس کے کسی جزو کو تلف کرنے کی جرات کرتا ہے۔ اس کے لیے قصاص اور دیت کا قانون صادر فرمایا۔

عقل

اللہ تعالیٰ نے جو انسان کو نعمتیں دیں ہیں، ان میں اہم ترین نعمت عقل ہے جو کہ جو انسان کا طرہ امتیاز ہے۔ یہی عقل ہے جس کے بغیر انسان حیوانات سے بھی کمتر ہو جاتا ہے۔ اسی عقل کی صحیح استعمال نہ کرنے کی وجہ سے بسا اوقات تو ان سے بھی زیادہ اذیت رساں بن جاتا ہے۔ اس عقل کی حفاظت کے لئے تمام نشہ آور چیزیں جو کہ عقل کو بگاڑ دیتی ہیں حرام کر دی ہیں۔ اگر کوئی ان کو استعمال کرے تو اس کے لئے حد مقرر کر دی۔ غرض عقل کی حفاظت بہت اہم اور ضروری ہے۔ ورنہ حفاظت نہ کرنے کا نتیجہ قدرت کی دی ہوئی صلاحیتوں کے برباد ہونے کی صورت میں نکلے گا۔

نسل انسانی

انسان کا وجود اور نسل انسانی کی بقا بھی بہت ہی اہم ہے۔ جس سے بزم ہستی کی رونق ہے۔ جس کے بغیر قدرت کے بے شمار خزانے اور ان گنت انعامات ایسے رہ جائیں گے جیسا کہ ان کا کوئی خرچ ہی نہیں ہے۔ اس کی افزائش کے لئے نکاح کا حکم دیا اور بیوی اور شوہر کے حسن معاشرت کے قواعد بنائے۔ زنا سے روکا اور نافرمانی کرنے والوں کے لئے کوڑوں اور رجم جیسی عبرتناک سزائیں مقرر فرمائیں۔ اس لیے شریعت مطہرہ چاہتی ہے کہ انسانوں کی افزائش بھی ہو اور وہ محفوظ اور عفت کے ساتھ اپنی زندگی بھی گذاریں۔

مال

نعمتوں میں سے مال بھی اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے۔ جس سے یہ ساری کاروباری صنعتیں، معاشی اور عمرانی نشاط وابستہ ہے۔اس کے لئے خرید وفروخت وغیرہ کے عادلانہ قواعد سکھلائے اور چوری،غصب، سوداور ناجائزلوٹ کھسوٹ کرنے سے منع کیااور دست درازی کرنے والے کے لئے سزائیں مقرر کیں۔اپنے مال کی حفاظت کا حکم دیا۔اصول وضوبط بنائے۔ میراث کا قانون بنایا۔زکوٰۃ کانظام بنایاتاکہ غریبوں اورامیروں کاتوازن بھی برقراررہے۔

1.2 حفاظت دین

ان سب میں سے اہم چیز دین ہے جس پر موجودہ اور آئندہ زندگی کادارومدار ہے اور دین میں قرآن کے بعد حدیث وسنت کا نمبر آتاہے۔ رسول کی حدیث پر روزاول سے اعتراضات ہوتے رہے ہیں اور منکرین بھی پیدا ہوتے رہے ہیں، اگر غور کیا کیا جائے تو شاید پہلا منکر حدیث ابولہب ہے جس نے رسول اللہ ﷺ کی بات رد کی۔ حدیث رسول سے روکنے والے مسلمان نہیں بلکہ منافقین کاکام ہے۔[1] رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد معتزلہ وخوارج اور دیگر فرقوں نے بھی انکار حدیث کیا مگر اس وقت کے علماء ومحدثین نے حفاظت حدیث اور حجیت حدیث کے سلسلے میں عظیم خدمات انجام دیں جن سے حدیث کی اصل حیثیت اپنی جگہ برقرار رہی اور انکار حدیث کااثر بھی ختم ہوگیا۔[2] جس کا تقریباًنودس صدیاں نام ونشان ہی مٹ گیا۔ مگر بیچ بیچ میں ایسی فکر کے کچھ لوگ پیدا ہوتے رہے تو محدثین وفقہاءؒ کے سامنے ان کی شرانگیزیاں نہیں چل سکیں۔[3]

برصغیر پاک وہند میں بھی انکار حدیث کی لہر انیسویں صدی عیسوی میں بڑے زوردار طریقے سے اٹھی،اور مسلمانوں کی دینی فکری صلاحیتوں پر بڑااثر ڈالا۔ جس کا نتیجہ یہ نکلاکہ انہوں نے سمجھ لیااب مغرب سے جو نظریات، جوافکار وتخیلات، جواصول تہذیب وتمدن اور جو قوانین حیات آرہے ہیں وہ توعقل کے مطابق ہیں عقل بھی انہیں مانتی ہے۔اس لیے انہی کوماننا چاہیے،اس کے برعکس ان پر اسلام کے نقطہ نظر سے تنقید کرکے حق وباطل کافیصلہ کرنا محض تاریک خیالی ہے، زمانے کے ساتھ چلنے کی صورت بس یہ ہے کہ اسلام کوکسی نہ کسی طرح ان کے مطابق ڈھال دیاجائے۔[4] یہی حقیقت ہے کہ اسلام پر عمل تونہیں کرنااور تہمت سے بچنا ہے تواسلام ہی کوان مغربی اقوام کی تعلیمات کے مطابق ڈھال دو، جو جو باتیں نام نہاد عقل کے خلاف ہوں اگرچہ فطرت سلیمہ اور

---

[1]۔ سنت خیر الانام:42

[2]۔ سنت کی آئینی حیثیت:23

[3]۔ ایضاً:16

[4]۔ ایضاً:17

عقل سلیم ان کو درست بھی مانتا ہو بس ان کا خلاف عقل ہونے کی وجہ سے یا تو صاف انکار کر دو، اور اگر ڈر ہو کہ کہیں مسلمان کفر کی فتویٰ نہ لگائیں تو دور از کار کی تاویلات فاسدہ کر دو۔ جس کا مظاہرہ برصغیر میں سب سے پہلے سر سید احمد خان نے کیا۔ اپنی تفسیر میں واضح معجزات جنت جہنم سزا جزا ملائکہ وجود آدم کے سلسلہ میں تاویلات کیں۔ تاویلات بھی ایسی کہ انکار سے کم درجہ کی نہیں۔

1 انسانی حیات اور حدیث رسول ﷺ

جب بھی اسلامی نظام حیات پر بحث کی جائے گی تو لازماً اس میں حدیث رسول ﷺ کا ذکر ہو گا، اسلام کے نظام حیات کو جس چیز نے تفصیلی اور عملی صورت میں قائم کیا۔ وہ حدیث رسول ﷺ ہے اسی نے قرآن کی ہدایات کا مقصد و منشاء متعین کر کے مسلمانوں کے تہذیبی تصورات کی تشکیل کی ہے، اور اسی نے ہر شعبہ زندگی میں اسلام کے عملی ادارے مضبوط بنیاد پر تعمیر کر دیئے ہیں، لہٰذا اسلام کی مرمت اس کے بغیر ممکن نہیں کہ سنت سے پیچھا چھڑایا جائے۔ اس کے بعد قرآن کے الفاظ رہ جاتے ہیں جن کے پیچھے نہ کوئی عملی نمونہ ہو گا، نہ کوئی مستند تعبیر و تشریح ہو گی اور نہ کسی قسم کی روایات اور نظیریں ہونگی۔ ان کو تاویلات کا تختہ مشق بنانا آسان ہو گا اور اس طرح اسلام بالکل ایل موم کا گولہ بن کر رہ جائے گا جسے دنیا کے ہر چلتے ہوئے فلسفے کے مطابق ہر روز ایک نئی صورت دی جاسکے گی۔ یہی وجہ ہے کہ منکرین حدیث نے مختلف نظریات پیش کیے ہیں۔ اس حد تک کہ وہ معتزلہ کو تو مسلمانوں کے لیے مثالی راستہ اور رہنما قرار دینے سے بھی نہیں چونکتے بلکہ ان کا دعویٰ ہے کہ اگر مسلک اعتزال باقی رہتا تو یہ جمود و تعطل جو آج مسلمانوں میں نظر آرہا ہے وجود میں نہ آتا اور علم و فکر کی دنیا میں مسلمان آج ایسے مقام پر کھڑے ہوتے جہاں ان کا کوئی مقابل نہ ہوتا ۔[1] برصغیر کے منکرین حدیث کے بانی مبانی جناب سر سید احمد خان صاحب نے قرآن مجید کی تفسیر لکھی جس میں انہوں نے قرآن مجید کی تفسیر مروج طریقے سے ہٹ کر سنت رسول اللہ ﷺ کی روشنی میں کرنے کے بجائے جدید نظریات کی روشنی کی۔ کئی مقامات پر تاویلات فاسدہ سے کام لیا۔ ان کی تفسیر کا تعارف کراتے ہوئے جناب الطاف حسین حالی صاحب لکھتے ہیں:

> "اسلام کے متعارف مجموعہ میں سے وہ حصہ جس کو تمام مسلمان فہم من اللہ سمجھتے ہیں اور جس کی نسبت یقین رکھتے ہیں کہ وہ خدا کی طرف سے نبی آخر الزمان پر القاء ہوا ہے، اسی نبی کریم ﷺ کے ہاتھوں ہاتھ ہم تک پہنچا ہے۔ صرف وہی حصہ اس بات کا استحقاق رکھتا ہے کہ اس میں جو بات مسائل فلسفہ اور حکمت کے خلاف معلوم

---

[1]۔ ماہنامہ طلوع اسلام، جولائی 1955ء: 39

ہواس میں اور مسائل حکمت میں تطبیق کی جائے یا مسائل حکمیہ کی غلطی ثابت کی جائے۔ پس انہوں نے جیسا کہ عمر ﷺ سے منقول ہے۔"[1]

جس میں واضح طور پر حدیث کو اپنی عقل پر پرکھنے کی کوشش کی ہے حالانکہ حدیث بھی وحی کی ایک قسم ہی ہے جس کی وجہ سے ہر عقل سے متصادم آنے والی بات کے مقابلے میں حدیث کو رد نہیں کیا جا سکتا۔ حدیث کی اپنی ایک تاریخ ہے۔ حضرات محدثین نے اس پر مستقل کام کیا ہے۔ فن اسماء الرجال اور علماء و محدثین کی محنتیں سب پر آشکارا ہیں۔ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعینؓ کے وقت خود وحی نازل ہوتی تھی یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین اعلم بالحدیث تھے مگر اب جبکہ احادیث مرتب ہو چکی اور ہر ہر قسم کی حدیث اور اس کا حکم معلوم ہو چکا۔ عقل کی ناجائز مداخلت سوائے دین میں تحریف کے علاوہ کچھ اور ثابت نہیں کر سکتی۔ چنانچہ دلیل میں مولانا الطاف حسین حالی صاحب لکھتے ہیں:

"حسبنا کتاب اللہ کہہ کر اپنے جدید علم کلام کا موضوع اور اسلام کا حقیقی مصداق صرف قرآن مجید کو قرار دیا اور اس کے سوا تمام مجموعہ حدیث کو اس دلیل سے کہ ان میں کوئی حدیث مثل قرآن کے قطعی الثبوت نہیں ہے اور تمام علماء و مفسرین کے اقوال و آراء اور تمام فقہاء و مجتہدین کے قیاسات واجتہادات کو اس بنا پر کہ ان کے جواب وہ خود علماء و مفسرین اور مفسرین اور فقہاء و مجتہدین ہیں نہ کہ اسلام، بحث سے خارج کر دیا۔ اس اصول کو ملحوظ رکھ کر سرسید نے قرآن مجید کی تفسیر لکھنے کا مصمم ارادہ کر لیا۔"[2]

اس اقتباس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے مجوزہ "کار عظیم" کے راستے میں تمام مجموعہ احادیث، تمام علماء و مفسرین کے اقوال و آراء اور تمام فقہاء و مجتہدین کے قیاسات واجتہادات ہی سب سے بڑی رکاوٹ تھے۔ لہٰذا آپ نے ان تمام چیزوں میں سے کسی ایک کو بھی درخور اعتناء نہیں سمجھا اور ان سب سے بے نیاز ہو کر قرآن کی تفسیر کی طرف متوجہ ہوئے۔ قرآن کے متعلق آپ کا نظریہ درج بالا اقتباس سے ظاہر ہے۔[3] جس طرح احادیث کے سلسلے میں کہا جا رہا ہے کہ وہ خلاف عقل ہیں، یقیناً کچھ لوگ ایسے مزاج کے بھی ہونگے جو کہ قرآن کریم کی بہت سی آیات کو خلاف عقل بتلاتے ہیں۔ اس پر امیر المؤمنین حضرت عمر بن خطابؓ کا ایک ارشاد ہے کہ ایک موقع پر آپؓ نے ارشاد فرمایا کہ جو لوگ دلائل کی باتیں کرتے ہیں۔ ان کے سامنے قرآن نہ پیش کیا کرو کیونکہ کلام اللہ ذو وجوہ (قرآن کریم کے ایک جملے کے کئی معنی ہو سکتے ہیں) ہے، لوگ اپنی مرضی کا معنی کریں گے۔ اس لیے جب بھی دلیل

---

[1] ۔حیات جاوید، حوالہ پاکستان کا معمار اول: 57

[2] ۔ایضاً: 57

[3] ۔عبدالرحمٰن کیلانی، آئینہ پرویزیت: 72

پیش کرو تو حدیث سے پیش کرو، کیونکہ سنت واضح اور دوٹوک ہے۔ سنت اور حدیث بتاتی ہے کہ فلاں آیت کے یہ معانی ہیں۔ قرآن کریم کے الفاظ کا ایک معنی بھی مراد لیا جاسکتا ہے اور دوسرا بھی، ایک لفظ کے کئی معنی مراد لیے جاسکتے ہیں۔

مثال:

چونکہ قرآن کریم کی تشریح و تفسیر بغیر سنت کے ایک کھلونہ ہی بن جائے گی اور احکام و مسائل میں ہر ایک اپنی رائے سے ایسی تفسیریں کرتا پھرے گا کہ الامان والحفیظ۔ اگر سنت کو درمیان سے نکال دیں پھر قرآن مجید بازیچہ اطفال بن کر رہ جائے گا، قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿ وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا ﴾ [1]

چوری کرنے والے مرد اور عورت کا ہاتھ کاٹ دو۔

"فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا" کے معنی کیا ہیں؟ اگر حضورؐ سے پوچھیں گے تو آپ ﷺ عملی طور پر ہاتھ کاٹنا بتائیں گے جیسا کہ فاطمہ مخزومیہ کا چوری کرنے پر ہاتھ کاٹا تھا، لیکن اگر درمیان سے حدیث کو نکال دیا جائے تو قطع ید کا کیا طریقہ ہوگا اور کیا مطلب ہوگا، اس بارے میں مولانا مودودیؒ لکھتے ہیں:

"ہمارے ایک متجدد صاحب فرماتے ہیں کہ اصل میں یہ محاورہ کہ ''ہاتھ کاٹ دو'' سے مراد ہے کہ ان کو آزاد نہ چھوڑو، کام کرنے کے قابل نہ چھوڑو، ہاتھ کاٹنے سے حقیقت میں ہاتھ کاٹنا مراد نہیں ہے، عمل کے حق سے محروم کردینا مراد ہے، جیل میں ڈال دینا مراد ہے۔"[2]

یہ مفہوم تب ہی مراد لیا جائے گا جب حدیث کو درمیان سے نکال دیا جائے اور نہ کبھی بھی اس طرح کے معانی مراد نہیں سکتے۔ یہ سب اس لیے کیا جاتا ہے کہ قرآن کریم سے تو انکار ممکن نہیں ہے، اس لیے قرآن کریم کی تعبیر اور تشریح کو اپنے اختیار میں لینے کے لیے یہ ضروری ہے کہ حدیث اور سنت کو درمیان سے نکالا جائے۔[3]

---

[1]۔ المائدۃ: 38

[2]۔ سنت کی آئینی حیثیت: 317

[3]۔ سنت خیر الانام: 67

2 عبادات اور معاملات کی تقسیم:

مسلمان ہمیشہ عبادات اور معاملات کو ایک ہی سمجھتے آئے ہیں جبکہ بر صغیر پاک وہند میں خاص طور پر عبادات اور معاملات کی تقسیم انگریز سرکار کی پیدا کردہ ہے، جس کے نتائج دور رس اور تباہ کن ثابت ہوئے ہیں۔ حضرت پیر کرم شاہ الازہریؒ لکھتے ہیں:

"انگریز نے سب سے پہلے عبادات اور معاملات کے تشریعی اور قانون تفاوت کا نظریہ پیش کیا۔ نماز روزہ کو عبادت کہا اور اس میں مسلمانوں کو آزادی دے دی اور اپنے عدل و انصاف اور رواداری اور فراخدلی کے قصیدے ساری دنیا کو سنائے اور زندگی کی باقی ضروریات کو معاملات کہہ کر دین سے جدا کر دیا اور مسلمانوں کو اپنے قانون کا پابند بنا دیا۔"[1]

یہی وجہ ہے کہ آج مسلمان عبادات کے سلسلے میں کچھ حساس ہوتا ہے اور علماء کی طرف اکثر و بیشتر رجوع کرتا ہے جبکہ دیگر معاملات میں بے لاگ زندگی بسر کر رہا ہوتا ہے۔

3 استشراقی افکار واثرات سے حفاظت

احادیث مبارکہ اسلام میں حجت ہیں، اس میں کسی مسلمان کو کوئی شبہ نہیں ہونا چاہیے۔ بعض افکار نے حدیث کے بارے میں مسلمانوں کے اندر شکوک و شبہات ضرور پیدا کیے ہیں۔ ان معترضین میں سے ایک استشراقی فکر بھی ہے، جس کے نتائج نہایت ہی بھیانک اور اثرات دور رس ہیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ یہ نتائج ختم نبوت کے انکار پر منتج ہوتے ہیں تو شاید یہ مبالغہ یا غلط بیانی نہیں ہو گی۔ ڈاکٹر احمد عبدالحمید غراب نے لکھا ہے:

"استشراق، کفار اور اہل کتاب کی طرف سے اسلام اور مسلمانوں کے حوالے سے مختلف موضوعات مثلاً عقائد و شریعت، ثقافت، تہذیب، تاریخ اور نظامِ حکومت سے متعلق کی گئی تحقیق اور مطالعہ کا نام ہے جس کا مقصد اسلامی مشرق پر اپنی نسلی و ثقافتی برتری کے زعم میں مسلمانوں پر اہلِ مغرب کا تسلّط قائم رکھنے کے لیے ان کو اسلام کے بارے میں شکوک و شبہات میں مبتلا کرنا اور اسلام کو مسخ شدہ صورت میں پیش کرنا ہے۔"[2]

---

[1]۔ ایضاً: 38

[2]۔ غراب، عبدالحمید، دکتور، **رؤیۃ الاسلامیہ للاستشراق**: 36

کسی بھی تہذیب وثقافت یالوگوں کے نظریات کو متاثر کرنے کے کئی اسباب میں سے ایک اہم سبب ان کے علمی مواد کا بغور مطالعہ کر کے ان کی قابل تحسین باتوں کو تو پس پشت ڈالا جائے اور جو باتیں نا قابل فہم ہوں یا سطحی اعتبار سے بظاہر قابل اعتراض نظر آئیں ان کو اتنا اچھالا جائے کہ ان باتوں کے متعلق اصل حقیقتِ حال واضح نہ ہو اور لوگ طرح طرح کے شکوک وشبہات کا شکار ہو جائیں۔ مستشرقین کا بھی عمومی طور پر یہی کام رہا ہے کہ اسلام کی خوبیوں کو تو کبھی بھی بیان نہیں کیا اور اپنی برتری اور تسلط برقرار رکھنے کے لئے دین اسلام کی کئی چیزوں کو مشکوک بنانے کی کوشش کرتے رہے۔

مستشرقین، منکرین اور احادیث رسول ﷺ:

بہت سے مستشرقین نے سیرت رسول ﷺ پر اعتراضات بھی کئے ہیں مگر ان میں سے کئی ایک ایسے بھی ہیں جنہوں نے اپنی ہی مستشرقین ساتھیوں کا رد بھی کیا۔ ڈاکٹر اسپرنگر نے تین جلدوں میں سیرت پر کتاب لکھی ۔ جس میں اس میں حدیث کی روایت اور اس کی حیثیت پر بھی تنقید کی۔ سر ولیم میور نے سیرت پر اپنی کتاب میں حدیث پر بحث کی ہے لیکن حدیث پر جس شخص نے سب سے پہلے تفصیلی بحث کی، وہ مشہور جرمن مستشرق گولڈزیہر (م 1921ء) ہے۔ اس نے اپنی کتاب[1] "Muslim Studies" کی دوسری جلد میں علمِ حدیث پر تجزیاتی انداز میں تنقید کی ہے۔ بعد کے تمام مستشرقین نے گولڈزیہر ہی کے اصولوں کا اتباع کیا ہے۔ پروفیسر الفرڈ گیوم نے اپنی کتاب "Islam" اور[2] "Traditions of Islam" میں اسی کی تحقیق کو آگے بڑھایا ہے۔ جوزف شاخت نے اپنی کتاب[3] "The Origins of Muhammadan Jurisprudence" میں گولڈزیہر کے اصولوں کی روشنی میں اسلامی قانون کے مصادر و منابع کا تجزیہ کیا ہے اور حدیث کے ظہور اور ارتقا پر بحث کی ہے اور حدیث نبوی کی حیثیت کو مشکوک قرار دیا ہے۔ اس کے علاوہ مار گولیتھ، رابسن، گبو، ول ڈیورانٹ، آرتھر جیفری، منٹگمری واٹ، ہوروفیتش، وان کریمر، کیتانی، اور نکلسن وغیرہ نے بھی اپنے حدیث مخالف نظریات پیش کیے۔

عصر حاضر میں مستشرقین نے اسلام کے خلاف ایک اور محاذ کھول رکھا ہے۔ جس کے نتیجے میں کسی طرح اسلامی تعلیمات کو غیر عقلی اور غیر فطری ثابت کیا جانے لگا ہے اور یہ باور بھی کیا جانے لگا ہے کہ اسلامی احکامات بنیادی انسانی حقوق سے متصادم اور عصری تقاضوں سے ہم آہنگ نہ ہونے کی وجہ سے ناقابل عمل ہیں ۔ مستشرقین میں سے علمِ حدیث پر بنیادی کام گولڈ

---

[1] . IGNAZ GOLDZIHER, MUSLIM STUDIES, (Public Domain Mark 1.0 ark:/13960/t11p57k8j)

[2] Alfred Guillaume - The Traditions of Islam an Introduction to the Study of the Hadith Literature

[3] JOSEPH SCHACHT, THE ORIGINS OF MUHAMMADAN JURISPRUDENCE (Oxford University Press^ Ely House^ London W. I)

زیہراور شاخت ہی کا ہے۔ یہ دونوں یہودی ہیں اور ان کا تعلق جرمن سے ہے۔ آزادانہ تحقیق کے دعوے دار مغربی اہلِ علم کے اس اسلوبِ تحقیق پر جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری تعجب کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"حیرت کی بات ہے کہ اصولِ حدیث اور تاریخِ حدیث پر مسلمانوں کی بے شمار کتابیں دنیا کی لائبریریوں میں موجود ہیں۔ حدیث طیبہ کے بارے مسلمانوں کا جو موقف ابتدا سے رہا ہے، وہ ہر دور کی تصانیف میں درج ہے لیکن مستشرق محققین نہ تو مسلمانوں کے موقف کی طرف اپنی توجہ مبذول کرتے ہیں اور نہ ہی حدیث کے متعلق مسلمانوں کے چودہ سو سالہ ادب کو کوئی اہمیت دیتے ہیں۔ بلکہ ان پر جب حدیث کے متعلق تحقیق کا بھوت سوار ہوتا ہے تو گولڈ زیہر اور اس کے نقالوں کی تصانیف کو ہی قابلِ اعتماد مصادر قرار دیتے ہیں۔"[1]

یہ ایک ایسی اصولی بات ہے کہ جس کا کسی طور پر انکار نہیں کیا جاسکتا کہ جب کسی سے بحث مباحثہ اور اعتراض کیا جاتا ہے تو معترضین کی کتب سے ان کا حل تلاش نہیں کیا جاتا بلکہ اصل اور اس کے مالک کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔ پیر کرم شاہ الازہری کی نظر میں قرآن مجید در حقیقت رسولِ خدا ﷺ کی سیرت کا بیان اور حدیث و سنت اس کی عملی تشریح و تعبیر ہے۔ اس لیے ان کی نظر میں مستشرقین کا قرآن و سنّت کو تنقید کا نشانہ بنانا براہِ راست سیرت پر تنقید ہی کے مترادف ہے۔ مستشرقین نے حدیثِ رسول کو من گھڑت اور جعلی قرار دینے میں جو سخت مشقتیں اٹھائی ہیں، پیر صاحب اس کی اصل وجہ بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"قرآن حکیم کی مخالفت کرتے ہوئے مستشرقین کو یہ مشکل پیش آئی کہ وہ قرآن حکیم کی من مانی تشریح نہیں کر سکتے تھے کیونکہ قرآن حکیم کی وہ تشریح جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود کی تھی، وہ احادیث طیبہ کی شکل میں مسلمانوں کے پاس موجود تھی۔"[2]

یہ تو ایک تاریخ رہی ہے کہ اگر کوئی قرآن کریم کو اپنی معانی پہنانا چاہے تو کس طرح اس سے حفاظت کی جائے۔ ہمیشہ ملت اسلامیہ کے علماء ربانیین نے احادیث طیبہ ہی کی مدد سے ان کا راستہ روکا ہے، جس وجہ سے قرآن کریم بھی محفوظ رہا ہے اور معنوی تحریف کرنے والے بھی کبھی کامیاب نہیں ہوئے ہیں۔ اب انہوں نے ایک منصوبہ کے ساتھ کہا کہ قرآن کریم اللہ کی کتاب نہیں

---

[1]۔ ازہری، کرم شاہ، پیر، **ضیاء النبی ﷺ**، (ضیاء القرآن پبلیکیشنز، لاہور، 1418ھ): 25/7

[2]۔ ایضاً: 16/7، 15

حضور کا کلام ہے مگر پھر ان کے لیے یہ مسئلہ سوہان روح بن گیا کہ حدیث اور قرآن دونوں کو ایک شخص کا کلام کیسے کہا جائے جس کے لیے انہوں نے نئی چال چلی، جن کے متعلق پیر صاحبؒ لکھتے ہیں:

"مستشرقین کے تخیل کی پرواز ویسے ہی بہت بلند ہوتی ہے، اس لیے انھوں نے احادیث طیبہ کے مصادر تلاش کرنے کے لیے بھی اپنے تخیل کے گھوڑے دوڑائے اور ایک نہیں بلکہ احادیث طیبہ کے کئی مصادر تلاش کر لیے۔"[1]

اسلام کی من مانی تشریح کے سامنے حدیث مضبوط بند کی حیثیت رکھتی ہے۔ منکرین بھی اسلام دشمن مستشرقین کے اعتراضات کو پیش نظر رکھ کر احادیث کو ناقابل فہم، قابل سوخت اور ناقابل عمل کہہ کر اسلام سے خارج کرنا چاہتے تھے اور ان ہی مستشرقین کے پیمانے پر دین کی تشریحات کرنا چاہتے تھے، منتخب کتب خاص طور پر مولانا مودودیؒ کی کتاب ''سنت کی آئینی حیثیت" اسی طرح پیر صاحب کرم شاہ الازہریؒ کی کتاب سنت خیر الانام اور مولانا ادریس کاندھلویؒ کی کتاب حجیت حدیث سے بخوبی معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے حدیث و سنت کو کس طرح مشق ستم بنایا اور کس طرح اس کی اہمیت کم کرنے کے لیے مختلف قسم کے اعتراضات کیے۔

حقیقت یہ ہے کہ مستشرقین اپنے انبیاء کے اقوال و اعمال کی حفاظت اور آسمانی صحیفوں اور کتابوں کو تحریف و تغیر سے محفوظ نہ رکھ سکے۔ اب کوشش یہ ہے کہ کسی طرح مسلمانوں کو اپنے دین سے بدظن کر دیا جائے۔[2] یہی وجہ ہے کہ اسلام اور سنت کے بارے میں جو نظریہ بن جاتا ہے وہ بڑا خطرناک ہوتا ہے۔ اصل حق تو یہ ہے کہ ان کتب کا مطالعہ کیا جائے جو کہ علمائے اسلام نے لکھیں ہیں، جنہوں نے اپنی جوانیاں، توانیاں اور زندگیاں اسی علم میں لگا دیں۔ بجائے ان علماء کے مستشرقین کی کتب کے نتائج الحاد، بے دینی اور احکام اسلام و احادیث کا استہزاء و تمسخر اور انکار کی صورت میں ہمارے سامنے ہے، پیر صاحب لکھتے ہیں:

"یہ ہماری کتنی بدبختی ہے کہ ہم اسلام کے مطالعہ کے لیے ان کتابوں کو منتخب کرتے ہیں جو اسلام کے بدترین دشمنوں کی متعصب ذہنیتوں کی زہر آلود تصانیف ہیں پھر ہمیں ان کے مصنفین کی دیانت اور غیر جانب داری پر اس قدر اعتماد ہے کہ ان کے ہر اس خیال کو بھی جو حقیقت و صداقت کا منہ چڑا رہا ہوتا ہے تحقیق و تدقیق کا نچوڑ تصور کر لیتے ہیں اور کبھی ہم نے ان مصنفین کی تصنیفات کے مطالعہ کی زحمت گوارا نہیں کی جن کی زندگی کا ہر

---

[1] ۔ ایضاً: 17/7

[2] ۔ پیر، سنت خیر الانام: 96

لمحہ علوم اسلامی کی تحقیق و تفتیش میں گذرا، جن کے دل و دماغ اور قلم نے یک زبان ہو کر لاالہ الااللہ محمد رسول اللہ پڑھا۔"[1]

در حقیقت صحیح اسلامی روح کو سمجھنے کے لیے انہی کتب کا مطالعہ از حد ضروری ہوتا ہے جو کہ مخلص، مسلم اور محقق علماء نے لکھی ہوں۔ ایک تصور یہ دیا گیا تھا کہ احادیث اکثر و بیشتر قرآن کریم کی معارض ہوتی ہیں، اسی طرح حالات کی تبدیلی کے ساتھ احادیث میں وہ لچک نہیں جو کہ قرآن کریم کی آیات میں ہے، احادیث کا ذخیرہ گھڑی ہوئی حدیثوں پر مشتمل ہے، اصل احادیث کو منظر سے غائب کر دیا گیا یا لوگوں کو بھلا دیا گیا، ایک ایک بندے کو لاکھوں احادیث کس طرح یاد ہو سکتی ہیں اور یاد رہ سکتی ہیں۔ اسی طرح حدیث کا اطلاق کس بات پر ہوتا ہے۔ یہ باتیں احادیث مبارکہ کے مجموعوں سے اعتماد کم کرنے کی ایک کوشش تھی جن کا ان علماء نے دلائل اور حقائق کی روشنی میں جواب لکھا ہے۔

4 احادیث اور ان کے مجموعوں پر مسلمانوں کے اعتماد کی بحالی

ان کتب حدیث نے جہاں احادیث مبارکہ کے متعلق دوسری غلط فہمیوں کو دور کیا۔ وہاں منکرین حدیث نے چند اعتراضات اور خیالات کے ذریعے احادیث کی اہمیت کو کم کرنے کی کوشش کی۔ احادیث کے مجموعوں پر عام مسلمانوں کا اعتماد کو مشکوک کرنے کے لیے طرح طرح کے سوالات گھڑ لئے تھے وہ درجِ ذیل ہیں:

1. تمام فقہائے اسلام اس بات کو بالاتفاق مانتے ہیں کہ جیسے جیسے زمانہ گزرتا گیا، جعلی حدیثوں کا جم غفیر اسلامی قوانین کا ایک جائز و مسلم ماخذ بنتا چلا گیا۔ جھوٹی حدیثیں خود محمد رسول اللہ کے زمانے میں ظاہر ہونی شروع ہو گئیتھیں۔
2. منکرین حدیث اس بات کو ماننے سے انکار کرتے ہیں کہ جس طرح قرآن کو محفوظ کیا گیا اس طرح کوئی کوشش رسول اللہ ﷺ کے اپنے عہد میں احادیث کو محفوظ کرنے کے لیے نہیں کی گئی۔
3. اس امر کی بھی کوئی شہادت موجود نہیں محمد رسول اللہ ﷺ کے فوراً بعد چار خلفاء ہوئے ان کے زمانے میں احادیث محفوظ یا مرتب کی گئی ہوں۔
4. یہ اعتراف کہ بعد میں پہلی مرتبہ تقریباً ایک سو سال بعد احادیث مرتب کی گئیں۔
5. بہت کم احادیث ہیں جن میں جامعین متفق ہو۔
6. ہزار ہزار جعلی حدیثیں پھیلائی گئیں ہیں۔

---

[1] ۔ایضاً:97

7. عربوں کا حافظہ خواہ کتنا بھی مضبوط ہو کیا صرف حافظے سے نقل کی گئی باتیں قابل اعتماد سمجھی جاسکتی ہیں۔

یہ وہ اعتراضات ہیں جو کہ احادیث کے مجموعوں کو مشکوک بنانے کے لیے کئے جاتے ہیں۔ان اعتراضات کے جوابات ملاحظہ ہوں:

1. رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ میں جھوٹی حدیث گھڑنے کا صرف ایک واقعہ ملتا ہے جس کو مشہور محدث عبداللہ بن عدی نے اپنی کتاب الکامل فی معرفۃ الضعفاء والمتروکین میں نقل کیا ہے۔ مگر اس جھوٹی حدیث گھڑنے والے کو بھی سانپ نے ڈس لیا اور وہ مر گیا۔اس کے علاوہ حیات طیبہ میں جھوٹی حدیث گھڑنے کا کوئی واقعہ نہیں ملتا۔

2،3. یہ حقیقت ہے مگر عبداللہ بن عمرو، ابوہرہ اور حضرت انس کے احادیث لکھنے کی روایات حیات طیبہ میں اور اس کے ساتھ بعد الممات کئی صحابہ کے صحف کا ہونا احادیث لکھنے کا ثبوت ہے اور صحابہ کا کتاب وسنت کی تعلیم کا اہتمام اور اپنے فیصلے کتاب وسنت کی روشنی میں کرنا بھی احادیث کی حفاظت کا ثبوت ہے۔

4. تدوین ایک سو سال بعد ہوئی جبکہ صحابہ اور ان کے شاگرد اس دنیا سے رخصت ہونے لگے تھے باقی کتابت اور احادیث کے مجموعے اور صحیفے موجود تھے۔

5. تو فن اسماء الرجال، جرح وتعدیل وغیرہ اسی لیے تو وجود میں آئے کہ جو شخص احادیث بیان کرتا ہے اسی کی ساری بایو گرافی معلوم ہو اور اس کی زندگی، حافظہ اور کردار بھی معلوم ہو۔ دنیا کے کسی علم یا دنیا کی تاریخ میں اگر کوئی مستند اور قابل حجت علم یا تاریخ ہے تو قرآن کے بعد احادیث مبارکہ ہیں۔

5.1 افعال رسول ﷺ

اسی طرح احادیث کو ناقابل عمل کہہ کر یہ لوگ حجیت حدیث کا انکار کرتے ہیں۔ علماء اصول نے جہاں حضور ﷺ کے افعال کے متعلق بحث کی ہے۔ وہاں صاف لکھا ہے کہ حضور کے افعال تین قسم کے ہیں:

1. پہلے وہ افعال ہیں حضور کی خصوصیات سے ہیں۔ ان میں سے جو حضور کے لئے مباح ہیں وہ ہمارے لئے حرام ہیں مثلاً چار سے زیادہ بیویوں سے نکاح یا صوم وصال یعنی کئی رات دن بغیر افطار کئے روزہ رکھے رہنا اور جو حضور کے لئے واجب ہیں وہ امت کے لئے مباح ہیں مثلاً حضور علیہ الصلوۃ والسلام پر تہجد کی نماز فرض تھی تو امت کے لئے مباح ہے فرض نہیں۔

2. دوسرے وہ افعال ہیں جن کا تعلق حیات انسانی سے ہے۔ نشست وبرخاست، خورد ونوش اور چلنا پھرنا وغیرہ جن کا تعلق عبادات سے نہیں۔ ان افعال کی پابندی امت پر فرض نہیں۔ اگر ایسا کریں تو مباح ہے۔

3. تیسرے وہ افعال ہیں جن سے مقصود احکام الٰہی کا بیان اور وضاحت ہے۔ جن کا تعلق حقوق اللہ اور حقوق العباد سے ہے۔[1] ان افعال کا اتباع اور اطاعت امت پر فرض ہے۔ اور یہی سنت تشریعی ہے۔ منکرین سنت مصطفوی کو سنت کا حقیقی مفہوم سمجھنے کے لئے یا تو واقعی فرصت نہیں ملی، یا وہ تجاہل عارفانہ سے کام لیتے ہیں ورنہ وہ یہ اعتراض نہ کرتے کہ علما نے تو زمانہ نبوت کے روزمرہ کے رہنے سہنے کے طریقوں کو بھی دین بتادیا ہے اور وہ لوگوں کو سنت نبوی کی اطاعت سے یہ کہ کر متنفر کرنے کی کوشش نہ کرتے کہ اتباع سنت کا مطلب تو یہ ہے کہ فقط جو کی روٹی کھاؤ، کھردا کپڑا پہنو، لکڑی اور مٹی کے بنے ہوئے برتن استعمال کرو اور ایسے ہی مکانات میں سکونت اختیار کرو جن کی چھتیں کھجور کی شاخوں کی ہوں وغیرہ وغیرہ ورنہ تم ان علماء کے نزدیک کبھی سچے مسلمان نہیں بن سکتے۔

علماء اسلام کی نظر میں سنت کا جو مفہوم ہے وہ آپ نے پڑھ لیا۔ اس کے بعد ایسے شبہات کے ازالہ کی کوئی ضرورت نہیں رہتی جو ان حضرات کی طرف سے دانستہ یا نادانستہ لوگوں کو سنت نبوی ﷺ کی اطاعت سے روکنے کے لئے آئے دن پیش کئے جاتے ہیں۔[2]

5.2 حدیثوں کی تعداد اور حقیقت:

عام طور پر جب حدیث کے حافظوں کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کی حدیثوں کی تعداد بہت زیادہ بتائی جاتی ہے مثلاً امام احمد بن حنبلؒ کو نامعتبر شدہ ایک لاکھ احادیث یاد تھیں۔ امام بخاریؒ کو دو لاکھ کے قریب غیر صحیح اور ایک لاکھ صحیح، امام مسلمؒ نے تین لاکھ احادیث میں سے یہ مجموعہ مرتب کیا۔

اس طرح کے بیان سے عوام یہ سمجھتے ہیں کہ ان کا مقصود بھی وہی تھا۔ یہ حضرات محدثینؒ کی اصطلاح ہے اور یہ محض اصطلاح سے ناواقفیت کی وجہ سے سمجھا جاتا ہے۔ حدیث کی حفاظت و بیان کاروایتی جو طریقہ ہے وہ یہ ہے کہ ایک ایک حدیث کو جن جن سندوں اور طریقوں سے روایت کرنا ممکن تھا۔ ان تمام طریقوں کو جمع کرنے کی کوشش کرتے۔ ان کی اصطلاح میں ایک ہی حدیث کو مختلف طریقوں کے اعتبار سے بجائے ایک کے سب طریقوں کو شمار کرتے تھے جیسا کہ حدیث:

انما الاعمال بالنیات.[3]

---

[1]. الاحکام للآمدی: 89/1

[2]۔ ازہری، کرم شاہ، پیر، **سنت خیر الانام**: 186

[3]۔ بخاری، ابو عبد اللہ، محمد بن اسماعیل، امام، **صحیح بخاری** (مکتبہ دار ابن کثیر، دمشق): 3/1

تمام اعمال کا دور و مدار نیتوں پر ہے۔

ایک حدیث ہے مگر یہ حدیث مختلف طرق کی وجہ سے سات سو طریقوں سے روایت کی گئی ہے۔ تو یہ ایک حدیث سات سو احادیث بن جاتی ہیں۔ یہ حال ایک حدیث کا نہیں بلکہ حدیث کے بیشتر حصے کا ہے۔ اسی طرح شروع میں تو صرف رسول اللہ ﷺ کے زبانی کہے ہوئے الفاظ کو حدیث کہا جاتا تھا، مگر پھر اس میں وسعت پیدا ہو گئی آپ ﷺ کے افعال و تقریرات اسی طرح صحابہ کرامؓ کے اقوال، فیصلوں اور فتاویٰ جات بلکہ تابعین و تبع تابعین کے اعمال کو بھی حدیث میں شامل کیا جانے لگا۔ یہ حدیث کے بڑے بڑے اعداد کا حال ہے۔ مگر واقعی وہ حدیثیں جو کہ رسول اللہ ﷺ کی زندگی مبارک سے تعلق رکھتی تھیں۔ وہ لاکھ، دو لاکھ، چار لاکھ کے بجائے امام بخاریؒ کی صحیح بخاری میں صحیح سند کے ساتھ جو مروی ہیں، لے دے کر صحیح تعداد بمشکل دو ہزار چھ سو دو، امام مسلم کی صحیح مسلم کی احادیث کی تعداد چار ہزار، مؤطا کی حدیثوں کی تعداد دو ہزار چھ سو ستانوے ہے۔ ابن جوزی نے نہیں بلکہ امام حاکم جن کا معیار تنقید کے سلسلے میں نرمی اور تسامح کا ہے جبکہ ابن جوزی کا معیار تنقید سخت ہے، یہی امام حاکمؒ فرماتے ہیں کہ اول درجہ کی صحیح احادیث دس ہزار تک بھی نہیں پہنچتی چنانچہ انہی کا ارشاد ہے:

وَالْأَحَادِيثُ الْمَرْوِيَّةُ بِهَذِهِ الشَّرِيطَةِ لَا يَبْلُغُ عَدَدُهَا عَشْرَةُ آلَافِ حَدِيثٍ۔[1]

ان شرائط کے ساتھ مروی احادیث دس ہزار تک بھی نہیں پہنچتی (ان کی تعداد دس ہزار بھی نہیں)۔

جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ تعداد اسناد و طرق کے بغیر امام حاکمؒ نے بیان فرمائی ہے۔ اور یہ اول درجے کی احادیث ہیں جن کا اپنا مقام ہے۔

4.4 خطوط وہدایات:

ان خطوط و معاہدات، امان ناموں، جاگیر و قطائع کے فرامین جن کی تعداد سینکڑوں سے متجاوز نہیں۔ حدیث کے اس کتابی ذخیرہ کے سوا عہد نبوی اور عہد صحابہ میں حدیث کا جتنا سرمایہ کتابی شکل میں موجود تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ وہ دس ہزار سے کہیں زیادہ تعداد میں حدیثیں عہد نبوی و عہد صحابہ میں کتابی شکل اختیار کر چکی تھیں۔ حضرت ابو ہریرہؓ کی مرویات کی تعداد 5374، یہ ایک ذریعہ سے نہیں بلکہ مختلف ذرائع سے ثابت ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ خود اپنی یادداشت کے لیے بھی اپنی روایت کردہ حدیثوں کو کتابی

[1] ۔ حاکم، ابو عبد اللہ، محمد بن عبد اللہ، امام، **المدخل الی کتاب الاکلیل** (دار الدعوۃ، اسکندریہ): 33

شکل میں لے کر آتے تھے۔[1] حافظ ابن حجرؒ نے بھی دوسری سند سے فتح الباری میں اس روایت کو درج کیا ہے۔[2]بشیر بن نہیکؒ کی روایت ہے کہ انہوں نے ایک نسخہ ان کی حدیثوں کا تیار کر کے خود ان کو پڑھ کر سنایا تھا۔[3] ہمام بن منبہ حضرت ابوہریرہؓ کے شاگرد ہیں۔ان کے پاس مجموعہ تھاجوکہ صحیفہ ہمام بن منبہ کے نام سے مشہور ہے جس کا حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے اپنی مسند میں ذکر کیا ہے۔[4] گویا کہ اس کے یہ معنی ہوئے کہ اس زمانے میں حضرت ابوہریرہؓ کی حدیثوں کے نسخے تیار ہو چکے تھے۔یہ تو وہ ہیں جو کہ معلوم ہیں۔ورنہ حضرت ابوہریرہ کے شاگردوں کی تعداد امام بخاریؒ نے آٹھ سو کے قریب لکھی ہے۔جو کہ نامعلوم ہیں۔عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کے بارے میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے:

مَا مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحَدٌ أَكْثَرَ حَدِيثًا عَنْهُ مِنِّي، إِلَّا مَا كَانَ مِنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو، فَإِنَّهُ كَانَ يَكْتُبُ وَلَا أَكْتُبُ.[5]

نبی ﷺ کی صحابہ میں سے عبد اللہ بن عمرو کے سواء کسی کے پاس مجھ سے زیادہ حدیثیں نہیں،اس لیے کہ وہ لکھتے تھے اور میں نہیں لکھتا تھا۔

حضرت انسؓ کی مرویات کی تعداد ایک ہزار دو سو چھیاسی ہے،ایک موقعہ پر خود رسول اللہ ﷺ نے ان کو لکھنے کی تاکید فرمائی۔سنن دارمی میں حضرت انس کی روایت ہے فرمایا:

يَا بَنِيَّ قَيِّدُوا هَذَا الْعِلْمَ-[6]

اے بیٹو! اس علم کو لکھا کرو۔

حکیم بن معبد نے عتبہؒ سے حضرت انسؓ کے متعلق روایت کی ہے کہ جب حضرت انس سے زیادہ پوچھ گچھ کرتے تو ان کے پاس ایک صحیفہ تھا، وہ صحیفہ نکالتے اور فرماتے:

---

[1]۔گیلانی مناظر احسن، مولانا،**تدوین حدیث**:56

[2]۔ایضاً:57

[3]۔ایضاً:58

[4]۔احمد بن حنبل،امام، **مسند احمد بن حنبل**،

[5].بخاری، محمد بن اسماعیل،ابوعبداللہ، صحیح البخاری،:34/1، کتاب العلم باب کتابت العلم،ح:113

[6]۔دارمی،ابوعبداللہ، محمد بن عبداللہ، **مسند الدارمی مشہور بسنن الدارمی**،(دار المغني، سعودی عرب):437/1

هَذِهِ سَمِعْتُهَا مِنَ النَّبِيِّ ﷺ فَكَتَبْتُهَا وَعَرَضْتُهَا عَلَيْهِ[1]

وہ حدیثیں جو آنحضرت ﷺ سے میں نے سنیں اور ان کو لکھا اور لکھ کر حضور پر پیش کر چکا ہوں۔

حضرت جابر بن عبداللہؓ کے متعلق ابن جوزیؒ نے تلقیح میں لکھا ہے کہ انہوں ایک ہزار پانچ سو چھ احادیث لکھی ہیں۔[2] ان کے شاگرد وہب بن منبہ (ہمام بن منبہ کے بھائی)، سلمان بن یشکری، شعبی اور سفیان وغیرہ نے قیس سے اس کو سنا بھی ہے۔ عورتوں میں عائشہ صدیقہ کی مرویات 2010 ہیں۔ جن کے علم و فضل کا چرچہ عام تھا۔ صحابہ فرائض کے پیچیدہ مسائل ان سے پوچھوا بھیجتے تھے۔ عروہ بن زبیر نے بھی احایث تحریر کیں تھیں جو کہ واقعہ حرہ میں ضائع ہو گئیں۔ یہ حضرت عائشہؓ کی روایتوں کو سب سے زیادہ جاننے والے تھے۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ کی مشہور شاگردہ عمرہ بنت عبدالرحمٰن ہیں، جنہوں نے صدیقہ ہی کی گود میں پرورش پائی تھی۔ حدیث عائشہ کے باب میں ان کا شمار عروہ کے برابر تھا۔ ان ہی عمرو کی بھانجے ابو بکر بن محمد بن عمرو بن حزم نے حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے حکم سے احادیث مبارکہ کو جمع کر لیا تھا۔ جن کا ذکر بخاری وغیرہؒ نے کیا ہے۔ دوسرے سیدنا ابو بکر صدیقؓ کے پوتے قاسم بن محمدؒ ہیں جن کے والد واقعہ حرہ میں شہید ہوئے تھے۔ ان کی پرورش بھی عائشہ صدیقہؓ نے کی تھی۔ عمرو بن حزمؒ نے ان کی روایات کو بھی جمع کیا۔ حضرت ابن عباسؓ کی مرویات کی تعداد دو ہزار چھ سو ساٹھ ہے۔

یہ مکثرین کا حال تھا جس سے صاف اور واضح طور پر سے معلوم ہوتا ہے کہ اکثر کی احادیث ان ہی کی زندگی میں جمع ہوئیں اور لکھی گئیں۔ عبداللہ بن عباسؓ کے متعلق ابن سعدؒ کہتے ہیں کہ وہ حضرت رافع سے رسول اللہ ﷺ کے کارنامے لکھوایا کرتے تھے۔ اور رافع رسول اللہ ﷺ آزاد کردہ غلام تھے۔ عکرمہ سے امام ترمذیؒ اپنی کتاب العلل میں نقل کرتے ہیں:

أَنَّ نَفَرًا قَدِمُوا عَلَى ابْنِ عَبَّاسٍ مِنْ أَهْلِ الطَّائِفِ بِكِتَابٍ مِنْ كُتُبِهِ، فَجَعَلَ يَقْرَأُ۔[3]

اہل طائف کی ایک جماعت ابن عباسؓ کے پاس آئی، ان کی کتابوں سے لکھتے تھے، وہ ان پر پڑھتے تھے۔

غرض صحابہؓ کی زندگی ہی میں ان کی حدیثوں کے مجموعے قلم بند ہو چکے تھے۔ صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت علیؓ کے فیصلوں اور فتاویٰ کا ایک بڑا حصہ لکھا ہوا ان کے پاس تھا۔ ابن سعد کی روایت میں ہے کہ ابن عباسؓ کی وفات کے بعد جو علم انہوں نے

---

[1]۔ حاکم، ابوعبداللہ، محمد بن عبداللہ، **المستدرک علی الصحیحین** (دار الکتب العلمیہ۔ بیروت): 646/3

[2]۔ ابن جوزی، ابوالفرج، جمال الدین، عبدالرحمٰن، **تلقیح فہوم اہل الاثر فی عیون التاریخ والسیر** (دار الارقم: بیروت): 70

[3]. ترمذی، ابوعیسیٰ، محمد بن عیسیٰ، **کتاب العلل** (دار احیاء التراث العربي—بیروت): 751

چھوڑا ایک اونٹ کے وزن کے برابر تھا۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیثوں کی تعداد ایک ہزار چھ سو تیس ہے۔ جن کے متعلق دارمی کی روایت ہے:

(رَأَى نَافِعًا مَوْلَى ابْنِ عُمَرَ، يُمْلِي عِلْمَهُ، وَيُكْتَبُ بَيْنَ يَدَيْهِ)[1]

ابن عمرؓ کے آزاد کردہ غلام نافعؒ کو دیکھا کہ ان کو اپنے علم کی املا کرا رہے تھے اور وہ ان کے سامنے بیٹھے لکھ رہے ہیں۔

حضرت نافعؒ نے ابن عمرؓ کی تیس سال تک خدمت کی۔ حضرت امام مالکؒ کی ان ہی روایتوں کو جو نافع، ابن عمر کے ذریعہ سے وہ روایت کرتے ہیں بعض لوگ سلسلۃ الذھب (سنہری زنجیر) قرار دیتے ہیں۔ اس سے سمجھا جا سکتا ہے کہ ابن عمرؓ کا علم ان کے براہِ راست شاگرد کے ذریعہ سے یقیناً قلم بند ہو چکا تھا۔ خزرج کے مشہور سردار حضرت سعد بن عبادہؓ کے پاس بھی ایک صحیفہ تھا۔ جس کے حوالے دے کر ان کے بیٹے بعض روایتیں بیان کیا کرتے تھے۔ یہ حال حضرات صحابہ کرامؓ کی روایت حدیث کا تھا۔ کسی زمانے میں کبھی ایسا نہیں ہوا کہ حدیث کا نسخہ کبھی ناپید ہو گیا ہو، ہاں یہ اور بات ہے کہ بخاری و مسلم کی کتب دوسری صدی ہجری کے بعد مدون ہوئی ہیں۔ جن سے پہلے اور صحابہ کے بعد بیچ کے زمانے میں احادیث کا کیا حال اور سلسلہ تھا۔

5 حضرات محدثین اور حجیت حدیث

انکار حدیث کے اسباب میں سے ایک سبب یہ بھی ہے کہ محدثین کو لاکھوں حدیثیں کیسے یاد ہو گئی اور اتنی تعداد احادیث سے کہاں سے آئی اور موضوع اور من گھڑت احادیث بھی یہ رویات کرتے ہیں۔ اسی لیے حدیث کی کتب ناقابل اعتبار اور قابل سوخت ہیں۔ کیونکہ یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کی طرف جھوٹی باتیں منسوب کرتے ہیں تاکہ اسلام اور محمد ﷺ کو بدنام کیا جائے۔ اسی طرح بہت کم احادیث ہیں جن میں جامعین حدیث متفق ہیں:

"امام بخاریؒ نے چھ لاکھ حدیثوں میں سے صرف نو ہزار کو صحیح احادیث کی حیثیت سے منتخب کیا۔"[2]

اس سے یہ تاثر لینا بہر حال غلط ہے کہ چھ لاکھ احادیث میں سے بس وہ نو ہزار تو صحیح تھیں جو امام بخاریؒ نے لے لیں اور باقی پانچ لاکھ اکانوی ہزار جھوٹی حدیثیں قوم میں پھیلی ہوئی تھیں۔ اصل حقیقت اس سے مختلف ہے۔ محدثین کی اصطلاح میں ایک واقعہ

---

[1] ۔ دارمی، ابو عبد اللہ، محمد بن عبد اللہ، **مسند الدارمی مشہور بسنن الدارمی**، (دار المغني، سعودی عرب): 437/1

[2] ۔ گیلانی، مناظر احسن، مولانا، **تدوین حدیث**: 346

اگر سلسلہ سند سے نقل ہو تو وہ ایک حدیث ہے،اور وہی واقعہ مثلاً دس، بیس یا پچاس مختلف سندوں سے نقل ہو کر آئے تو اسے دس، بیس یا پچاس حدیثیں کہتے ہیں۔امام بخاریؒ تک پہنچتے پہنچتے حضور ﷺ کے ایک ایک ارشاد، آپکی زندگی کے ایک ایک واقعہ کو بکثرت راوی بہت سی مختلف سندوں سے روایت کرتے تھے اور اسی طرح چند ہزار حدیثیں کئی لاکھ حدیثوں کی شکل اختیار کر گئیں تھیں ۔امام بخاریؒ کا طریقہ یہ تھا کہ جتنی سندوں سے کوئی واقعہ انہیں پہنچا تھا۔انہیں وہ اپنی شرائط صحت (یعنی سند کی صحت نہ کہ اصل واقعہ کی صحت) کے مطابق جانچتے تھے اور ان میں سے جس سند یا سندوں کو وہ سب سے زیادہ معتبر سمجھتے تھے اور ان کا انتخاب کر لیتے تھے ۔اس کے باوجود انہوں نے کبھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ جو حدیثیں انہوں نے منتخب کی ہیں وہی صحیح ہیں اور باقی تمام روایات غیر صحیح ہیں امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں خود فرمایا ہے:

"میں نے اپنی کتاب میں کوئی ایسی حدیث داخل نہیں کی جو صحیح نہ ہو، مگر بہت سی صحیح حدیثیں چھوڑ دی ہیں تا کہ کتاب طویل نہ ہو۔"[1]

ایک اور موقعہ پر خود تصریح کرتے ہیں کہ نہوں نے جو صحیح حدیثیں چھوڑ دی ہیں۔ وہ ان کی منتخب کردہ حدیثوں سے زیادہ ہیں اور یہ کہ انہیں ایک لاکھ صحیح حدیثیں یاد تھیں۔[2]قریب قریب یہی بات امام مسلمؒ نے بھی کہی ہے، ان کا قول بھی یہی ہے کہ انہوں نے اپنی کتاب میں جو روایتیں جمع کی ہیں۔ ان کو وہ صحاح کہتے ہیں مگر یہ کبھی نہیں کہتے کہ جو روایت انہوں نے نہیں لی وہ ضعیف ہے۔[3] منکرین حدیث کا سب سے بڑااعتراض ہی یہی ہوتا ہے کہ ہزار ہزار حدیثیں گھڑی گئی ہیں۔ اس لیے حدیث قابل حجت نہیں۔ ان کے اس اعتراض میں انہیں اس بات کا جواب مل جائے گا۔ آخر حدیثیں گھڑنے کی وجہ کیا تھا، کوئی وجہ تو ہو گی۔ مسلمان حدیث کو حجت سمجھتے تھے۔ جس کی حجیت اور اہمیت کو کم کرنے اور ختم کرنے بلکہ مسلمانوں کا قرآن کریم اور رسول اللہ ﷺ سے تعلق کم کرنے کے لیے قرآن میں تو تحریف نہیں کر سکتے تھے۔ اس لیے کہ قرآن کریم صحابہ، تابعین اور اسی طرح امت کی ایک اچھی خاصی تعداد کو زبانی حفظ تھا۔ جبکہ احادیث کا معاملہ اس طرح نہی تھا۔اس لیے جھوٹے لوگوں نے احادیث گھڑنا شروع کیں مگر روز اول سے ہی ان کا علاج بھی تجویز ہو چکا تھا۔

---

[1]۔ خطیب بغدادی،، ابو بکر، احمد بن علی، **تاریخ بغداد** (دار الغرب الاسلام بیروت): 8،9/2

[2]۔ گیلانی، مناظر احسن، **تدوین حدیث**: 49

[3] جزائري، طاهر بن صالح محمد صالح، امام،: **توجيه النظر إلى أصول الأثر**: 91

دلیل:

دنیا میں جعل ساز وہی نوٹ تو بناتا ہے جو بازار میں قدر و قیمت رکھتا ہو۔ جس نوٹ کی کوئی قدر و قیمت ہی نہ ہو اسے آخر کون بے وقوف جعلی بنائے گا۔ اگر بالفرض کوئی گروہ پاکستان کے ہزاروں جعلی نوٹ بنا ڈالے تو کیا اس پر کسی کا یہ استدلال کرنا صحیح ہو گا کہ پاکستان کے سارے نوٹوں کو اٹھا کر پھینک دینا چاہیے ؟ کیونکہ جعلی نوٹوں کی موجودگی میں سرے سے اس کرنسی کا کوئی اعتبار ہی نہیں۔ ملک کا ہر خیر اندیش فوراً اس فکر میں لگ جائے گا کہ ایسے جعل سازوں کو پکڑا جائے اور ملک کی کرنسی کو خطرے سے بچا لیا جائے۔[1]

ٹھیک یہی اثر آغاز اسلام میں جھوٹی احادیث کا فتنہ رونما ہونے سے اسلام کے خیر اندیش لوگوں نے لیا تھا۔ وہ فوراً اٹھ کھڑے ہوئے اور انہوں نے ایک ایک واضع حدیث کا پتہ چلا کر اس کا نام رجال کی کتب میں ثبت کر دیا تھا اور ایک ایک جھوٹی حدیث کی تحقیق کر کے احادیث موضوعہ کے مجموعے مرتب کر دیئے۔ احادیث کی صحت و سقم جانچنے کے لیے بڑے سخت اصول وضع کر کے لوگوں کو اس قابل بنایا کہ صحیح اور جعلی حدیثوں میں امتیاز کر سکیں اور کسی وقت بھی کوئی جھوٹی حدیث اسلامی قانون کے مآخذ میں راہ نہ پا سکے۔[2]

منکرین حدیث کا اس دور میں بھی یہی طرز فکر تھا اور آج بھی یہی طرز فکر ہے کہ غلط احادیث پھیل چکی ہیں۔ اس لیے سارا ذخیرہ حدیث مشتبہ ہو گیا ہے۔ لہٰذا تمام احادیث کو اٹھا کر پھینک دینا چاہیے۔ انہیں اس کی کوئی پرواہ نہیں کہ سنت رسول ﷺ کو ساقط کر دینے سے اسلامی قانون پر کس قدر تباہ کن اثر پڑے گا اور خود اسلام کی صورت کس بری طرح مسخ ہو کر رہ جائے گی۔

پھر احادیث ڈھائی سو سال بعد میں مرتب ہونے کا بہانہ بنا کر احادیث کی اہمیت کو کم کرنے کی کوشش بھی کی جاتی رہی ہے۔ حالانکہ یہ بات بھی خلاف واقعہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ میں بھی صحابہ سے احادیث کا لکھنا ثابت ہے۔ خلفائے راشدین کے زمانے میں بھی احادیث کا ثبوت ملتا ہے مگر باقاعدہ تدوین کا آغاز حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کی حکومت کے دوران ہوا جو کہ 99 سے 201 ہجری تک تھی جو کہ پہلی اور دوسری صدی ہجری کا سنگم ہے۔ صحاح ستہ سے پہلے بھی بہت سی کتب حدیث وجود میں آچکی تھیں۔[3]

---

[1] سنت کی آئینی حیثیت ،ص:348

[2] ایضاً،ص:248

[3]۔ ایضاً، ص:260،261

6 امت کے فقہاءؒ اور حجیت حدیث:

عموماً حضرات فقہاءؒ کے بارے میں یہ تاثر دیا جاتا ہے کہ انہیں احادیث یاد نہیں ہوتیں ،اسی طرح وہ اپنے مسائل میں احادیث کی طرف کم رجوع کرتے ہیں بلکہ یہاں تک بھی کہا جاتا ہے کہ وہ قیاس اور اپنی عقلی دلیل کو حدیث سے بھی راجح قرار دیتے ہیں۔اسی طرح ایک صورت بنالی جاتی ہے کہ حدیث دین میں حجت نہیں ورنہ فقہاء ضرور احادیث کی طرف رکوع کرتے۔یہی بات منکرین حدیث خاص طور پر امام ابو حنیفہؒ کے متعلق کہتے ہیں۔ایک جج محمد شفیع صاحب یہ لکھتے ہیں:

> "17 یا 18 حدیثیں ان مسائل کا فیصلہ کرنے میں استعمال کی ہیں جو ان کے سامنے پیش کیے گئے۔۔۔۔اگر ابو حنیفہ یہ حق رکھتے تھے کہ حدیث کی مدد کے بغیر قرآن کی تعبیر موجود الوقت حالات کی روشنی میں کریں، تو دوسرے مسلمانوں کو یہ حق دینے سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔"[1]

اس روایت کی حقیقت اگر دیکھی جائے جو سوائے ابن خلدون کی ایک روایت کے کوئی اور روایت نہیں ملتی اور وہ بھی امام صاحب کی قبولیت حدیث کی سخت شرائط کی وجہ سے 18 سے زیادہ حدیثوں کے صحیح نہ ہونے کی وجہ بتاتے ہیں۔ مگر حقائق پر غور کرنے کے بعد ہی کسی نتیجہ تک پہنچا جاسکتا ہے۔اصل حقائق کی روشنی میں اگر یہ قول لیا جائے تو صراصر ایک افسانہ کے علاوہ کچھ بھی نہیں جس کی کئی وجوہات میں سے چند ایک درجِ ذیل ہیں:

1. امام صاحبؒ کے شاگرد امام ابو یوسفؒ نے کتاب الآثار شائع کی۔ جس میں انہوں نے امام ابو حنیفہؒ کی طرف منسوب روایت کردہ ایک ہزار احادیث جمع کی ہیں۔
2. مسلسل کئی صدویوں تک ان کی مرویات مسند ابی حنیفہ کے نام سے شائع ہوتی ہیں۔
3. ان کے شاگرد امام محمد بن حسن الشیبانیؒ، حسن بن زیاد، حماد بن ابی حنیفہؒ نے ان کی روایت کردہ احادیث کے مجموعے مرتب کیے۔
4. 15 مسانید کا ایک جامع نسخہ قاضی القضاۃ محمد بن محمود الخوارزمی نے جامع مسانید الامام الاعظم کے نام سے مرتب کیا ہے جو کہ دو جلدوں پر مشتمل ہے جس کو دائرۃ المعارف حیدر آباد نے دو جلدوں میں شائع کیا ہے۔
5. علم حدیث میں امام ابو حنیفہؒ کے اساتذہ جن سے روایات لیں ہیں، کی تعداد چار ہزار تک پہنچتی ہے۔
6. امام صاحب کا شمار اکابر حفاظ حدیث میں کیا گیا ہے۔

---

[1] ۔ایضاً:256

7. فقہ حنفی کی معتبر کتب امام طحاوی کی شرح معانی الآثار، ابو بکر جصاص کی احکام القرآن اور امام سرخسی کی المبسوط ہی دیکھ لی جائیں تو یہ غلط فہمی کبھی لاحق نہیں ہو گی کہ امام صاحب نے حدیث سے بے نیاز ہو کر صرف قیاس اور قرآن پر اپنی فقہ کی بنیاد رکھی تھی۔

حضرت امام شعرانیؒ اپنی کتاب المیزان میں امام صاحبؒ کے متعلق لکھا ہے کہ جب امام صاحبؒ پر قیاس کو نص پر ترجیح دینے کے سلسلے میں الزام لگا تو امام حنیفہؒ نے فرمایا ہے:

"بخدا اس شخص نے جھوٹ کہا اور ہم پر افترا کیا جس نے کہا کہ ہم قیاس کو نص پر ترجیح دیتے ہیں۔ بھلا نص کے بعد بھی قیاس کی کوئی حاجت رہتی ہے۔؟"[1]

اسی طرح خلیفہ منصور نے ایک مرتبہ لکھا کہ میں نے سنا ہے تم قیاس کو حدیث پر ترجیح دیتے ہو جواب میں امام صاحبؒ نے لکھا:

"امیر المؤمنین جو بات آپ کو پہنچی ہے۔ وہ صحیح نہیں ہے۔ میں سب سے پہلے کتاب اللہ پر عمل کرتا ہوں پھر رسول اللہ ﷺ کی سنت پر، پھر ابو بکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ و علیؓ کے فیصلوں پر، پھر باقی صحابہؓ کے فیصلوں پر، البتہ جب صحابہ میں اختلاف ہو تو قیاس کرتا ہوں۔"[2]

علامہ ابن حزمؒ نے یہاں تک لکھا ہے:

"تمام اصحاب ابی حنیفہ اس بات پر متفق ہیں کہ ابو حنیفہ کا مذہب یہ تھا کہ ضعیف حدیث بھی اگر مل جائے تو اس کے مقابلے میں قیاس اور رائے کو چھوڑ دیا جائے۔"[3]

واضح رہے کہ ضعیف حدیث کے معنی جھوٹی حدیث کے نہیں۔ اس جگہ ضعیف سے مراد وہ حدیث ہے جس کی سند تو قوی نہ مگر جس سے یہ گمان کیا جاسکے کہ یہ حضور ہی کا قول ہے۔ یہی حال دیگر ائمہ فقہاءؒ کا تھا کہ وہ مسائل کے حل کے لیے سب سے پہلے نص کی طرف رجوع کرتے تھے، نص کا معنی کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کے ہیں۔ اس کے صحابہ اور اس کے بعد قیاس، اجتہاد وغیرہ کرتے تھے۔

---

[1]۔ شعرانی، عبدالوھاب، امام، **کتاب المیزان**، المکتبۃ العلمیۃ بیروت: 1م 61

[2]۔ ایضاً: 62/1

[3]۔ ذہبی، شمس الدین، محمد بن احمد، **مناقب ابی حنیفہ وصاحبین**، (لجنۃ احیاء المعارف النعمانیۃ، حیدر آباد الدکن، ھند اشاعت سوم: 1408ھ): 34

7 نوجوان تعلیم یافتہ طبقات کی تربیت

دنیاوی تاریخ میں اور دنیا میں جو انقلاب عظیم رسالتمآب ﷺ کی آمد سے بپا ہوا۔ اس کا حقیقت پسند لوگ کبھی انکار نہیں کر سکتے۔ الا یہ کہ یا تعصب یا پھر ناواقفیت یا متعصب لوگوں کی کتب کے مطالعہ کی وجہ سے ممکن ہے کہ اسلام کے سنہری دور اور مسلمانوں کے دنیا پر احسانات کو یکسر بھلا کر اسلام کی عظیم شخصیات پر الزامات لگائے جائیں اور ان کی خدمات کا انکار کر لیا جائے۔ اسی لیے تاریخ اسلام سے ناواقفیت اور انقلاب فرانس سے متاثر ہو کر امت مسلمہ کے سنہرے دور کو تاریک کہنے والوں کے متعلق پیر کرم شاہ الازہری لکھتے ہیں:

"ہم میں ایسے مؤرخ بھی ہیں جن کے نزدیک علم و تمدن کی پہلی تجلی انقلاب فرانس کے بعد پھوٹی اور ان کا خیال ہے کہ اس سے پہلے دنیا جہالت و توہمات، بربریت اور وحشت کی تیرگیوں میں لپٹی ہوئی تھی۔"[1]

جب مؤرخین کے سامنے رسالت مآب ﷺ کا لایا ہوا عظیم انقلاب نہ ہوگا تو وہ کما حقہ نوجوانوں کی صحیح تربیت نہیں کر سکتے اور صحیح تاریخ ان تک نہیں پہنچا سکتے۔ صحیح تاریخ ہمارے سامنے حدیث رسول ﷺ اور سیرت صحابہؓ کی صورت میں موجود ہے۔ حدیث تاریخ اسلام کا ایک حصہ اور خدائی تعلیمات کا مجموعہ ہے۔ اس لیے حدیث کو صرف اور صرف تاریخ کے تناظر میں دیکھنا حدیث کے ساتھ زیادتی ہے۔ اس لیے کہ عام اصول میں جو چیزیں تاریخ، عقل یا سمجھ سے ٹکراتی ہیں۔ ان کا سرے سے ہی انکار کر دیتے ہیں۔ مولانا اسلم جیراج پوری صاحب ان کے ہراول دستہ کے شہسوار ہیں، اور پھر یہ اعتراض بھی پیش کیا جاتا ہے کہ بعض احادیث میں عریاں مضامین ہیں۔ نبی ﷺ اور خواتین کے درمیان اور اسی طرح امہات المؤمنین اور ان کے شاگردوں کے درمیان ایسی کھلی گفتگو کیسے ہو سکتی ہے۔ جس کے لیے چند بنیادی باتوں کا سمجھنا از حد ضروری ہیں کیونکہ موجودہ زمانے کے تعلیم یافتہ اکثر انہی باتوں کو نہ سمجھنے کی وجہ سے اس طرح کی احادیث میں الجھ پڑتے ہیں:

1. انسان کی داخلی زندگی کے چند گوشے ایسے ہیں جن کے متعلق انسان کو ضروری تعلیم و تربیت اور ہدایات دینے میں بے جا شرم کا احساس اکثر مانع ہوتا رہا ہے، اور اسی وجہ سے اعلیٰ ترقی یافتہ قومیں تک ان کے بارے میں طہارت و نظافت کے ابتدائی اصولوں تک سے ناواقف رہی ہیں۔ شریعت الٰہی کا یہ احسان ہے کہ اس نے ان گوشوں کے بارے میں بھی ہم کو ہدایات دیں اور ان کے متعلق قواعد و ضوابط بتا کر ہمیں غلطیوں سے بچایا۔ غیر قوموں کے صاحب فکر لوگ اس چیز کی قدر کرتے ہیں کیونکہ ان کی قومیں اس خاص شعبہ زندگی کی تعلیم و تربیت سے محروم ہیں، مگر مسلمان جن کو گھر بیٹھے یہ ضابطے مل گئے آج اس تعلیم کی ناقدری کرتے ہیں

---

[1] ۔ازہری، کرم شاہ، پیر۔ **سنت خیر الانام**: 27

اور عجیب لطیفہ ہے کہ اس ناقدری کے اظہار میں بھی وہ لوگ شریک ہو جاتے ہیں جو اہل مغرب کی تقلید میں جنسی تعلیم تک اسکولوں میں رائج کرنے کے قائل ہیں۔

2. اللہ تعالیٰ نے جس نبی ﷺ کو ہماری تعلیم کے لیے مامور فرمایا تھا۔اسی کی ذمہ یہ خدمت بھی رکھی تھی کہ اس خاص شعبہ زندگی کی تعلیم و تربیت بھی ہمیں دے۔اہل عرب اس معاملہ میں ابتدائی ضابطوں سے ناواقف تھے۔نبی ﷺ نے ان کو–ان کے مردوں کو بھی اور ان کی عورتوں کو بھی–طہارت، استنجاء اور غسل وغیرہ کے مسائل نیز ایسے ہی دوسرے مسائل نہ صرف بذات خود سمجھائے بلکہ اپنی ازواج مطہرات کو بھی اس کی اجازت دی کہ آپ ﷺ کی خانگی زندگی کے ان گوشوں کو بے نقاب کریں اور عام لوگوں کو بتائیں کہ حضور خود کن ضابطوں پر عمل فرماتے تھے۔

3. اللہ تعالیٰ نے اسی ضرورت کی خاطر حضور ﷺ کی ازواج مطہرات کو مومنین کے لیے ماں کا درجہ دیا تھا کہ مسلمان ان کی خدمت میں حاضر ہو کر زندگی کے انگوشوں کے متعلق اہنمائی حاصل کرسکیں اور جانبین میں ان مسائل پر گفتگو کرتے ہوئے کسی قسم کے ناپاک جذبہ کی دخل اندازی کا خطرہ نہ رہے۔یہی وجہ ہے کہ حدیث کے پورے ذخیرہ میں کوئی ایک نظیر بھی اس بات کی نہیں ملتی کہ جو باتیں امہات المومنین سے پوچھی گئی ہیں وہ خلفائے راشدین یا دوسرے صحابیوں کی بیگمات سے بھی کبھی پوچھی گئی ہوں اور انہوں نے مردوں سے اس نوعیت کی گفتگو کی ہو۔

4. لوگ اپنے گمان سے یا یہود و نصاریٰ کے اثر سے جن چیزوں کو حرام یا مکروہ اور ناپسندیدہ سمجھ بیٹھے تھے۔ان کے متعلق صرف یہ سن کر ان کا اطمینان نہیں ہوتا تھا کہ شریعت میں وہ جائز ہیں۔حکم جواز کے باوجود ان کے دلوں میں شک باقی رہ جاتا تھا کہ شاید یہ کراہت سے خالی نہ ہو۔اس لیے وہ اپنے اطمینان کی خاطر یہ معلوم کرنا ضروری سمجھتے تھے کہ حضور کا اپنا طرز عمل کیا تھا۔جب وہ جان لیتے تھے کہ حضور نے خود فلاں عمل کیا ہے۔تب ان کے دلوں سے کراہیت کا خیال نکل جاتا تھا کیونکہ وہ حضور کو ایک مثالی انسان سمجھتے تھے اور ان کو یقین تھا کہ جو کام حضور نے کیا ہو وہ مکروہ یا پایہ ثقاہت سے گرا ہوا نہیں ہو سکتا۔یہ ایک اہم وجہ ہے کہ جس کی بنا پر ازواج مطہرات کو حضور کی خانگی زندگی کے بعض ایسے معاملات کو بیان کرنا پڑا، جو دوسری خواتین نہ بیان کرسکتی ہیں نہ ان کو بیان کرنا چاہیے۔

5. احادیث کا یہ حصہ درحقیقت محمد ﷺ کی عظمت اور ان کی نبوت کے بڑے اہم شواہد میں شمار کرنے کے لائق ہے۔محمد رسول اللہ ﷺ کے سواد نیا میں کون یہ ہمت کر سکتا تھا، اور پوری تاریخ انسانی میں کسی نے یہ ہمت کی ہے کہ 23 سال تک شب و روز کے ہر لمحے اپنے آپ کو منظر عام پر رکھ دے، اپنی پرائیویٹ زندگی کو بھی پبلک بنادے، اور اپنی بیویوں تک کو اجازت دے دے کہ میری گھر کی زندگی کا حال بھی لوگوں کو صاف صاف بتادو

8 آئین پاکستان اور منتخب کتب کا کردار

پاکستان کی آزاد 1947ء سے لیکر 1974ء تک کا دور آئین پاکستان کی ترتیب وتدوین کے لحاظ سے بہت اہمیت رکھتا ہے۔ جس میں مملکت خداداد پاکستان کو مستقل آئین بھی دیا گیا۔ جب آئین کی اسلامی شق میں قرآن وسنت کو یکساں اہمیت دی گئی اور یہ شامل کر دیا گیا کہ پاکستان کا کوئی بھی قانون قرآن وسنت کے متصادم نہیں ہوگا اور حاکمیت اعلیٰ اللہ کی ذات ہے۔

منکرین حدیث اور دین بیزار قوتیں ہمیشہ اسی کوشش میں لگی رہیں کہ کسی نہ کسی طرح آئین پاکستان سے سنت کو خارج قرار دیا جائے، صرف کتاب یعنی قرآن مجید ہی کو رکھا جائے۔ جس کا آسان مطلب یہ ہے کہ جس طرح چاہیں پھر قرآن کی تشریح اپنے من مانے طریقے سے کریں چونکہ سنت تو آئین کا حصہ ہوگی نہیں، جس وجہ سے کوئی اور رکاوٹ یا قرآن کی تشریح میں کوئی پابندی اور قیودات نہیں ہونگی۔

اکثر کتب اسی دور میں لکھی گئیں جن میں واضح طور پر قرآن کے ساتھ سنت کی اہمیت اور عقلی ونقلی دلائل کے ساتھ کتاب اللہ کا سنت کے بغیر ناقابل عمل ہونا بتایا گیا ہے بلکہ سنت کو مستقل بالذات ماخذ شرع ہونا بھی بتایا گیا ہے۔اس لیے کہ بہت سے احکام ایسے ہیں جو قرآن مجید میں ڈھونڈے سے بھی نہیں مل سکتے مگر سنت میں وہ واضح طور پر موجود ہیں۔اسی سلسلے میں مولانا مودودی کا اپنی کتاب ''سنت کی آئینی حیثیت'' میں مکالمہ ڈاکٹر عبدالودود صاحب سے ہوا ہے جس میں ڈاکٹر کے سوالات کے جوابات دیئے ہیں ۔ساتھ ہی یہ بھی بتایا ہے کہ ریاست مدینہ کے قیام کے روز اول سے ہی مسلمان قرآن کریم کو رسول اللہ ﷺ ہی کی بتائی ہوئی تشریح کی روشنی میں سمجھتے تھے اور اپنے معاملات رسول اللہ ﷺ کے سامنے پیش کرتے تھے۔ آپ ﷺ پر قرآن کی کوئی آیت نازل ہوتی یا پھر اپنی سنت کی روشنی میں اس کا حل بتائے اور جواب عنایت فرماتے۔ پھر صحابہ اپنے معاملات کو ہمیشہ قرآن وسنت ہی کی روشنی میں حل کرتے، ائمہ مجتہدین نے بھی یہی طریقہ اپنایا۔تاآنکہ آج بھی عام مسلمان قرآن کے ساتھ ساتھ سنت رسول کو بھی ویسی ہی اہمیت دیتا ہے۔اور مسلمان علماء قرآن وسنت کے بعد ہی اجتہاد اور قیاس وغیرہ کی طرف توجہ دیتے ہیں۔

ہماری آئین میں ہے کہ کوئی قانون اگر کتاب وسنت کے خلاف ہو چاہے وہ اکثریت ہی کے ساتھ کیوں نہ ہو تو وہ قانون بذات خود غیر مؤثر سمجھا جاتا ہے۔ سنت کی جو تعریف علمائے اصولیین اور ماہرین اصول فقہ نے کی ہے، ان میں سے علامہ آمدی "الاحکام فی اصول الاحکام" میں سنت کی تعریف یہ بیان فرماتے ہیں:

"سنت کا اطلاق ان تمام امور پر ہوتا ہے جو جناب نبی کریم ﷺ سے منقول ہیں یا وہ تمام دلائل جو آپ سے قولاً یا عملاً ثابت

ہیں، لیکن وہ قرآن نہیں ہیں۔"[1]

تعریف کا آخری جزء(لیکن وہ قرآن نہیں ہیں۔) بتلاتا ہے کہ کچھ چیزیں ایسی ہیں جو جناب نبی کریم ﷺ سے قولاً اور عملاً ثابت ہیں، لیکن وہ قرآن نہیں ہیں۔اس کا معنی یہ ہوئے کہ ہم اسے اس واسطے چھوڑ نہیں سکتے کہ یہ آپ سے ثابت تو ہیں آپ کا قول اور عمل تو ہیں، لیکن چونکہ قرآن نہیں ہیں،اس لیے ہمیں اس کی طرف متوجہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ ہمیں اس کی عظمت اور اہمیت کو سمجھنا چاہیے۔ علامہ آمدی کی تعریف کا یہ جزءاسی طرف اشارہ کر رہا ہے۔اسی بات کی طرف اشارہ علامہ خضری بکؒ نے بھی کیا ہے،وہ فرماتے ہیں:

"سنت جناب نبی کریم ﷺ کے قول، فعل اور تقریر کا نام ہے اور اس کے مقابلے میں جو لفظ آتا ہے وہ بدعت ہے۔"[2]

بعض اوقات اشیاء کو ان کی ضد ہی کے ذریعے جانا جاتا ہے چنانچہ عرب کہتے ہیں کہ 'تعرفالا شیاء باضدادھا' چیزوں کو اس کی ضد اور الٹ سے سمجھا جاتا ہے۔ علامہ خضری بک کے اس جملہ سے سنت کی اہمیت واضح ہو رہی ہے کہ دین کا حصہ وہ چیز بن سکتی ہے جو جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے قولاً، عملاً یا فعلاً ثابت ہو۔اس کے معنی یہ کہ دین کا حصہ بننے میں یا دین کی تدوین میں سنت کی کتنی اہمیت ہے۔ جاوید احمد غامدی صاحب لکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جو سنتیں ہیں،ان کی تین نوعیتیں ہیں:

1. ایک آپ کے وہ اعمال وافعال اور اقوال ہیں جو آپ نے بحیثیت ایک انسان کے سرانجام دئے۔ جیسا کہ آپ کی ذاتی عادتیں ہیں مثلاً آپ اس طرح چلتے تھے،اس طرح کھاتے تھے،اس طرح پیتے تھے،اس طرح مسکراتے تھے۔
2. اور کچھ چیزیں وہ ہیں جو ملت ابراہیمی کا تسلسل تھیں اور اس دور کی تہذیب وثقافت اور تمدن ومعاشرت میں موجود تھیں یا ملت ابراہیمی کے تسلسل کے طور پر آپ کو القا کی گئیں اور وحی الٰہی کے ذریعے بتلائی گئیں۔
3. اور کچھ چیزیں وہ ہیں جو آپ نے بحیثیت ایک نبی ہونے کے اپنی نبوت اور رسالت کی زندگی میں سرانجام دیں۔

بقول ان کے ان ربع صدی کی تحقیقات کے مطابق کل ستائیس (۲۷) سنتیں ہیں جن کو آپ نے بحیثیت نبی ہونے کے سرانجام دیا اور صرف ان سنتوں کی اقتدا اور پیروی ہمارے لیے ضروری ہے، باقی کسی چیز کی پیروی ہمارے لیے ضروری نہیں

---

[1]۔سنت خیر الانام:54

[2]۔ایضاً:70

ہے۔[1] اصل میں جناب نبی کریم ﷺ کی جو سنت ہے، وہ بعض مخصوص تہذیبی روایات واقدار کا مظاہرہ ہے۔ چونکہ آپ ﷺ ایک خاص تہذیب اور خاص ثقافت کے اندر رہے، لہٰذا آپ نے وہ کام کیے۔ ہم چونکہ اس تہذیب سے باہر ہیں، لہٰذا ہمارے لیے ان چیزوں میں آپ کی اقتدا اور پیروی ضروری نہیں ہے۔

جس تہذیب و ثقافت میں رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور زندگی گزاری تو کیا آپ ﷺ کی تشریف آوری اور اس کے بعد تریسٹھ سال کی عمر تک ایک ہی جیسی رہی یا اس میں کوئی انقلاب آیا؟! یقیناً ایسا عظیم الشان انقلاب برپا کیا جس کی مثال دنیا کی تاریخ دینے سے قاصر ہے۔

10 غیر مسلموں کا اقرار:

مشہور مصنف مائیکل ہارٹ (Michael Hart) نے (the hundred) نام سے ایک کتاب تصنیف کی۔ جس میں سو ایسی شخصیات کا تذکرہ کیا ہے جنہوں نے انسانی تہذیب و ثقافت میں عظیم انقلاب لایا۔ اس کتاب میں جناب نبی کریم ﷺ کو پہلے نمبر پر رکھا ہے، وجہ لکھتا ہے:

> Of humble origins, Muhammad founded and promulgated one of the world's great religions, and became an immensely effective political leader. Today, thirteen centuries after his death, his influence is still powerful and pervasive[2]

"۔۔۔ حضرت محمد ﷺ تاریخ کی واحد ہستی ہیں جو مذہبی اور دنیاوی دونوں محاذوں پر کامیاب رہیں۔ آپؐ نے دنیا کے عظیم مذاہب میں سے ایک کی بنیاد رکھی اور اسے پھیلایا۔ آپؐ ایک انتہائی مؤثر راہنما ثابت ہوئے۔ آج تیرہ سو برس گزرنے کے باوجود ان کے اثرات انسانوں پر ہنوز مسلم اور گہرے ہیں۔"[3]

عاجزانہ اصل سے، محمد نے دنیا کے عظیم مذاہب میں سے ایک کی بنیاد رکھی اور اس کا اعلان کیا، اور ایک بے حد موثر سیاسی رہنما بن گئے۔ آج، ان کی وفات کے تیرہ صدیاں گزرنے کے بعد بھی، ان کا اثر و رسوخ آج بھی طاقتور اور وسیع ہے۔

(اس حوالہ کو اصل کتاب سے نقل کرنے کی ضرورت ہے)

---

[1] ۔غامدی، جاوید احمد، **میزان**:14

[2] Michael H. Hart, A RANKING OF THE MOST INFLUENTIAL PERSONS IN HISTORY, Carol Publishing Group 600 Madison Avenue, New York, NY 10022, Edition -1993, P: 3

[3] ۔**سنت خیر الانام**:103

جس ماحول میں رسول اللہ ﷺ نے آنکھ کھولی تھی۔اس کی تہذیب و ثقافت کچھ اور تھی اور رسول اللہ ﷺ نے مختصر عرصہ میں ایسا عظیم انقلاب لایا کہ ان کی زندگیاں ہی تبدیل کر دیں۔وہ تبدیلیاں کیسے کی ہیں؟وہ تبدیلیاں آپ نے اپنے قول و عمل سے کی ہیں۔آپ کا وہی قول و عمل آج ہمارے لیے حجت ہے اور ہمارے لیے ایک آئینی اور دستوری حیثیت رکھتا ہے۔

11 سنت بحیثیت آئین دلیل:

جب نبی کریم ﷺ نے معاذ بن جبلؓ کو یمن کا قاضی بنا کر بھیجا تو پوچھا: تم فیصلہ کیسے کروگے؟، حضرت معاذ بن جبلؓ نے کہا کہ کتاب اللہ سے کروں گا۔آپ ﷺ نے پوچھا: اگر تم کتاب اللہ میں نہ پاؤ؟ تو انہوں نے عرض کیا: پھر سنت سے کروں گا۔جس سے معلوم ہوا کہ کتاب اللہ کے بعد اپنی رائے نہیں بلکہ سنت رسول ﷺ کی طرف رجوع کیا جائے گا۔پھر آپ نے یہ نہیں پوچھا کہ زندگی کیسے گزاروگے بلکہ پوچھا کہ فیصلہ کیسے کروگے اور فیصلے کا تعلق قانون، عدالت اور جج سے ہوتا ہے۔فیصلہ کا دستور کیا ہونا چاہیے تو حضرت معاذؓ نے کتاب اللہ کے بعد سنت رسول ہی بتایا جس کی روشنی میں فیصلہ کرنے کو پنی ذمہ داری بتائی۔جس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ آپ ﷺ کی زندگی میں طے ہو چکا تھا کہ قانون بنانے،اس کی تدوین کرنے،اس کے مطابق فیصلہ کرنے کے لیے کوئی قاضی، کوئی عدالت، کوئی قانون ساز ادارہ اگر کام کرے گا تو اس کا پہلا ماخذ کتاب اللہ ہوگا اور دوسرا ماخذ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہوگی۔چنانچہ صحابہ کرامؓ نے ایسا کر کے دکھایا۔مطرف بن عبداللہؒ سے کہا گیا:

ہمیں قرآن کے علاوہ اور کچھ مت سناؤ۔آپ نے فرمایا: ''بخدا! ہم کسی چیز کے لیے ہرگز قرآن چھوڑنا نہیں چاہتے لیکن ہم قرآن سمجھنے کے لیے ایک ہستی کا سہارا لینے کے لیے مجبور ہیں جو قرآن کے اسرار و رموز کو ہم سے کہیں زیادہ سمجھتی ہے۔[1]

12 قرآن کے جامع ہونے کا مطلب:

جامع ہونے کے معنی یہ ہیں کہ لفظ تھوڑے ہیں مگر بہت سے معانی و معارف کو جمع کیا ہوا ہو اور بہت سارے مفہوم اس سے حاصل ہوتے ہوں گویا کہ دریا کو کوزہ میں بھرا ہوا ہے۔جامع کے یہ معنی نہیں کہ اس کلام کے لیے کسی شرح اور حاشیہ کی بھی ضرورت نہیں۔[2]قرآن کریم نے صاف صاف یہ اعلان بھی کر دیا کہ انبیاء کرام علیہم السلام کو صرف اسی مقصد کیلئے بھیجا جاتا ہے کہ

---

[1]۔الموافقات للامام الشافعیؒ:26/4

[2]۔کاندھلوی، محمد ادریس، مولانا، حجیت حدیث::124

ان کی اطاعت کی جائے۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت سے انکار اور آپ کے ارشادات سے سرتابی کرنا گویا انکار رسالت کے ہم معنی ہے۔اس طرح آپ کی اطاعت کے منکرین انکار رسالت کے مرتکب ہیں ارشاد باری تعالیٰ:

﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ الاَّ لِيُطَاعَ بِاذْنِ الله﴾[1]

(اور ہم نے تمام پیغمبروں کو خاص اسی واسطے مبعوث فرمایاہے کہ بحکم خداوندی ان کی اطاعت کی جائے۔)

قرآن کریم کی وہ آیات جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کو اہل ایمان کے لئے لازم قرار دیا گیاہے، بے شمار ہیں۔ان میں سے یہ چند آیات آپ کے سامنے ہیں۔ کتاب اللہ کے ان واضح اعلانات کی روشنی میں یہ فیصلہ بالکل آسان ہے، کہ اسلام میں ذات اقدس رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کا مرتبہ کیا ہے؟ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال وافعال کی اطاعت اور پیروی کا حکم خود قرآن ہی میں موجود ہے اور جب قرآن کریم ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کو عین اطاعت خداوندی قرار دیتاہے،اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال کوجب قرآن ہی وحی خداوندی بتلاتاہے ﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَى (٣) إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَى (٤)﴾ اور آپ ﷺ کے کلمات طیبات کوجب قرآن ہی نبی کے فرمان کو اللہ کے فرمان کا مرتبہ دیتا ہے تو بتلایاجائے کہ حدیث نبوی کے حجت دینیہ ہونے میں کیا کسی شک وشبہ کی گنجائش رہ جاتی ہے؟اور کیا حدیث نبوی کا انکار کرنے سے کیا خود قرآن ہی کا انکار لازم نہیں آئے گا؟اور کیا فیصلہ نبوت میں تبدیلی کے معنی خود قرآن کو بدل ڈالنا نہیں ہوں گے۔اور اس پر بھی غور کرنا چاہئے کہ قرآن کریم بھی تو امت نے آنحضرت ﷺ ہی کی زبان مبارک سے سنا،اور سن کر اس پر ایمان لائے۔ آنحضرت ﷺ کا یہ فرمانا کہ "یہ قرآن ہے" یہ ارشاد بھی تو حدیث نبوی ہے۔اگر حدیث نبوی حجت نہیں تو قرآن کریم کا قرآن ہونا کس طرح ثابت ہوگا؟ آخر یہ کونسی عقل ودانش کی بات ہے کہ اس مقدس ومعصوم زبان سے صادر ہونے والی ایک بات تو واجب التسلیم ہواور دوسری نہ ہو؟امیر شریعت سید عطاءاللہ شاہ بخاری رحمۃاللہ علیہ نے ایک موقع پر فرمایا تھا:

"یہ تو میرے میاں (ﷺ) کا کمال تھا کہ آپ نے فرمایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔اور یہ میرا کلام ہے،ورنہ ہم نے تو دونوں کو ایک ہی زبان سے صادر ہوتے ہوئے سنا تھا۔"

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ قرآن تو حجت ہے مگر حدیث حجت نہیں ہے ان کو کون بتلائے کہ جس طرح ایمان کے معاملہ میں خدااور سول کے درمیان تفریق نہیں ہوسکتی کہ ایک کو مانا جائے اور دوسرے کو نہ مانا جائے۔ایک کو تسلیم کرلیجئے تو دوسرے کو بہر صورت تسلیم کرنا ہوگا اور ان میں سے ایک کا انکار کردینے سے دوسرے کا انکار خود بخود ہو جائے گا۔ خدائی غیرت گوارا نہیں

---

[1] ۔النساء:64

کرتی کہ اس کے کلام کو تسلیم کرنے کا دعویٰ کیا جائے اور اس کے نبی ﷺ کے کلام کو ٹھکرا یا جائے۔ وہ ایسے لوگوں کے خلاف صاف اعلان کرتا ہے۔

﴿فَإِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُونَكَ وَلَكِنَّ الظَّالِمِينَ بِآيَاتِ اللَّهِ يَجْحَدُونَ﴾

(پس اے نبی! یہ لوگ آپ کے کلام کو نہیں ٹھکراتے بلکہ یہ ظالم اللہ کی آیتوں کے منکر ہیں۔)

لہٰذا جو لوگ اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھنے اور کلام اللہ کو ماننے کا دعویٰ کرتے ہیں انہیں لامحالہ رسول اور کلام رسول ﷺ پر بھی ایمان لانا ہوگا۔ ورنہ ان کا دعویٰ ایمان صرف باطل ہے۔

13 اسلام کے قانونی نظام کی بحالی

قانون شریعت کی اہمیت وافادیت اور تشریح احکام میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا مقام واضح کرتے ہوئے پیر کرم شاہ الازہریؒ لکھتے ہیں:

"ہم میں ایسے قانون دان بھی ہیں جن کی ساری عمر ہر آن بدلنے والے وضعی قوانین کے مطالعہ میں گزری ہے اور اب وہ ایسے قانون کو جامد اور ناقابل عمل سمجھتے ہیں جن میں ثبات واستقرار ہو خواہ اس کا فیض سورج کی طرح پرانا، اور اس کی تاثیر سورج کی پرانی کرنوں کی طرح ہر وقت حیات بخش اور روح آفریں ہو۔ اس لئے وہ فرق کرنے سے قاصر ہیں جو تشریع میں ہوتا ہے، جو اللہ کا رسول ﷺ اللہ کے حکم سے بندوں کو عطا کرتا ہے۔"[1]

حدیث کے انکار اور اس کے بعد مرکز ملت وغیرہ کے جو تصورات پرویز وغیرہ نے پیش کیے دیگر شعبہ جات کی طرح ہماری عدالتیں بھی ان کے نظریات سے متاثر ہوئیں، جس کی وجوہات میں سے ایک وجہ مولانا مودودیؒ لکھتے ہیں:

"ہمارے ججوں اور قانون پیشہ لوگوں کا ایک عنصر اسے بہت پسند کرتا ہے کہ انگریزی حکومت کے دور میں جس قانونی نظام کی تعلیم وتربیت انہوں نے پائی ہے اس کے اصولوں اور بنادی تصورات و نظریات اور جزئی وفروعی احکام سے اسلام کا معروف قانونی نظام قدم قدم پر ٹکراتا ہے۔"[2]

---

[1] ۔ازہری، کرم شاہ، پیر، **سنت خیر الانام**: 27

[2] ۔ مودودی، ابوالاعلیٰ، مولانا: **سنت کی آئینی حیثیت**: 22

اسلامی قانون جو کہ قرآن وحدیث اور اسلامی فقہ ہمیں دیتے ہیں اس سے استغناء کی وجہ:

"اس کے ماخذ تک ان کی دسترس نہیں ہے، جس بناء پر وہ اس خیال کو بہت پسند کرتے ہیں کہ سنت و فقہ کے جھنجٹ سے انہیں نجات مل جائے اور صرف اور صرف قرآن باقی رہ جائے جس کی تاویل کرنا جدید لغت کی مدد سے اب اور بھی آسان ہو گیا ہے۔"[1]

مقتدر اداروں میں بھی حدیث کے بغیر فہم قرآن کی مہم شروع ہوئی۔ مغربی پاکستان کے ہائی کورٹ کے جج جناب جسٹس محمد شفیع صاحب نے ایک مقدمہ صادر فرمایا تھا جس میں انہوں سرے سے سنت کی اہمیت اور حیثیت اور ماخذ قانون کا ہی انکار کیا ہے۔ جس پر مولانا مودودیؒ نے مفصل بحث کی ہے۔ جن کے بقول چوری کے معاملہ میں سورہ المائدہ آیت 38 میں چور مرد اور عورتوں کے ہاتھ کاٹ دیئے جائیں۔ جبکہ آیت 39 میں جو کوئی اپنے ظلم کے بعد توبہ کرے اور اصلاح کرلے تو یقیناً اللہ اس کی توبہ قبول کرتا ہے ان دونوں آیات کو ملا کر یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ چور کی زیادہ سے زیادہ سزا قطع ید ہے لیکن یہ طے کرنا ریاست کا کام ہے کہ چوری کیا اور کونسی چوری کی کیا سزا ہے؟ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ریاست کو لوگوں کے لیے قرآنی احکام پر مبنی قواعد وضوابط بنانے کا اختیار حاصل ہے۔ یہ اختیارات بہت وسیع ہیں اور منظم عملی پروگرام نافذ کرنے کے لیے ان کا آزادانہ استعمال ہونا چاہئے۔[2] اس وقت کے جج حضرات کے فیصلے جو کہ قرآن و سنت اور صحابہ وفقہاء کی فہم قرآن کو چھوڑ کر لغت کو ہی معتبر ذریعہ سمجھ کر کیے جانے اور اسی کے ذریعے قرآن کریم کی تشریح کرنے کی وجہ سے بھی حجیت حدیث پر کتب لکھیں گئیں۔

مسلمانوں کی بڑی اکثریت نے قرآن کو حفظ کر لیا۔ جس وقت وحی نازل آتی تھی، اس کے فوراً بعد کتابت کا جو سامان بھی میسر آتا تھا۔ اس پر لکھ لیا جاتا تھا اور اس غرض کے لیے رسول کریم ﷺ نے متعدد تعلیم یافتہ اصحاب کی خدمات حاصل کر رکھی تھیں۔ لیکن جہاں تک احادیث کا تعلق ہے وہ نہ یاد کی گئیں نہ محفوظ کی گئیں۔ وہ ان لوگوں کے ذہنوں میں چھپی پڑی رہیں جو اتفاقاً کبھی دوسروں کے سامنے ان کا ذکر کرنے کے بعد مر گئے، یہاں تک کہ رسول ﷺ کی وفات کے چند سو برس بعد ان کو جمع اور مرتب کیا گیا۔ ان کے خیال میں اب وقت آگیا ہے کہ یہ معلوم کرنے کے لیے ایک مکمل اور منظم ریسرچ کی جائے کہ عربوں کے حیرت انگیز حافظے اور زبردست قوتِ یادداشت کے باوجود آیا احادیث موجودہ شکل میں قابل اعتماد اور صحیح تسلیم کیا جاسکتا ہے؟ یہ

---

[1]۔ ایضاً::22

[2]۔ ایضاً:270

اعتراف کیا جاتا ہے کہ رسول اللہ کے بعد پہلی مرتبہ تقریباً ایک سو سال بعد احادیث کو جمع کیا گیا مگر ان کا ریکارڈ اب قابل حصول نہیں ہے۔[1]

منکرین حدیث خاص طور پر پرویز صاحب کے طلوع اسلام نے حدیث و سنت کی عدم حجیت کے لیے جتنا ہو سکتا تھا۔اس سے بڑھ کر محنت کی۔ جس کے نتیجہ میں مسلمانوں کے دیگر شعبہ زندگی کے متعلقہ لوگ متاثر ہوئے۔اسی طرح ہمارا اعدالتی نظام بھی بری طرح ان کے نظریات سے نہ صرف متاثر ہوا بلکہ ان کی زبان بولنے لگا اور ان ہی تعلیمات کا مبلغ بن گیا۔ مغربی پاکستان ہائی کورٹ ایک فیصلہ میں جج صاحب لکھتے ہیں:

"اصل مشکل سے سابقہ حدیث کے معاملہ میں پیش آتا ہے جو سنت رسول یا عمل رسول کی خبر دیتی ہے ۔۔۔۔اس کی متعدد مثالیں اردو کے ایک عمدہ رسالے میں جمع کی گئی ہیں۔ جسے ادارہ طلوع اسلام کراچی نے ''اسلام میں قانون سازی کے اصول'' کے نام سے شائع کیا ہے۔"[2]

دوسری جگہ لکھتے ہیں:

"میں نے اس (رسالہ طلوع اسلام) سے بہت فائدہ اٹھایا۔۔۔ یہاں میرے لیے یہ کہنا ضروری نہیں ہے کہ سنت کے مبنی بر وحی ہونے کی دلیل کچھ مضبوط نہیں ہے۔"[3]

خلفائے راشدینؓ کے دور میں شوریٰ ٹھیک وہی کام کرتی تھی جو کہ ہمارے دور میں ایک مجلس قانون ساز کا کا ہوتا ہے۔ پھر جب خلافت کا نظام نہ رہا تو عام مسلمانوں کا اعتماد ان حکمرانوں پر نہ رہا۔ جس کی وجہ نہ تو وہ اہل تقویٰ کی مجلس شوریٰ بناتے تھے جس وجہ سے ان کی بادشاہت نہ چل سکتی تھی اور نہ ہی ان کے مطلب کے لوگوں کے فیصلوں کو شرعی فیصلے ماننے کے لیے تیار ہو سکتے تھے ۔مختلف اور متفرق فتاویٰ جات اور فیصلے اس وقت کے مفتیان کرام اور قضاۃ دیتے رہے اور ان کے حلقہ اثر میں نافذ بھی ہوتے رہے مگر متفرق فتاویٰ جات اور فیصلوں کی وجہ سے قانونی طوائف الملوکی پیدا ہو گئی۔

حضرت امام ابو حنیفہؒ اس خلا کو پُر کرنے کے لیے آگے بڑھے۔انہوں نے ایک غیر سرکاری مجلس قانون ساز بنائی۔ جس میں قرآنی احکامات کی تعبیر، سنتوں کیتحقیق، سلف کے اجماعی فیصلوں کی تلاش و جستجو، صحابہ وتابعین اور تبع تابعین کے فتاویٰ جات کی

---

[1] ۔ایضاً:280

[2] ۔ایضاً:292

[3] ۔ایضاً:293

جانچ پڑتال اور معاملات و مسائل پر اصول شریعت کی تطبیق کا کام بڑے پیمانے پر کیا گیا۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا یہ پچیس تیس سال کے عرصہ میں پورا اسلامی قانون مرتب و مدون کر کے رکھ دیا۔ بیس سال بھی نہ گزرے تھے کہ یہ سلطنت عباسیہ کا قانون بن گیا۔ جو کہ ایک عرصہ تک قانون رہا۔اس کے بعد آج تک مسلمان اپنے مسائل کے لیے علماء ہی کی طرف رجو کرتے ہیں۔

14 حجیت حدیث اور اشتراکیت کا رد

حدیث سے انکار کرنے اور حدیث کو حجت نہ ماننے والوں نے خود بھی کچھ اصول وضع کر لیے اور خود بھی اپنی باتوں کو قابل حجت بنانے اور اپنے نظریات کو دوسروں پر مسلط کرنے کی کوشش کرنے لگے، چنانچہ مولانا مودودیؒ لکھتے ہیں:

"ان کا پہلا اصول یہ ہے کہ تمام شخصی املاک کو ختم کر کے ایک مرکزی حکومت کے تصرف میں دے دیا جائے اور وہی حکومت افراد کے درمیان تقسیم رزق کی مختار کل ہو۔اس کا نام ہے نظام ربوبیت اور کہا جاتا ہے کہ قرآن کا اصل مقصود یہی نظام قائم کرنا ہے۔"[1]

یہی وہ خود فہمی قرآن کا دعویٰ تھا جس کا نتیجہ اشتراکیت سے متاثر ہونا اور لوگوں کو بھی اس کی طرف دعوت دینا تھا چونکہ حدیث رکاوٹ تھی۔ کسی بہانے حدیث کا انکار کرنے کی وجہ سے وہ اپنے مطلب کی تشریحات کرنے لگے، مولانا مودودیؒ لکھتے ہیں:

"پچھلے تیرہ سو سال میں کسی کو اسے سمجھنے کی توفیق میسر نہ ہوئی صرف حضرت مارکس اور ان کے خلیفہ حضرت اینجلز قرآن کے اس مقصدِ اصل کو پا سکے"[2]

پھر مسلمانوں کے مختلف جماعتوں کو منظم کرنے کا جو طریقہ انہوں نے بتایا وہ بھی بڑا قابل، قدر ہے مگر یہ مسلمانوں پر احسان نہیں بلکہ مرکزی حکومت کو خدا اور سول کا درجہ دینے اور حکمراں کو قرآن کی تشریح اپنی صوابدید پر کرنے کے اختیارات دینے کے لیے تھے، چنانچہ پرویز صاحب لکھتے ہیں:

---

[1]۔ ایضاً:20

[2]۔ ایضاً:21

"تمام پارٹیاں اور جماعتیں توڑ دی جائیں، اور مسلمانوں کو قطعاً کوئی جماعت بنانے کی جازت نہ دی جائے، تاکہ معاشی حیثیت سے بے بس ہو جانے کے باوجود اگر مرکزی حکومت کے کسی فیصلے کی مزاحمت کرنا چاہیں تو غیر منظم ہونے کی وجہ سے نہ کر سکیں۔"[1]

اسلام کے سارے نظام اور احکام کی نئی تشریح کرنے کے قائل حضرات میں سے پرویز صاحب لکھتے ہیں:

"اگر قرآن کا نظام معاشی اس قسم کا ہے تو پھر اس نے صدق، خیرات، وراثت، وغیرہ سے متعلق احکام کیوں دیئے ہیں؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن اس نظام کو یک لخت نہیں لے آنا چاہتا، بتدریج قائم کرنا چاہتا ہے۔ لہٰذا صدقہ، خیرات، وراثت، وغیرہ کے احکام اس عبوری دور سے متعلق ہیں جس میں ہنوز یہ نظام اپنی آخری شکل میں قائم نہ ہوا۔"[2]

عبوری دور کی اصطلاح قائم کرکے قرآن کریم کے بنیادی احکام سے روگردانی کرنا ہے، اور اسلام کی نئی تشریحات کے یہ حضرات قائل تھے۔ اب سوال یہ ہے کہ یہ نئی تشریحات کس کی روشنی میں ہونی چاہیے، چودہ سو سالہ تاریخ میں کو امت قرآن و حدیث کر دین کو سمجھتی آرہی ہے اسی کی روشنی میں نئے احکام مرتب کرنے چاہئے یا پھر الگ سے نیا کوئی پیمانہ بنانا چاہیئے اور دوسرا سوال یہ ہے کہ جو بنیادی احکام جیسے زکوٰۃ، میراث، صدقات وغیرہ کی تشریحات کے بجائے اصل وجہ تشریع ہی کا انکار کیا قرآن کے حکم کی خلاف ورزی ہے یا حکمراں کو ایسے احکام کی خلاف ورزی کے اختیارات ہیں۔

ایک آیت کی ترتیح کرتے کہ بہر کیف اس آیت سے صرف جواز ثابت ہوتا ہے نہ کہ لزوم اور میری دانست میں ریاست اس اجازت کو محدود کر سکتی ہے۔ اگر پچاس آدمیوں کی جماعت میں سے اکثریت یہ قانون بنا سکتی ہے کہ ان میں سے کوئی قتل کا ارتقاب نہیں کرے گا، تو اس مثال پر قیاس کرتے ہوئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ اگر ایک مسلمان کے لیے یہ ممکن ہے کہ وہ کہے جج شفیع صاحب لکھتے ہیں:

"میں ایک سے زیادہ بیویاں نہیں کروں گا کیونکہ میں اس کی استطاعت نہیں رکھتا تو آٹھ کروڑ مسلمانوں کی اکثریت بھی ساری قوم کے لیے یہ قانون بنا سکتی ہے کہ قوم کی معاشی، تمدنی یا سیاسی حالت اس بات کی اجازت نہیں دیتے کہ اس کا کوئی فرد ایک سے زیادہ بیویاں کرے۔"

---

[1]۔ ایضاً: 21

[2]۔ غلام احمد پرویز، اسلامی نظام میں معاشیات، بین الاقوامی مجلس مذاکرہ

قرآن کی آیات کی مزید تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اس آیت کو قرآن مجید کی دوسری آیات کے ساتھ ملا کر پڑھنا چاہیے پہلی آیت سورہ ۲۴ آیت ۳۳ ہے جس میں یہ طے کیا گیا ہے کہ جو لوگ شادی کرنے کے ذرائع نہ رکھتے ہوں ان کو شادی نہ کرنی چاہیے اگر ذرائع کی کمی کے باعث ایک شخص کو ایک بیوی کرنے سے روکا جاسکتا ہے انہی وجوہات یا ایسے ہی وجوہ کی بنا پر اسے ایک سے زیادہ بیویاں کرنے سے روک دیا جانا چاہیے۔۔۔"[1]

اگر س طرح آیات قرآنیہ کی تشریح کر دی جائے اور ہماری عدالتیں بھی ایسے احکامات جاری کرتی رہیں تو یقیناً جو اسلام اور قانون اسلام کی صورت بنے گی وہ قابل عمل تو ضرور ہوگی مگر وہ اسلامی نہیں بلکہ غیر اسلامی قانون اور ہوگا کیونکہ جس قانون کو اسلامی قانون کہا جاتا ہے وہ ہمیشہ کتاب وسنت کا تابع ہوتا ہے من مانی تشریحات اور خاص طور پر ایسی تشریحات جو کہ کتاب وسنت کی روح کے خلاف ہوں ان کو کیونکر اسلامی قانون مانا جاسکتا ہے۔

---

[1] ۔ایضاً:268،269

نتائج بحث

اس مقالہ میں درجِ ذیل نتائج سامنے آئے ہیں:

اس مقالہ میں درجِ ذیل نتائج سامنے آئے ہیں:

1. منتخب کتب کے تجزیاتی مطالعہ سے معلوم ہوا کہ ان کتب میں حجیت حدیث پر عقلی اور نقلی دلائل کے ذریعے بحث کی گئی اور حجیتِ حدیث سے متعلق عقلی اور نقلی دلائل پیش کرنے میں اکثر متفق ہیں اور ان کی بیشتر آراء مشترک ہیں۔

2. منتخب تصانیف کے مطالعہ سے معلوم ہوا کہ یہ کتب پاکستان آئین سازی میں کتاب کے ساتھ سنت کو آئین کا حصہ بنانے میں منفرد نوعیت کی حامل رہی ہیں اور ان میں موجود دلائل کی وجہ سے ایک اسلامی آئین کی طرف پیش رفت ممکن ہوئی ہے۔ دور حاضر میں ان سے مختلف انداز سے استفادہ کیا جا رہا ہے۔

3. منتخب کتب کے تجزیاتی مطالعہ سے معلوم ہوا کہ ان میں تاریخ حدیث، تدوین حدیث، حفاظت حدیث، اطاعت و اتباع رسول ﷺ، ضرورت و اہمیت حدیث اور ان کے متعلق شکوک و شبہات کے جوابات کے بارے میں آراء مشترک ہیں۔ یہ آراء قرآنی آیات، احادیث رسول ﷺ، صحابہ اور تابعینؒ سنت رسول اور حدیث رسول پر مبنی ہے۔

4. منتخب کتب کے تجزیاتی مطالعہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ان کتب میں حجیت حدیث کے متعلق وارد ہونے والے اعتراضات کا علمی محاسبہ کیا گیا ہے اور ان کے مدلل علمی جوابات قرآن و حدیث کی روشنی میں دیئے گئے ہیں۔

6. بہت سارے دلائل اور آراء میں متفق ہونے کے ساتھ کچھ آراء متفرق اور مختلف بھی ہیں مگر ان کی وجہ سے حجیتِ حدیث پر کوئی اثر مرتب نہیں ہوتا البتہ کچھ اختلافات کی وجہ سے عوام الناس میں شبہات موجود ہیں، اور ان کو تجزیاتی مطالعہ کے ذریعے دور کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

7. ان کتب کے تجزیاتی مطالعہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ کتب مختلف لحاظ سے درجِ ذیل طور پر انفرادی حیثیت بھی رکھتی ہیں:

1 تدوین حدیث کے ضمنن میں فن حدیث کے دوسرے متعلقات یعنی اسماء الرجال اصول حدیث کی حقیقت، ان کی موجودہ حیثیت اور آئندہ ممنکہ ترقیوں کو سمجھنے کے لیے یہ کتاب منفرد ہے۔

2 سنت کی آئینی حیثیت میں زیادہ تر سنت کی تشریعی اور قانونی حیثیت سے بحث کی گئی ہے جس کے ضمن میں منکرین حدیث کی اصطلاحات مرکز ملت اور اور اس طرح کی دوسری اصلاحات وضع کی گئی ہیں۔ جن کی وجہ سے حدیث مبارکہ کی حجیت کے حوالے سے موجود ابہام کا ازالہ کیا گیا ہے۔

3 باقی تین کتب (آئینہ پرویزیت، سنت خیر الانام اور حجیت حدیث) میں دلائل زیادہ طور پر ایک ہی جیسے ہیں۔

4 ان کتب میں برصغیر میں حجیت پر یہ علمی مواد ایمان کی حفاظت اور حجیت حدیث کے ضمن میں اصلاح کے لیے موجود ہے۔

3 تجزیاتی مطالعہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سنت کی آئینی حیثیت میں احادیث کا اندراج بعض مقامات پر تحقیقی تقاضوں کے مطابق نہیں کیا گیا۔ جس میں صرف احادیث کا مفہوم بیان گیا ہے اور ان کے حوالہ جات بھی درج نہیں ہیں۔

4 تدوین حدیث میں بھی بعض مقامات پر حوالہ دینے کا معیار تحقیقی نوعیت کا نہیں۔ مصنف نے اکثر مقامات پر آیات و احادیث اور شخصیات کے مکمل حوالہ جات نہیں دیئے نیز فہرست مصادر نہ دینے سے اصل ماخذ تک رسائی مشکل ہو جاتی ہے۔

سفارشات

- حکومت کو چاہئے کہ تعلیمی نصاب میں حجیت حدیث کو باقاعدہ مضمون کی صورت میں شامل کرے اور عاملین بالسنہ علماء کا تذکرہ بھی شامل کرے۔

- علماء کو چاہیے کہ احادیث کے حجیت والے پہلو کو اجاگر کریں۔ علمی اختلافات کو علماء کے درمیان ہی رہنے دیں۔

- آئین پاکستان کا آئینی تقاضہ یہ ہے کہ کتاب و سنت کے خلاف مہم کا علمی جواب دینے کے لیے اہل علم کو مواقع اور سہولیات فراہم کی جائیں۔

- انکار حدیث کی وجہ سے عوام کے اندر استخفاف کی صورت میں علماء کو چاہیے کہ وہ عوامی جلسوں میں احادیث کی حجیت والے پہلو کو اجاگر کریں، اسی طرح درسِ قرآن کے ساتھ حجیت حدیث کو باقاعدہ موضوع بنا کر درس دیں۔

- جامعات کی سطح پر ایسا ماحول ترتیب دیا جائے کہ نوجوان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنا آئیڈیل سمجھیں اور ان کی عملی زندگی میں انقلاب اور تبدیلی رونما ہو۔ جس کے نتیجہ میں وہ اسوہ حسنہ کو ہی کامیابی کی کلید قرار دیں۔ جس کے لیے حضرات صحابہ، صحابیات، تابعین اور تابعات کی زندگیوں کے احوال پر مشتمل نصاب ترتیب دیا جائے۔

فہارس

فہرست آیات

نمبر شمار	آیت	سورت	آیت نمبر	صفحہ نمبر
1	﴿أَتُحَدِّثُونَهُمْ بِمَا فَتَحَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ ...﴾	البقرة	76	13
2	﴿كَمَاأَرْسَلْنَافِيكُمْ رَسُولًامِنْكُمْ...﴾	البقرة	151	24
3	﴿وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا﴾	البقرة	275	38
4	﴿ وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ قُلْ هُوَ أَذًى .....﴾	البقرة	222	59
5	﴿وَمِنْهُمْ أُمِّيُّونَ لَا يَعْلَمُونَ الْكِتَابَ إِلَّا......﴾	البقرة	78	211
6	﴿وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ .....﴾	البقرة	187	71
7	﴿قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ فَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ﴾	آل عمران	137	54
8	﴿قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ...﴾	آل عمران	31	175
9	﴿مَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ وَمَنْ تَوَلَّى...﴾	النساء	80	32
10	﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا﴾	ایضا	65	33
11	﴿وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللَّهِ حَدِيثًا (٨٧) ﴾	النساء	87	13
12	﴿أَنْ تَجْمَعُوا بَيْنَ الْأُخْتَيْنِ إِلَّامَاقَدْ﴾	النساء	23	36
13	﴿وَأُمَّهَاتُكُمُ اللَّاتِي أَرْضَعْنَكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ﴾	النساء	23	37

14	﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللَّهِ .....﴾	النساء	64	175
15	﴿وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلَى مَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَإِلَى ....﴾	النساء	61	176
16	﴿إِنَّا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ....﴾	النساء	105	176
17	﴿إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَ......﴾	النساء	105	177
18	﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ....﴾	المائدة	3	27
19	﴿لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَمِنْهَاجًا﴾	المائدة	48	193
20	﴿فَإِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُونَكَ وَلَكِنَّ الظَّالِمِينَ بِآيَاتِ اللَّهِ..﴾	الانعام	33	255
21	﴿وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ﴾	الاعراف	157	38
22	﴿يَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ.... ﴾	الاعراف	157	176
23	﴿ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ﴾	التوبة	40	40
24	﴿وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا..........﴾	التوبة	34	181
25	﴿وَالسَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ .﴾	التوبة	100	163
26	﴿قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ..﴾	التوبة	29	190
27	﴿عَفَا اللَّهُ عَنْكَ لِمَ أَذِنْتَ لَهُمْ حَتَّى يَتَبَيَّنَ.....﴾	التوبة	43	223
28	﴿وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا ....﴾	النحل	44	26
29	﴿وَقَدْ خَلَتْ سُنَّةُ الْأَوَّلِينَ (١٣) ﴾	الحجر	13	55

54	77	الاسراء	﴿وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيلًا (٧٧)﴾	30
176	51	النور	﴿إِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِينَ إِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ ....﴾	31
176	80	النور	﴿وَمَنْ يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَخْشَ اللَّهَ وَيَتَّقْهِ......﴾	32
28	36	الاحزاب	﴿وَمَاكَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَ.....﴾	33
175	21	الاحزاب	﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ.......﴾	34
54	38	الاحزاب	﴿سُنَّةَ اللَّهِ فِي الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ وَلَنْ تَجِدَ...﴾	35
223	50	سبا	﴿قُلْ إِنْ ضَلَلْتُ فَإِنَّمَاأَضِلُّ عَلَى نَفْسِي وَإِنِ.....﴾	36
39	20	يس	﴿وَجَاءَ مِنْ أَقْصَى الْمَدِينَةِ رَجُلٌ يَسْعَىٰ﴾	37
18	51	الشوري	﴿ وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُكَلِّمَهُ اللَّهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْمِنْ....﴾	38
211	32	الجاثية	﴿إِنْ نَظُنُّ إِلَّا ظَنًّا وَمَا نَحْنُ بِمُسْتَيْقِنِينَ (٣٢) ﴾	39
211	24	الجاثية	﴿وَمَا لَهُمْ بِذَلِكَ مِنْ عِلْمٍ إِنْ هُمْ إِلَّا يَظُنُّونَ (٢٤)﴾	40
30	33	محمد	﴿ يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا .....﴾	41
212	12	الحجرات	﴿اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ﴾	42
19	3،4	النجم	﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَى (٣) إِنْ هُوَ إِلَّا.. ﴾	43
70	17	القمر	﴿وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُدَّكِرٍ﴾	44
175	7	الحشر	﴿وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْه... ﴾	45

46	﴿هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ....﴾	الجمعة	2	176
47	﴿وَإِذْأَسَرَّ النَّبِيُّ إِلَى بَعْضِ أَزْوَاجِهِ حَدِيثًا﴾	التحريم	3	40
48	﴿يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ﴾	التحريم	1	222
49	﴿إِنَّ فِي ذَلِكَ لَذِكْرَى لِمَنْ كَانَ لَهُ قَلْبٌ أَوْ ....﴾	ق	37	70
50	﴿عَبَسَ وَتَوَلَّى (١) أَنْ جَاءَهُ الْأَعْمَى (٢)﴾	عبس	2،1	40

فہرست احادیث

نمبر شمار	حدیث	کتاب	حدیث نمبر	صفحہ نمبر
1	لَقَدْ ظَنَنْتُ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ أَلَّا يَسْأَلَنِي عَنْ هَذَا.....	صحیح بخاری	99	13
2	يَا عَائِشَةُ! لَوْلَا أَنَّ قَوْمَكِ حَدِيثُ عَهْدٍ بِجَاهِلِيَّةٍ	صحیح بخاری	1509	1586
3	لَا يُجْمَعُ بَيْنَ الْمَرْأَةِ وَعَمَّتِهَا، وَلَا بَيْنَ الْمَرْأَةِ	صحیح بخاری	4820	36
4	نَهَى رَسُولُ النبي ﷺعَنْ كُلِّ ذِي نَابٍ مِنَ السِّبَاعِ	صحیح بخاری	5207	38
5	اكْتُبُوا لِأَبِي شَاهٍ	صحیح بخاري	2302	48
6	احْفَظُوهُ وَأَخْبِرُوهُ مَنْ وَرَاءَكُمْ	صحیح بخاری	87	64
7	لِيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ، فَإِنَّ الشَّاهِدَعَسَى أَنْ يُبَلِّغَ	صحیح بخاری	67	65
8	قَدْسَنَّ رَسُولُ اللهِﷺالطَّوَافَ بَيْنَهُمَا،فَلَيْسَلِأَحَدٍ	صحیح بخاری	1643	69
9	فَكَانَ رِجَالٌ إِذَا أَرَادُوا الصَّوْمَ رَبَطَ أَحَدُهُمْ فِي	صحیح بخاری	1818	71
10	مَنْ كنزها فلم يؤدي زَكَاتَهَا فَوَيْلٌ لَهُ، إِنَّمَا كَانَ	صحیح بخاری	1316	72
11	اقْرَؤُوا الْقُرْآنَ مَاائْتَلَفَتْ عَلَيْهِقُلُوبُكُمْ،فَإِذَااخْتَلَفْتُمْ	صحیح بخاری	6931	146
12	سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِﷺيَقُولُ:لَانُورَثُ،مَاتَرَكْنَاصَدَقَةٌ	صحیح بخاری	6725	155
13	لاتكذبوا على فانه من كذب على فليلج النار-	صحیح بخاری	106	160

180	1395	صحیح بخاری	فَأَعْلِمْهُمْ أَنَّ اللَّهَ افْتَرَضَ عَلَيْهِمْ صَدَقَةً فِي أَمْوَالِهِمْ	14
244	113	صحیح البخاری	مَا مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ أَحَدٌ أَكْثَرَ حَدِيثًا عَنْهُ	15
46	3004	صحیح مسلم	لَاتَكْتُبُوا عَنِّي،وَمَنْ كَتَبَ عَنِّي غَيْرَ الْقُرْآنِ فَلْيَمْحُهُ	16
۶۵	2419	صحیح مسلم	هَذَا أَمِينُ هَذِهِ الْأُمَّةِ	17
69	1277	صحیح مسلم	بِئْسَ مَا قُلْتَ، يَا ابْنَ أُخْتِي! طَافَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ	18
150	3004	صحیح مسلم	لَا تَكْتُبُوا عَنِّي،وَمَنْ كَتَبَ عَنِّي غَيْرَالقُرْآنِ فَلْيَمْحُهُ	19
48	2666	سنن ترمذي	اسْتَعِنْ بِيَمِينِكَ	20
67	2678	سنن ترمذی	يَابُنَيَّ،إِنْ قَدَرْتَ أَنْ تُصْبِحَ وَتُمْسِيَ لَيْسَ فِي قَلْبِكَ	21
148	2649	سنن ترمذی	مَنْ سُئِلَ عَنْ عِلْمٍ عَلِمَهُ ثُمَّ كَتَمَهُ أُلْجِمَ يَوْمَ القِيَامة	22
68	2641	سنن ترمذی	إِنَّ بني إسرائيلَ تَفَرَّقَتْ عَلَى ثِنْتَيْنِ وَسَبْعِينَ مِلَّةً	23
72	1417	سنن ابوداؤد	إنَ الله لم يَفرِضِ الزكاةَ إلا ليطيِّبَ ما بقي مِن	24
147	3659	سنن ابوداؤد	تَسمَعُونَ،ويُسمَعُ منكم،ويُسمَعُ ممن يَسمَعُ مِنكُم	25
151	3646	سنن ابوداؤد	اكْتُبْ فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ مَا خَرَجَ مِنْهُ إِلاّ حَقٌّ	26
55	1846	سنن ابن ماجه	النِّكَاحُ مِنْ سُنَّتِىْ فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِىْ فَلَيسَ مِنِّىْ	27
67	209	سنن ابن ماجه	مَنْ أَحْيَا سُنَّةً مِنْ سُنَّتِي، فَعَمِلَ بِهَا النَّاسُ،كَانَ لَهُ	28
146	35	سنن ابن ماجه	إِيَّاكُمْ وَكَثْرَةَ الْحَدِيثِ عَنِّي، فَمَنْ قَالَ عَلَيَّ مَا لَمْ	29

30	تَرَكْتُ فِيكُمْ أَمْرَيْنِ، لَنْ تَضِلُّوا مَا تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا	موطامالک بن انس	3	63
31	كَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآنَ	مسند حمد بن حنبل	24601	43
32	أَلا إِنِّي أُوتِيتُ الْقُرآنَ ومِثلَهُ مَعَهُ	مسند احمد بن حنبل	17173	64
33	فَمَنِ اقْتَدَى بِي فَهُوَ مِنِّي، وَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِي	مسند احمد بن حنبل	23474	68
34	نَضَّرَ اللَّهُ عَبْدًا سَمِعَ مَقَالَتِي فَحَفِظَهَاوَوَعَاهَاوَأَدَّاهَا	مسند شافعی	1806	63
35	نَضَّرَ اللَّهُ عَبْدًا سَمِعَ مَقَالَتِي فَحَفِظَهَاوَوَعَاهَاوَأَدَّاهَا	مسند شافعی	1806	63
36	إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى يَسْتَحْيِي مِنْ ذِي الشَّيْبَةِ لُزُومًالِلسُّنَّةِ	السنۃ للشیبانی	23	66
37	هَذِهِ سَمِعْتُهَا مِنَ النَّبِيِّ ﷺ فَكَتَبْتُهَا وَعَرَضْتُهَاعَلَيْهِ	متدرک علی الصحیحین	6452	244
38	الْمُتَمَسِّكُ بِسُنَّتِي عِنْدَ فَسَادِ أُمَّتِي لَهُ أَجْرُ شَهِيدٍ	المعجم الاوسط	5414	67
39	سِتَّةٌ لَعَنْتُهُمْ، وَالتَّارِكُ لِسُنَّتِي	السنۃ لابن ابی عاصم	44	69
40	فَاحْفَظُوهُنَّ، وَادْعُوا إِلَيْهِنَّ مَنْ وَرَاءَكُمْ	مسند ابوداؤد طیالسی	2870	147

فہرست مصادر و مراجع

القرآن کریم منزل من اللہ تعالیٰ

عربی کتب:

1. ابن اثیر، عزالدین، محمد بن محمد، الکامل فی لاتاریخ،(دار الکتاب العربی، بیروت: 1997ء)

2. ابن بطال، علی بن خلف، شرح بخاری،(مکتبۃ الرشد، سعودی، 2003ء)

3. ابن بطوطہ، محمد بن عبداللہ، تحفۃ النظار في غرائب الامصار وعجائب الاسفار رحلۃ ابن بطوط،(اکادیمیۃ مملکۃ المغربیۃ، رباط: 1417ھ)

4. ابن تیمیہ، احمد بن عبدالحلیم تقی الدین(م 728ھ) مجموع الفتاوی،(مکتبہ ملک فہد: سن اشاعت: 1416ھ/1995ء)

5. ابن جوزی، أبوالفرج، جمال الدین، عبدالرحمن بن احمد(م 598ھ)، غریب الحدیث،(دار الکتب العلمیۃ- بیروت 1405ھ)

6. ابن حزم، علی بن احمد، الاحکام فی اصول الاحکام،(دار الآفاق الجدیدۃ، بیروت)

7. بن عبد البر، ابو عمر یوسف، علامہ(م463ھ)، جامع بیان العلم وفضلہ،(دار ابن الجوزی – سعودی عرب، اشاعت اول: 1414ھ، 1994ء

8. ابن قیم، ابوعبداللہ، محمد بن ابی بکر(659ھ-751ھ)، مدارج السالکین في منازل السائرین(دار عطاءات العلم- الریاض)

9. ابن قیم جوزی، محمد بن ابو بکر، اعلام الموقعین،(دار الکتب العلمیۃ: بیروت: 1991ء)

10. ابن کثیر، اسماعیل بن عمر، ابوالفداء، امام، تفسیر القرآن العظیم(مصطفی محمد کتب خانہ- قاہرہ، مصر 1937ء)

11. ابن ماجہ، ابوعبداللہ، محمد بن یزید قزوینی، امام(م 273ھ)، سنن ابن ماجہ،(دار احیاء الکتب العربیۃ- بیروت)

12. ابن نجیم، زین الدین بن إبراھیم(م 970ھ) البحر الرائق شرح کنز الدقائق(دار الکتاب الإسلامی)

13. ابوداؤد، سجستانی، سلیمان بن اشعث، امام(202ھ-275ھ) سنن أبي داود(دار الرسالۃ العالمیۃ: اشاعت اول 1430ھ-2009ء)

14. ابوداؤد، سجستانی، سلیمان بن اشعث، امام(202ھ-275ھ) سنن أبي داود(دار الرسالۃ العالمیۃ: اشاعت اول 1430ھ-2009ء)

15. ابوزہوہ، محمد، الحدیث والمحدثون(دار الفکر العربی- بیروت)

16. ابوشہبہ محمد بن محمد، الدکتور، الوسیط(عالم لامعرفۃ جدہ للنشر والتوزیع-)

17. ابویوسف، یعقوب بن ابراھیم انصاري، امام(المتوفی: 182ھ) الخراج(مکتبۃ الازھریۃ للتراث)

18. ابن ابی الھیثم، ابو بکر، احمد(م 279ھ)، التاریخ الکبیر(الفاروق الحدیثۃ- قاہرہ، اشاعت اول: 1427ھ-2006ء)

19. احمد بن حنبل، امام، مسند احمد(موسسۃ الرسالۃ)

20. اسعدی، مفتی محمد عبیداللہ، علوم الحدیث(ادارۃ المعارف کراچی، جون 2008ء)

21. اصفہانی، راغب حسین بن محمد، مفردات القرآن،(دار القلم، بیروت)

22. امینی، محمد تقی، مولانا، فقہ اسلامی کا تاریخی پسِ منظر

23. امینی، محمد تقی، مولانا، حدیث کا درایتی معیار (قدیمی کتب خانہ کراچی:1996ء)

24. انصاری، زکریا، زین الدین، کتاب فتح الباقي بشرح ألفية العراقي

25. ایم۔ایس۔ناز، ڈاکٹر، شاہ ولی اللہ اور علم حدیث، (مقبول اکیڈمی لاہور)

26. آمدی، علی بن محمد، الاحکام فی اصول الاحکام، (المکتب الاسلامی بیروت، 1402ھ)

27. بلاذری، احمد بن یحیٰ، فتوح البلدان (بیروت، مکتبۃ الہلال:1988)

28. بیہقی، احمد بن حسین، ابو بکر (م458ھ)، معرفۃ السنن والآثار، (جامعۃ الدراسات الاسلامیۃ، کراچی پاکستان)

29. ترمذی، ابو عیسی، محمد بن عیسی امام (م279ھ)، سنن الترمذي، (مكتبة مصطفى البابي حلبي۔ مصر اشاعت دوم:1395ھ-1975ء)

30. تھانوی، محمد بن علي ابن القاضي (م بعد 1158ھ) موسوعة كشاف اصطلاحات الفنون والعلوم (مكتبه لبنان ناشر – بيروت 1996ء)

31. ٹونکی، احمد حسن، مولانا، اسلام میں سنت و حدیث کا مقام (مکتبہ بینات کراچی)

32. ٹھٹھوی،، ابوالحسن، نورالدین، محمد بن عبدالھادی السندی (م1138ھ)، حاشية السندي علی سنن ابن ماجه

33. جرجانی، شریف علی بن محمد، تعریفات، (دار الکتب العلمیہ بیروت:1983ء)

34. حاجی خلیفہ، کاتب چلپی، مصطفیٰ بن عبداللہ، کشف الظنون فی اسامی الکتب والفنون (داراحیاء التراث العربی بیروت)

35. حاکم نیشاپوری، ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ، المستدرک علی الصحیحین، (دار الکتب العلمیۃ۔بیروت، اشاعت اول:1411ھ، 1190ء)

36. حقانی، مفتی محمد فدا، تسہیل الاصول الی حدیث الرسول (مکتبہ رحمانیہ لاہور)

37. حميدي، محمد بن فتوح (م488ھ)، تفسیر غریب مافی الصحیحین البخاری ومسلم، (مکتبۃ السنۃ- قاھرہ–مصر1415ھ)

38. حنبلي، زین الدین، عبدالرحمن بن أحمد (م795ھ) شرح علل الترمذی، (مکتبۃ المنار- الزرقاء–اردن طبع اول:1407ھ-1987ء)

39. خطیب بغدادی، ابو بکر، احمد بن علی، تاریخ بغداد (دار الغرب الاسلامی۔بیروت:200ء)

40. خطیب، محمد عجاج، السنۃ قبل التدوین، ا(دار الفکر بیروت–طباعت سوم1400ھ-1980ء)

41. ذہبی، شمس الدین (م748ھ)، تذکرۃ الحفاظ، (دار الکتب العلمیۃ بیروت- لبنان، اشاعت اول، 1419ھ-1998ء)

42. ذہبی، شمس الدین، محمد بن احمد، میزان الاعتدال فی نقد الرجال (دار المعرفۃ۔بیروت:1963ء)

43. رازی، ابوالحسین، احمد بن فارس، امام (م395ھ) معجم مقاییس اللغۃ (دار الفکر، سن طباعت:1399ھ، 1979ء)

44. راغب اصفہانی، حسین بن محمد، المفردات في غریب القرآن

45. رامہرمزی، حسن بن عبد الرحمٰن بن خلاد، المحدث الفاصل بین الراوی والواعی، (دار الفکر بیروت: 1404ھ)

46. زبیدی، مرتضی، محمد بن محمد (م1205ھ-)، تاج العروس من جواھر القاموس، (دار الھدایۃ)

47. زبیر احمد، ڈاکٹر، حافظ، حجیت حدیث اور انکار حدیث ایک تحقیقی و تجزیاتی مطالعہ، مکتبہ رحمۃ للعالمین، نومبر: 2016)

48. زرقاني، ابوعبداللہ، محمد، شرح المواھب اللدنیۃ (دار الکتب العلمیۃ)

49. زمخشري، محمود بن عمر، اساس البلاغہ (نور کشور۔ ہندوستان)

50. زہرانی، محمد بن مطر، ابویاسر (م1427ھ)، تدوین السنۃ النبویۃ نشأتہ و تطورہ من القرن الأول إلی نھایۃ القرن التاسع الھجري، (ادار الھجرۃ۔ الریاض، سعودی، سن اشاعت: 1417ھ-1996ء)

51. زہری، محمد بن سعد (م230ھ) الطبقات الکبیر، (مکتبۃ الخانجی: قاہرہ— مصر، اشاعت اول: 1421ھ-2001ء)

52. سباعی ، مصطفی بن حسنی ، علامہ (م1384ھ) السنۃ و مکانتھا في التشریع الِاسلامی (المکتب الِاسلامی- دار الوراق ،طباعت اول: 2000ء)

53. سخاوي، شمس الدین، محمد بن عبد الرحمن (ت 902ھ) فتح المغیث بشرح الفیۃ الحدیث للعراقی، مکتبۃ السنۃ مصر اشاعت اول: 1424ھ/2003ء)

54. سلفی، محمد اسماعیل، حجیت حدیث، (مکتبہ اسلامیہ لاہور: 2006ء)

55. سمعانی، عبد الکریم بن محمد، الانساب (مجلس دائرۃ المعارف العثمانیۃ، حیدر آباد: 1962ء)

56. سہیل حسن، ڈاکٹر، معجم اصطلاحات الحدیث، (ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد، 2003ء)

57. سیالکوٹی، محمد صادق، مولانا، ضرب حدیث، (کتاب و سنت، سیالکوٹ)

58. سیوطي، جلال الدین، عبد الرحمن بن ابي بکر، (ت 911ھ)، تدریب الراوي في شرح تقریب النواوي، دار طیبہ)

59. سیوطي، جلال الدین، عبد الرحمن بن أبي بکر، (ت 911ھ) الِاتقان في علوم القرآن الھیئۃ المصریۃ العامۃ للکتاب الطبعۃ 1394ھ/1974م

60. شاطبیؒ، ابواسحاق، ابراہیم بن موسیٰ، الموافقات، (دار ابن عفان۔ 1997ء)

61. شافعی، محمد بن ادریس، امام: الرسالہ (مصطفی البابی الحلبی و اولادہ۔ مصر)

62. شہرستانی، ابوالفتح، محمد بن عبد الکریم: (م548ھ) الملل والنحل، (مؤسسۃ الحلبی)

63. شوکانی، محمد بن علی، نیل الاوطار، (دار الحدیث، مصر: 1993ء)

64. شیبانی،ابو بکر بن ابي عاصم (ت 287ھ)،السنة،(ناشر مکتب الِاسلامی۔ بیروت،اشاعت اول:1400ھ)

65. صابونی، محمد علی، صفوة التفاسیر (دار الصابوني قاھرہ، طباعت اول 1417ھ–1997ء)

66. صالح، محمد بن یوسف (942ھ)، سبل الھدی والرشاد، في سیرة خیر العباد، وذکر فضائلہ وأعلام نبوتہ وأفعالہ وأحوالہ في المبدأ والمعاد،(دار الکتب العلمیة بیروت–لبنان۔ اشاعت اول:1414ھ-1993ء)

67. صبحی صالح،ڈاکٹر،علوم الحدیث ومصطلحہ

68. صدیقی، محمد سعد، علم حدیث اور پاکستان میں اس کی خدمت

69. صلاح الدین،حافظ ،حدیث رسول کی تشریعی حیثیت(،سہ ماہی منہاج لاہور)

70. صنعاني،عبدالرزاق،أبو بکر بن ھمام،،المصنف،(دار التأصیل:2013ء)

71. طبرانی،ابوالقاسم،سلیمان بن احمد(م360ھ)،المعجم الاوسط،(دار الحرمین– قاھرہ، سن اشاعت:1415ھ،1995ء)

72. طبری، محمد بن جزیز،ابو جعفر،اختلاف الفقھاء،(دار الکتب العلمیة)

73. طبری، محمد بن جزیز،ابو جعفر،تاریخ طبری(تاریخ الرسل والملوک)،(دار المعارف مصر:1967ء)

74. طبری، محمد بن جریر،ابو جعفر(224ھ-310ھ)جامع البیان عن تأویل آي القرآن(دار التربیة والتراث۔مکہ مکرمہ)

75. طحان، محمود بن احمد،ابو حفص، تیسیر مصطلح الحدیث،(مکتبة المعارف اشاعت دہم:1425ھ۔2004ء)

76. طحاوی،احمد بن محمد،ابو جعفر،،شرح معانی آلاثار(عالم الکتب، مدینة المنورة)

77. طحطاوی،احمد بن اسماعیل،سید،حاشیہ الطحاوی علی مراقی الفلاح(دار الکتب العلمیة بیروت–لبنان،اشاعت اول:1997ء)

78. عتر،نورالدین،الدکتور: منھج النقد في علوم الحدیث،دار الفکر،دمشق–سوریة الطبعة:الثالثة،1411ھ–1981م)

79. عثمانی،،شبیر احمد،علامہ،فتح الملھم

80. عثمانی، ظفر احمد، مولانا، قواعد فی علوم الحدیث،(ادارة القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی)

81. عثمانی، محمد تقی، مفتی،علوم القرآن(مکتبہ معارف القرآن کراچی)

82. عثمانی، محمد رفیع، مفتی، کتابت خدیث عہد رسالت اور عہد صحابہ میں،(ادارة المعارف، کراچی ذی الحجہ 1405، ستمبر 1985ء)

83. عثمانی، محمد، شفیع، مفتی، معارف القرآن،(مکتبہ معارف القرآن کراچی)

84. عثمانی، محمد فہیم،مولانا، حفاظت وحجیت حدیث،(دار الکتب،لاہور،اشاعت 1979ء)

85. عسقلانی،ابن حجر،احمد بن علی، حافظ، فتح الباری شرح صحیح البخاری،(دار المعرفة۔بیروت)

86. عسقلانی،ابن حجر،ابوالفضل،احمد بن علی،لسان المیزان،(دار المعرفة النظامیة، ھند:1971ء)

87. علوی، خالد،ڈاکٹر، حفاظت حدیث

88. عمادی، عبداللہ، علم الحدیث (مکتبہ نشاۃ الثانیہ معظم جاہی مارکیٹ حیدر آباد)

89. عینی، بدرالدین، علامہ، عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری، بیروت)

90. غازی، محمود احمد، ڈاکٹر، محاضراتِ فقہ (الفیصل ناشران وتاجران کتب، اردو بازار لاہور، فروری 2008ء)

91. فیروز آبادی، ابو طاہر، محمد بن یعقوب (م 817ھ) القاموس المحیط (مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت—لبنان)

92. قاری، علی بن سلطان، الحصروی، شرح نخبۃ الفکر، کوئٹہ، 1973ء)

93. قاری محمد طیب، مولانا، قرآن وحدیث، (ادارہ علوم شرعیہ، کراچی)

94. قاسمی، محمد جمال الدین، مولانا (1332ھ)، قواعد التحدیث من فنون مصطلح الحدیث، (دار الکتب العلمیۃ- بیروت- لبنان)

95. كرماني، شمس الدين، محمد بن يوسف (ت 786ھ) الكواكب الدراري في شرح صحيح البخاري (دار إحياء التراث العربي، بيروت- لبنان اشاعت دوم: 1981ء)

96. قسطلانی، ابو العباس، شہاب الدین، احمد بن محمد بن ابی بکر (م 923ھ) المواھب اللدنیۃ بالمنح المحمدیۃ (المکتبۃ التوفیقیۃ، قاہرہ- مصر)

97. کشمیری، انور شاہ، علامہ (م 1353ھ) فیض الباري علی صحیح البخاري, (دار الکتب العلمیۃ بیروت—لبنان 1426ھ-2005ء)

98. کیرانوی، وحید الزمان، علامہ، القاموس الوحید

99. لبید بن ربیعۃ بن مالک عامری، ابو عقیل، (م 41ھ) دیوان لبید بن ربیعۃ العامري (دار المعرفۃ: 1425ھ، 2004ء)

100. مالک بن انس، امام (م 179ھ) الموطأ، (مؤسسۃ زاید بن سلطان آل نھیان ابو ظبی— الإمارات الطبعۃ الأولی، 1425ھ- 2004ء)

101. مبارک پوری، عبد الرحمٰن، علامہ۔ تحفۃ الاحوذی، (نشر السنۃ ملتان، 1402ھ)

102. مبارک پوری، قاضی اطہر، خلافت راشدہ اور ہندوستان، (فکر و نظر پبلی کیشنز سندھ اسلامک سنٹر، سکھر)

103. محمد احمد معبد، نفحات فی علوم القرآن، (دار السلام۔ قاہرہ: 2005ء)

104. محمد اسحاق، ڈاکٹر، علم حدیث میں پاک وہند کا حصہ (ترجمہ: شاہد حسین رزاقی) ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور۔

105. محمد عثمان غنی، مولانا، نصر الباری، (مکتبہ نعمانیہ کراچی، فروری 2000ء)

106. مروزی، عبداللہ بن مبارک (م 181ھ) الزھد والرقائق لابن المبارک، من روایۃ الحسین المروزي

107. مروزی، محمد بن نصر، ابو عبداللہ (م 294ھ) السنۃ، (مؤسسۃ الکتب الثقافیۃ—بیروت 1408ھ)

108. مسلم، مسلم بن حجاج، امام، صحیح مسلم (دار احیاء التراث بیروت)

109. مظہری، حسین بن محمود، المفاتیح فی شرح المصابیح، (دار النور کویت: 2012ء)

110. معروفی، مولانا عبداللہ، حدیث اور فہم حدیث، (مکتبہ خدیجۃ الکبری کراچی، اپریل 2010ء)

111. مقاتل بن سلیمان، ابوالحسن بن بشیر (م 150ھ) تفسیر مقاتل بن سلیمان، (دار احیاء التراث ــ بیروت 1423ھ)

112. مناوی، محمد عبد الرؤوف ،زین الدین (م 1031ھ) التوقیف علی مھمات التعاریف، (عالم الکتب قاھرہ، اشاعت اول: 1410ھ، 1990ء)

113. میرٹھی، م، بدر عالم، مولانا۔ ترجمان السنہ اردو۔ (مکتبہ رحمانیہ لاہور)

114. میرٹھی، م، بدر عالم، مولانا، حجیت حدیث، (مطبہ اسلامیہ سعودیہ۔ لاہور: 1979)

115. ماخوذ از ماہنامہ محدث، (مجلس التحقیق الاسلامی 99ج ماڈل ٹاؤن، لاہور)

116. نائک، عبدالکریم، ذاکر، مذاہب عالم میں تصور خدا (دار النور، الحمد مارکیٹ، غزنی اسٹریٹ، اردو بازار لاہور 2006ء)

117. نجم، عبدالمنعم، سید، تدوین السنۃ و منزلتھا، (الجامعۃ الاسلامیۃ، مدینہ منورہ)

118. نجیب آبادی، اکبر شاہ خاں، آئینہ حقیقت نما

119. ندوی، سید سلمان، عربوں کی جہاز رانی، (اسلامک کلچر حیدر آباد دکن)

120. نواب صدیق حسن خان، ابجد العلوم (دار ابن حزم 2002ء: 1423ھ)

121. نووی، ، یحی بن شرف، محی الدین، ابو زکریا (م 676ھ) المنہاج شرح صحیح مسلم بن الحجاج (دار احیاء التراث العربي ــ بیروت: 1392ھ)

122. ہروی، اُبو اسماعیل، عبداللہ بن محمد (م 481ھ۔)، منازل السائرین، (دار الکتب العلمیۃ ــ بیروت)

123. ہیثمی، علی بن زیاد، ابو الحسن، نور الدین، امام (م 807ھ) مجمع الزوائد و منبع الفوائد، (الناشر مکتبۃ القدسي، قاہرہ، 1414ھ، 1994ء)